نوادراتِ
مرثیہ نگاری
جلد اوّل
ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی

Prof. SHARIB RUDAULVI
COLLECTION

نوادراتِ مرثیہ نگاری

(جلد اوّل)

ڈاکٹر علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

14014

مرکزِ علومِ اسلامیہ، کراچی ۔ پاکستان

﷼ جلد اوّل ﷼

قیمت:۔ .... ۳۰۰ روپے

......سنِ اشاعت......

۲۰۰۴ء

مرکزِ علومِ اسلامیہ

1-4، نعمان ٹیرس۔ فیز۔3

یونیورسٹی روڈ، گلشنِ اقبال، بلاک۔ 11

کراچی۔ پاکستان

فون نمبر: 8112868

موبائل: 0333-2132641

⊙⊙⊙⊙ انتساب ⊙⊙⊙⊙

محترم ڈاکٹر نیّر مسعود (نیّر بھائی)

کے نام

(جن کی کتاب "انیسؔ (سوانح) نے دھوم مچادی ہے)

''ماہِ نو'' کراچی کا ''میر انیسؔ نمبر'' ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ اس زمانے میں ہندوستان و پاکستان میں ڈاک کا سلسلہ موقوف تھا۔ لندن سے ایک ''انیسؔ نمبر'' پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ مرحوم کو ''ماہِ نو'' کے ایڈیٹر فضل قدیر مرحوم نے بھجوایا مسعود صاحب مرحوم نے اس پر کچھ نوٹس بھی لکھے تھے۔ بعد میں یہ رسالہ سید محمد رشید کے کتب خانے میں پہنچ گیا۔ ''ماہِ نو'' کے میر انیسؔ نمبر میں علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے اشاریے اور حالاتِ انیسؔ پر مضامین شامل ہیں۔ مسعود حسن ادیبؔ مرحوم نے ستمبر ۱۹۷۲ء کے ایک خط میں نجیب حسین مرحوم کو لکھا:-

''ماہِ نو میر انیسؔ نمبر کے اشاریے نہایت کارآمد ہیں''۔

(ادارہ)

فہرستِ مضامین ومقالات

(جلد اوّل)

نوادرات کی قیمت

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ قلمی مخطوطات اپنی قدر و قیمت کھوتے چلے جارہے ہیں، وہ محققین اور دانشور جوان موضوعات پر تحقیقی کام کرتے رہتے تھے ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہوگئے۔ خصوصاً مرثیے کے شائقین بہت تھوڑے رہ گئے ہیں، پاکستان میں قلمی مرثیوں کی قدر و قیمت کبھی بھی نہیں تھی۔ نہ یہاں کبھی کوئی کام اس سلسلے میں ہوا ہے۔ ہندوستان میں پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ، ڈاکٹر مسیح الزماں نے اودھ کے قلمی مرثیوں پر کچھ کام کیا تھا۔ دہلوی مرثیوں پر پدم شری علی جواد زیدی نے اور دکنی مرثیوں پر نصیر الدین ہاشمی اور چراغ علی نے کچھ کام کیا تھا۔ قلمی غیر مطبوعہ مرثیوں پر جو کچھ بھی کام ہوا وہ ہندوستان میں ہی ہوا، پاکستان میں کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوسکا۔ پاکستان میں مرثیوں کے چند ذخیرے موجود ہیں لیکن بے ترتیب اور کم درجے کے ذخیرے ہیں۔

سچ پوچھیے تو پاکستان میں قلمی مرثیوں کا سب سے قیمتی اور نایاب ذخیرہ ہمارے کتب خانے میں ہے۔ ''تاریخ مرثیہ نگاری'' جب ہم نے لکھنا شروع کی تو ہمارے پاس مختلف ذرائع سے قلمی مرثیوں کا ذخیرہ معجزاتی طور سے پہنچتا رہا، اس سلسلے میں متعدد حضرات کے ذخیرے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۸۴ء میں فرخ آباد، قائم گنج، راج گڑھ ہوتے ہوئے شمس آباد پہنچے، وہاں، پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں کا قدیم مرثیوں کا ذخیرہ پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ

کے کتب خانے میں منتقل ہو گیا تھا۔ شمس آباد میں کچھ نہیں مل سکا۔ شمس آباد کے ذخیرے میں مرزا دبیر اور اُن کے شاگردوں کے مرثیوں کا ذخیرہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی پہلے ہی لے آئے تھے، اس ذخیرے کا کچھ حصہ مہاراشٹر کالج بمبئی میں اور بچا کچھا حصہ محمد رشید صاحب (جعفر منزل لکھنؤ) کے پاس ہے۔

پروفیسر مسعود حسن ادیب کا ذخیرہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ ذخیرہ میں نے علی گڑھ جا کر دیکھا۔ اس ذخیرے کی فہرست اور شمس آباد کے ذخیرے کی فہرستیں میں پہلے ڈاکٹر نیر مسعود صاحب سے لے کر دیکھ چکا تھا۔ لکھنؤ میں جتنے دن قیام رہا یہ فہرستیں میرے پاس رہیں، اس فہرست کی ایک نقل میرے پاس محفوظ ہے۔ پروفیسر مسعود حسن ادیب ''تاریخ مرثیہ نگاری'' لکھنا چاہتے تھے لیکن کام پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اور آخر مرثیوں کا ذخیرہ علی گڑھ منتقل ہو گیا۔

سید محمد رشید (جعفر منزل لکھنؤ) کا ذخیرۂ مراثی ناقص، بے ترتیب اور ضعیف ہے، رشید صاحب خود محقق نہیں ہیں وہ مرثیوں کے مصنفین سے بھی مکمل آگاہی نہیں رکھتے ہر عہد کے مرثیے خلط ملط کر دیئے ہیں ایک تخلص کے متعدد مرثیہ نگار ہیں انہوں نے سب کے مرثیے ایک جگہ کر دیئے ہیں مثلاً جلیس جونپوری، جلیس لکھنوی، سلیس کانپوری، سلیس لکھنوی، جلیل مانکپوری، جلیل لکھنوی اور میر جلیل کے مرثیے کی پہچان ہی ختم کر کے رکھ دی ہے، اسی طرح آرزو تخلص کے چار مرثیہ گو ہیں، شمیم، برجیس تخلص کے کئی مرثیہ گو ہیں، نفیس بدایونی اور میر نفیس کے مرثیے خلط ملط کر دیئے ہیں، رشید صاحب کے کتب خانے کی فہرست ہمارے پاس موجود ہے اور اُسے درست کرنے میں وقت درکار ہوگا۔

مہاراج کمار کے قلمی مرثیے بھی دیکھے، مہاراج کمار مرحوم نے تمام مرثیے مجھے دکھائے میں نے کئی روز تک محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ میں بیٹھ کر اُن کے مرثیوں کی فہرست بنائی اور مرثیوں کے بند بھی ڈائری میں نوٹ کئے۔ یہاں بھی یہی مسئلہ ہے کہ مہاراج کمار مرثیے جمع کرنے کے شائقین میں تھے لیکن مرثیے کے محقق نہیں تھے۔

لکھنؤ میں حیدر نواب جعفری صاحب (بھوانی گنج لکھنو)، مسعود حسین زیدی مرحوم (فراش خانہ لکھنؤ) نصیر رضا صاحب (سلطان بہادر روڈ لکھنؤ) کے مرثیوں کے ذخیرے بھی دیکھے ان حضرات کے مرثیوں کی فہرست بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

تاریخ مرثیہ نگاری لکھنے کا عزم ہمارے بہت سے ادیب اور محققین قدیم زمانے سے کرتے رہے ہیں، کسی کا کام منظر عام پر نہ آسکا۔

صفؔیر بلگرامی نے مرثیہ نگاروں کا ایک تذکرہ ''چشمہ کوثر'' کے نام سے لکھا تھا، اس تذکرے سے ثابتؔ لکھنوی نے ''دربار حسین'' میں کسی حد تک استفادہ کیا ہے، ''چشمہ کوثر'' کا اب کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ تذکرہ کہاں گیا۔

نصیر حسین خیالؔ بھی تاریخ مرثیہ نگاری لکھنا چاہتے تھے، ۱۹۱۵ء کے ایک خط میں نصیر حسین خیالؔ نے لکھا ہے (یہ خط وصی احمد بلگرامی کے نام ہے) کہ میں ''مرثیہ گویانِ ہند کا ایک تذکرہ مرتب کرنے کی فکر و کوشش کر رہا ہوں:-

''فرمائش ہے کہ اس کام میں خاطر خواہ میری مدد کیجئے اور آپ کے ذریعے سے اگر پرانے مراثی کہیں مل سکیں تو اُن کو حاصل کرنے کی فکر کیجئے اور اپنے دادا صاحب صفؔیر بلگرامی کے مراثی میں سے دو ایک بھی مل سکیں تو مجھے فوراً بھیجئے''

محمود بریلوی اپنے ایک مضمون ''نواب نصیر حسین خیال اور اُن کی ادبی خدمات'' (مطبوعہ ماہ نو کراچی نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۳) میں لکھتے ہیں:-

''نصیر حسین خیالؔ نے ''میر انیس اور مرثیہ نگاری'' پر بھی ایک مفصل کتاب لکھی تھی، مگر اس کا حشر معلوم نہیں کیا ہوا''۔

پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ نے ''تاریخ مرثیہ نگاری'' پر ہزاروں صفحات لکھے ہیں لیکن ڈاکٹر نیّر مسعود صاحب کا کہنا ہے کہ ان بے ترتیب صفحات کو ترتیب دینا آسان نہیں ہے۔ اور شاید ہی یہ صفحات اشاعت پذیر ہو سکیں۔

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر مسعود حسن ادیب مرحوم کے مرثیوں کا ذخیرہ ہم نے علی گڑھ جا کر دیکھا۔ ان مرثیوں کی جلدوں کی تفصیلات اور لائبریری نمبر مندرجہ ذیل ہیں:۔

قلمی فہرست مراثی مسعود حسن ادیب

مرثیے		یونیورسٹی مخطوطات نمبر
مراثی قدیم	۱۱۳ مرثیے	۵۴۲
مراثی فارسی	۳۷ مرثیے	۵۴۳
مراثی ریختہ	۱۵۰ مرثیے	
مراثی ریختہ دوسرا نسخہ		
مراثی قدیم	۲۸ مرثیے	۵۴۴
مراثی احسان	۱۰۳ مرثیے	۵۴۵
مراثی گدا	۴۴ مرثیے	۵۴۶
مراثی کرم علی	۱۸۱ مرثیے	۵۴۷
مراثی مسکین	۵ مرثیے	۵۴۸
مراثی سکندر	۱۹ مرثیے	۵۴۹
مراثی حیدری	۲۶ مرثیے	۵۵۰
مراثی افسردہ جلد اول	۱۰۳ مرثیے	۵۵۱
مراثی افسردہ جلد دوم	۶۷ مرثیے	۵۵۲
مراثی افسردہ جلد سوم	۵۱ مرثیے	۵۵۳
مراثی وسلامہائے نصیر الدین حیدر و بادشاہ	۱ مرثیہ ۱۲ سلام	۵۵۴
سلامہائے مضطر	۲۱ سلام	۵۵۵

کل تعداد ۲۲۱ مرثیے

سلامہاو مراثی منتظر	۱۲۸ سلام ۵ مرثیے	۵۵۶
مراثی دلگیر جلد اول	۸۷ مرثیے	۵۵۷
مراثی دلگیر جلد دوم	۶۶ مرثیے	۵۵۸
سلام ہائے دلگیر	۶۴ سلام	۵۵۹
مراثی ضمیر جلد اول	۴۳ مرثیے	۵۶۰
مراثی ضمیر جلد دوم	۹۵ مرثیے	۵۶۱
مراثی فصیح	۱۱۱ مرثیے	۵۶۲
مراثی خلیق جلد اول	۳۳ مرثیے	۵۶۳
مراثی خلیق جلد دوم	۸۹ مرثیے	۵۶۴
مراثی خلیق جلد سوم	۷۰ مرثیے	۵۶۵
مراثی خلیق جلد چہارم	۷۷ مرثیے	۵۶۶
جلد خوش خط مراثی خلیق واخلاف خلیق تقطیع کلاں	۱۱۴ مرثیے	۵۶۷
مجموعہ مراثی خلیق و پسران خلیق وضمیر ودلگیر و فصیح وافسردہ وغیرہ	۶۰ مرثیے	۵۶۸
مراثی ذہین	۳۶ مرثیے	۵۶۹
سلامہائے قاسم	۲ سلام	۵۷۰
مراثی عالم	۲۵ مرثیے	۵۷۱
نوحہ جات وسلامہائے عالم	۹	۵۷۲
مراثی انیس جلد اول	۴۲ مرثیے	۵۷۳
مراثی انیس جلد دوم	۴۲ مرثیے	۵۷۴
مراثی انیس جلد سوم	۴۸ مرثیے	۵۷۵

مراثی الشعرا بہ ترتیب حروف تہجی

اس صورت حال میں ہم نے بھی ''تاریخ مرثیہ نگاری'' چودہ (۱۴) جلدوں میں ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب کب چھپ سکے گی یہ کہنا مشکل ہے۔ بعض ایسے مرثیہ نگار شعرا جن کے مرثیے اب تک منظر عام پر نہیں آئے ان کی فہرست ہم نے الگ ترتیب دی ہے یہ ''نوادرات مرثیہ نگاری'' مرثیے کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتے ہیں، پدم شری علی جواد زیدی صاحب کراچی تشریف لائے تو بہت سے ہمارے مضامین لے گئے اور وقتاً فوقتاً

''العلم'' بمبئی میں شائع بھی کرتے رہے، کچھ مضامین وہ ہیں جو ''القلم'' کراچی میں شائع ہوئے۔

فی الحال ان مضامین، مقالوں اور غیر مطبوعہ مرثیوں کو ہم نے دو جلدوں میں ترتیب دیا ہے ابھی دو جلدیں اور زیر ترتیب ہیں۔

ہماری تحقیق حرفِ آخر نہیں ہے، اضافوں کی گنجائش ہے، جن مرثیہ نگاروں کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اُن مرثیہ نگاروں کے دیگر مرثیے کسی ادبی ذخیرے میں ہوں تو ہم کو بھیجیے تاکہ ''تاریخِ مرثیہ نگاری'' میں اُسے شامل کرلیا جائے۔ (شکریہ)

ضمیر اختر نقوی

مرزا محمد ہادی رسوا کی مرثیہ نگاری

مرزا محمد ہادی رسوا لکھنوی فروری ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ کے محلے کوچہ آفرین علی خاں میں پیدا ہوئے۔ ''رسوا'' اُن کا قلمی نام تھا جو ناولوں کے لئے اختیار کیا۔ وہ اپنے زمانے کے خوش فکر شاعر بھی تھے اور ''مرزا'' تخلص کرتے تھے۔

مرزا کے والد آغا محمد تقی لکھنؤ کے مشہور مرزا خاندان کے تھے۔ مرزا رسوا کچھ دنوں رائے بریلی میں اور دیر رہے۔ پھر کوئٹے میں قیام رہا، نوکری میں زیادہ دن دل نہ لگا لکھنؤ واپس آکر کیمیاوی تجربات میں منہمک ہو گئے، چاندی بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۸۸۸ء میں کرسچن کالج لکھنؤ میں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں حیدرآباد دکن چلے گئے، کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ واپس آکر ۱۹۱۹ء میں دوبارہ حیدرآباد دکن گئے اور وہیں ۲۱، اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

مرزا رسوا غیر معمولی ذہنی صلاحیت رکھتے تھے۔ فلسفے کے علاوہ کیمسٹری، سائنس، ریاضی، نجوم، موسیقی اور مذہبی امور میں بڑی دسترس حاصل تھی، کئی کتابیں بھی ان موضوعات پر لکھیں۔ ان کے اکثر مضامین غیر ممالک میں بھی شائع ہوئے۔ خصوصاً امریکہ میں ان کے مضامین اکثر شائع ہوئے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ اردو شارٹ ہینڈ کی اصطلاحات انہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اردو ٹائپ کا کی بورڈ (Key Board) بھی انہی کی کوشش کا مرہون منت ہے۔

مرزا رسوا کی شہرت ان کے ناولوں کی وجہ سے ہے۔ اُن کے پانچ ناول اردو ادب میں بہت مشہور معروف ہیں جو ایم۔ اے۔ اردو کی درسیات میں بھی شامل ہیں۔

مرزا رسوا نے شاعری کی جانب کبھی سنجیدگی سے توجہ نہ کی محض تفریح طبع کے لئے شعر کہتے تھے لیکن اس کے باوجود اپنی جودت طبع کے باعث اس عہد کے ایک شیوا بیان مانے گئے۔

ان کا بیشتر کلام بے پروائی کے سبب ضائع ہو گیا۔ غزل گوئی کے علاوہ رسوا نے مثنوی، قصیدہ،

سلام اور مرثیے کی اصناف میں بھی قادر الکلامی کے جوہر دکھائے ہیں۔

میرؔ کا نام تو روشن ہے مگر اے مرزاؔ
اک چراغ اور سر راہ جلاتے جاؤ

عمر کے ابتدائی حصے میں مرزا رسواؔ نے مرزا دبیرؔ کو اپنا کلام دکھایا۔ کچھ عرصے بعد مرزا محمد جعفر اوجؔ سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ (دربار حسین، ص ۱۹۵)

ثاقب لکھنوی نے ان کی مرثیہ نگاری کے متعلق لکھا ہے:

''مرثیہ، سلام وغیرہ میں مرزاؔ تخلص فرماتے ہیں مگر مجھے کوئی مرثیہ اب تک دستیاب نہیں ہوا''۔

(دربار حسین، ص ۱۹۴)

ڈاکٹر میمونہ بیگم انصاری جنہوں نے ''مرزا محمد ہادی رسواؔ حیات اور ادبی کارنامے'' کے موضوع پر لاہور سے پی ایچ ڈی۔ کی ہے لکھتی ہیں ''مرزا رسواؔ نے تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن باوجود مشہور مرثیہ گو استاد کی شاگردی کے جو اس فن کا مجتہد بھی تھا، مرثیہ نہ کہا'' (ص ۲۹، ص ۵۰)

ڈاکٹر ظہیر فتح پوری کو بھی مرزا رسواؔ کے مرثیہ نگاری کے سلسلے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی انھوں نے بھی مرزا رسواؔ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر محمد حسن نے ''مرزا رسواؔ کے تنقیدی مراسلات'' میں اور مرزا جعفر حسین نے ''لکھنؤ کے ادیب'' میں مرزا رسواؔ کی مرثیہ نگاری کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ ممتاز حسین عثمانی نے لکھا ہے

''چند سلام اور مرثیے کے، کلام نظم کے بارے میں جو حال جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیزؔ نے لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ وہ کبھی جمع نہیں ہوا''۔

(مرزا رسواؔ کے تنقیدی مراسلات، ص ۲۰۴)

عزیز لکھنوی لکھتے ہیں:

مرزا صاحب کو مرثیہ و سلام کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی مگر مرزا محمد جعفر صاحب اوجؔ مرحوم کی خاطر سے اکثر سلام کہا کرتے تھے۔ حضرت اوجؔ مرحوم دستور قدیم کے موافق پچیسویں رجب کو نیا مرثیہ میر باقر ... کے امام باڑے میں پڑھا کرتے تھے اس موقع پر اکثر مرزا صاحب اصرار کر کے سلام کہلواتے تھے اور قبل اپنے مرثیے کے خود پڑھا کرتے تھے۔ مرزا کے ساتھ میں بھی اکثر ان مجلسوں میں شریک ہوا ہوں جس میں ان کے سلام پڑھے گئے ہیں۔ مرزا محمد طاہر صاحب رفیع

خلف حضرت اوجؔ مرحوم سے مرزا صاحب کے چند سلام ملے باقی سرمایہ سلاموں کا بھی ضائع ہوگیا۔ چند اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں:

شوقِ تسلیم و رضا بے سر و ساماں نکلا — بے کفن فاطمہؑ کی زینتِ داماں نکلا
اشک کا تار مسلسل ہے نہ کر فکر تاں — سلسلہ عفو کا اے خجلتِ عصیاں نکلا
لاش سرورؑ کا نہیں کوئی چھپانے والا — اب تو ارماں ترا اے ریگِ بیاباں نکلا
ہیچ ہو جائے گی خورشید قیامت کی نمود — دل سے میرے جو کوئی داغ نمایاں نکلا
غم کو نہیں کو حسرت نے جگہ دی دل میں — ہم جسے تنگ سمجھتے تھے پر افشاں نکلا

ذکر مرزاؔ کے جو نالوں کا ہوا گلشن میں
آشیاں سے نہ کوئی مرغ خوش الحاں نکلا

صورتیں غم کی ہیں یوں تازہ گرفتاروں میں — کوئی دیکھے تو کہے نقش ہے دیواروں میں
اے خوشا گرمی بازار جمالِ اکبرؑ — نام لکھواتے ہیں یوسف بھی خریداروں میں
پاس تھا صنعتِ قدرت کا ذخیرہ جتنا — ہے وہ سب شبرؑ و شبیرؑ کی سرکاروں میں
گو کہ کمسن تھے بہت حضرت زینبؑ کے پسر — آنکھ جھپکی نہ چمکتی ہوئی تلواروں میں
سر اصغرؑ کو جو دیکھا تو یہ بولا انصاف — کیا یہ بچہ بھی ہے حاکم کے گنہگاروں میں
مشورہ فوج میں ہے لاش کی پامالی کا — نہیں جز یاں کوئی شہ کے طرف داروں میں

منزلِ شوق سے تا سرحدِ عرفاں جاتے — کربلا ہوتے ہوئے سوئے خراساں جاتے
بزمِ عالم بھی نہیں سوزِ الم سے خالی — ہم کہاں جینے کو اے شمع شبستاں جاتے
دل بھی ہے درد بھی ہے سر بھی ہے سودا بھی ہے — عرصۂ حشر میں کیوں بے سر و ساماں جاتے
لاش اکبرؑ پہ یہ کہتی تھی جوانی رو کر — ایسے دیکھے نہیں دنیا سے پُر ارماں جاتے
ہے وہ درگاہ نبی کہ بشرط اقبال — دن میں سو بار گدائی کو سلیماں جاتے
منزلِ شوق میں جو پاؤں ہوئے گرد آلود — کیوں نہ پئے زینتِ اورنگِ سلیماں جاتے
تاجِ شاہی کو مبارک رہے رفعت اپنی — خاک ہو کر بھی نہ ہم تا سرِ خاقاں جاتے

کے رنگ سے زیادہ میر انیسؔ کا رنگ نمایاں ہے۔ مرزا رسوا لکھتے ہیں:

''ہمارے شہر بلکہ ہندوستان کے لئے باعث فخر دو شاعر مرزا دبیرؔ اور میر انیسؔ اعلی اللہ مقامہما نے احادیث و روایات کو نظم کرنے کا التزام کیا اور اس قسم کے تلمیحات اپنے کلام میں داخل کیے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ان کے کلام بلاغت نظام کو دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں ان کو بڑا رباواقعات تاریخی سیرت انبیاء اور آئمہ ہدا پر اطلاع ہوگئی۔ اخلاق پر اس سے بہت ہی عمدہ اثر پڑا۔ جیسی ان دو شاعروں کی تعظیم و توقیر ہوئی اور شعرا کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا ان کا کلام مطبوع ہوتا جائے گا۔ اس سے زیادہ ان کا کلام قدر و منزلت کے لائق تھا۔ مگر افسوس کہ ان کی شاعری کا تعلق فرق اسلام میں سے صرف ایک فرقے کے ساتھ تھا۔ اگر اس مذہبی خصوصیت سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو بھی یہ شاعری قابل قدر ہے''۔ (مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات، ص ۵۷،۴۷)

غیر مطبوعہ

مرثیہ

مرزا محمد ہادی رسوا

(۱)

واہ کیا عالمِ امکاں میں وفادار تھا حُر
شیرِ میداں تھا نمودار تھا جرار تھا حُر
بحرِ مواجِ ولا کا دُرِ شہوار تھا حُر
رتبہ دانِ خلفِ احمد مختار تھا حُر

لاکھ رو داروں میں بے مثل و خوش انجام رہا
کام وہ کر گیا جس سے کہ سدا نام رہا

(۲)

آج تک سب کی زباں پر ہے کہانی جس کی
ہے ہر اک دل پہ رقم زمزمہ خوانی جس کی
رتبہ داں جانتے ہیں مرتبہ دانی جس کی
شمعِ محفل ہوئی ہے چرب زبانی جس کی

شور ہے چار طرف خلق کے جراروں میں
حُر بھی یکتا ہوا دنیا کے نموداروں میں

(٣)

کس نے دیکھا ہے زمانے میں بہادر ایسا
تپ چڑھے خوف سے ضیغم کو تہور ایسا
بحرِ بحرین کو حاصل نہ ہوا دُر ایسا
نام کو جس کا نہ لے نام سقر حُرؑ ایسا

بندۂ خاصِ ولی ابن ولی ایسا ہو
ہو تو شیدائے حسینؑ ابن علیؑ ایسا ہو

(٤)

؟؟؟؟؟ ؟؟؟؟ ؟؟؟؟؟
پیشوائی کرے جس عبد کی کونین کا شاہ
دشتِ غربت میں دم نزع میانِ جنگاہ
سبطِ احمدؐ رکھے سر گود میں اللہ اللہ

یوں دلِ شاہ میں گھر اپنا بنایا کس نے
حُرؑ کو حاصل ہوا وہ مرتبہ پایا کس نے

(٥)

؟؟؟؟؟ ؟؟؟؟ ؟؟؟؟؟
؟؟؟ ہیں آجاتا ہے ذکر اس کا جہاں
؟؟ آتے ہیں نظر چہروں پہ فرحت کے نشاں
یاد جب کرتے ہیں یاد آتی ہے معبود کی شاں

نقشۂ جرأت حُرؑ سر میں جونہی گھومتا ہے
وجد میں آکے ہر ایک اہلِ عزا جھومتا ہے

(۶)

فلکِ پیر نے دیکھا کوئی کب ایسا جواں
ذکر سے جس کے نموداروں کی بڑھ جاتی ہے جاں
قدر انداز ہیں سو جان سے جس پر قرباں
جن جسے جانتے ہیں، مانتے ہیں سب انساں
جس کے قائل ہوں ملک نیک سیر ایسا ہو
رہ روِ جادۂ حق ہو تو بشر ایسا ہو

(۷)

بھائی فرمائیں جسے بادشہِ عرش پناہ
محو ہوں عفو ہوں اک عمر کے دم بھر میں گناہ
پر توِ عارضِ روشن سے ہو داغی رُخِ ماہ
کیوں نہ پھر دیکھ کے قدسی کہیں ماشاء اللہ
نام عالم میں رہے تا دمِ محشر تیرا
واہ رے حرِّ وفادار مقدّر تیرا

(۸)

جس پہ ہو جاتی ہے خلّاقِ جہاں کی تائید
سب طرح کرتا ہے خوشنود اسے ربِّ مجید
اہل فرزند ملا حرّ کو تو بھائی بھی سعید
عبد وہ عبد کہ جس کی نہ کہیں دید و شنید
اُن میں بُو ہے نہ تو رنگت ہے وفاداری کی
کہوں کافور تو یہ ذہن کی ہے تاریکی

(۹)

صاحبِ دل تھا جگر دار تھا حُرؔ کا فرزند
دیکھ کر ہوتا تھا دل باپ کا ہر دم خورسند
تھا ابھی موسمِ آغازِ جوانی ہر چند
پر تہوّر سے جواں مردوں کے دم ہوتے تھے بند
سامنے آتے ہوئے راہ بچا جاتے تھے
تیور ایسے تھے کہ ؟؟؟ ؟؟؟؟؟

(۱۰)

بھائی وہ شیر نجل شیرِ نیستاں جس سے
سامنا کر نہ سکیں سام و نریماں جس سے
رُخ تھا وہ چاند عیاں لمعۂ ایماں جس سے
صاف آئینہ تھا عشقِ شہِ مرداں جس سے
؟؟؟؟؟ کے سوا چین ہی کب آتا تھا
؟؟؟؟؟ ؟؟؟؟ ؟؟؟؟؟

(۱۱)

تھا غلام ایسا کہ تھا فخرِ سلاطینِ زمن
سب مُحبّوں کا مُحب دشمنِ شہ کا دشمن
اپنے آقا سے جدا ہوتا نہ تھا وقتِ محن
اُبھرے بازو سے لگا رہتا تھا شکلِ جوشن
جان دیتا تھا وفاداریوں پہ مرتا تھا
حُرؔ کے سائے کی طرح ساتھ پھرا کرتا تھا

(۱۲)

الفتِ سرورِ کونین تھا ان سب کا خمیر
ٹپکا پڑتا تھا جبینوں سے جمالِ تقدیر
داب چہروں پہ کچھ ایسا تھا کہ دبتے تھے امیر
جس طرف آنکھ اٹھی چل گئی بُرّاں شمشیر
دم تکلّم میں دلیروں کے گھٹے جاتے تھے
پہلواں سامنے آتے ہوئے تھراتے تھے

(۱۳)

منبعِ جوُد و کرم چشمۂ اجلال و حشم
برسرِ اوج تھے پر چاند سے سر رکھتے تھے خم
نامیِ مُلکِ عرب صفدرِ اقصائے عجم
آج تک جن کی شجاعت کا بھرا کرتے ہیں دم
نوجوانوں میں سنو یا کہ ادھیڑوں میں سنو
ان کے اوصاف جواں مردوں کے جھیڑوں میں سنو

(۱۴)

آج تک ایسے غضنفر کہیں دیکھے ہی نہیں
من چلے جنگ کے صفدر کہیں دیکھے ہی نہیں
ہم نے اس نور کے اختر کہیں دیکھے ہی نہیں
آسماں پر کہ زمیں پر کہیں دیکھے ہی نہیں
ہم تو کیا چیز ہیں تقدیر نے کب دیکھے ہیں
ایسے اختر فلکِ پیر نے کب دیکھے ہیں

(۱۵)

ذکر کیا سامنے کا نام سنے گر دشمن
سنسنا جائے کبھی گاہ لرز جائے بدن
پہنچے آوازِ قضا جونہی میانِ مدفن
لاش وہ تڑپے کہ پُرزے ہو تہمتن کا بدن
روح رستم کی بھی اس دھاک سے چلاّنے لگے
گور میں قالبِ بہرام بھی تھرانے لگے

(۱۶)

اب سنو حالِ غلامانِ شہنشاہِ زماں
رن میں جب شب ہوئی عاشورِ محرم کی عیاں
حرؔ کی آنکھوں میں ہوا تیرہ و تاریک جہاں
ہو گئے آتشِ غم سے جگر و دل بریاں
عبد کو بھائی کو بیٹے کو بُلایا اُس نے
اپنے خیمے میں بٹھا کر یہ سنایا اُس نے

(۱۷)

آج دنیا کا نظر پڑتا ہے بدلا ہوا رنگ
لائقِ قہرِ خدا ہیں عمرِ سعد کے ڈھنگ
ابنِ زہراؑ سے دغا کرنے کی رکھتا ہے امنگ
صبح میدان میں جم جائیں گی فوجیں پئے جنگ
پاس حاکم کہ خیال شہِ والا نہ کروں
تم ہی اب مجھ سے کہو کیا کروں اور کیا نہ کروں

(۱۸)

متفق تینوں نے ہو کر یہ دیا حرؑ کو جواب
کور ہے دیدۂ دل کا عمرِ خانہ خراب
کون سی بات ہے یہ کیوں متردّد ہیں جناب
سر سے آنکھوں سے اُدھر چلئے جدھر راہِ ثواب
غم نہیں کٹ کے جو سر بھی بہ سرِ دار رہے
ہم کو سرور کی غلامی سے سروکار رہے

(۱۹)

رائے عالی ہو تو اس امر میں کیوں دیر لگائیں
حکم فرمائیں کہ اصطبل سے گھوڑے لے آئیں
ہو کے اسوار سمندوں کو جو رانوں میں دبائیں
پل نہ جھپکے کہ ابھی خدمتِ شبیرؑ میں جائیں
روکنے آئیں جو فوجیں عمرِ ملعوں کی
وہ پڑے کھیت کہ نہریں بہیں ہر سو خوں کی

(۲۰)

حرؑ نے سنتے ہی کیا سجدۂ معبودِ جہاں
ہاتھ اُٹھا کر کہا سب کچھ یہ ترا ہے احساں
فکر و تشویش تھی ایسی کہ نہ تھی جان میں جاں
شکر ہے شکر بس اب ہوگئی مشکل آساں
حاصل اب خدمتِ مولائے حجازی ہوجائے
اور بھی ایک نظر بندہ نوازی ہوجائے

(۲۱)

اُٹھ کے سجدے سے جو حرؔ آیا وفاداروں کے پاس
بولا کیا کیا نہ ابھی تھے مرے دل میں وسواس
جن کے ایسے ہوں ارادے اُنھیں کیوں کر ہو ہراس
مرحبا تم سے بندھی مجھ کو تو کچھ اور ہی آس
سبطِ احمدؐ کے عوض معرکے میں سر دو گے
مجھ کو تحقیق ہوا جنسِ شہادت لو گے

(۲۲)

بے خطا ہے بخدا سبطِ رسولؐ الثقلین
نام لکھ لکھ کے بُلایا ہے تو آئے ہیں حسینؑ
کیا غضب ہے کہ جگر بندِ شہِ بدر و حنین
دشت و کوہسار میں بے آب وغذا ہوئے حسینؑ
بچے سیدانیوں کے دھوپ میں تونسا جائیں
بوند پانی نہ ملے پھول سے مُرجھا جائیں

(۲۳)

مالکِ کوثر و تسنیم پہ پانی کا رکاؤ
سبطِ احمدؐ سے مسلمانوں کا اور یہ برتاؤ
ہائے اس فخرِ مسیحا کو لگیں تیروں کے گھاؤ
ایسے پیاسے کے لہو کا ہو زمیں پر چھڑکاؤ
حلق شبیرؑ اگر تیغ سے کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی عالم کا الٹ جائے گا

(۴۴)

جانتے ہو شرفِ بادشہِ نیک صفات
جس کے قدموں کے تلے رکھتی ہے سرراہِ نجات
جس کے در پہ ہیں گدا انس و ملائک جنّات
حشر تک ہے تو اسی دم سے ہے عالم کا ثبات
گر نہ دم اُن کا بھروں گا تو بھروں گا کس کا
ساتھ اُن کا نہ کروں گا تو کروں گا کس کا

(۴۵)

غازۂ روئے شجاعت ہیں ہمارے اوصاف
شب کو لشکر سے نکل جائیں ہے جرأت کے خلاف
کل ادھر چار ہیں ہم لاکھوں اُدھر ہیں ضیّاف
انشاء اللہ مگر دیکھتے ہیں وقتِ مصاف
تو سہی ٹوکتے ہی کھیت میں فوجیں آجائیں
نہریں ہو ہو کے بہم خون کے دریا بہہ جائیں

(۴۶)

رتبہ و مرتبتِ شاہ نہیں کس پہ جلی
عارفِ معرفتِ حق ہے ولی ابن ولی
چشمۂ مرحمت و عاطفتِ لم یزلی
میرا آقا مرا محسن ہے حسینؑ ابن علیؑ
بات کل کی ہے کیا سیر مرے لشکر کو
یاد ہی پی کے دعا کیوں نہ کروں سروڑ کو

(۲۷)

دھوپ سے خشک تھے اک لخت بیابان کے جھاڑ
کوسوں آتے تھے نظر جل کے سیہ رنگ پہاڑ
ہاتھ اٹھا کر کوئی کرتا تھا اگر فرق پہ آڑ
شق تمازت سے سپر ہوتی تھی پڑتی تھی دراڑ

دھوپ اس دُرز میں سے آکے جلا دیتی تھی
برق سے آگ سراپا میں لگا دیتی تھی

(۲۸)

آنکھ پڑتی تھی اگر وقتِ سحر جانبِ شرق
نظر آجاتی تھی ہر ایک کرن مہر کی برق
عقل مختل ہوئی تھی آگیا تھا ہوش میں فرق
فرق سے تا بہ قدم جسم پسینے میں تھے غرق

اس پہ طاری تھی غضب تشنہ دہانی ہم پر
آبِ حیواں تھا کڑی دھوپ میں پانی ہم پر

(۲۹)

سانس لے سکتے نہ تھے ضعف کا تھا یہ عالم
تشنہ کامی کے سبب تن سے نکلنے کو تھے دم
گو کہ ظاہر میں پئے جنگ فرستادہ تھے ہم
اس پہ شہؑ نے کیا سیراب زہے لطف و کرم

اپنے دشمن کی مصیبت کو بھی یہ کھوتے ہیں
ایسے آقا بھی زمانے میں کہیں ہوتے ہیں

(۳۰)

جھوٹ کچھ ہو تو کہو تم بھی تو ہمراہ تھے سب
جان بچ جائے کسی کو تھی یہ امید ہی کب
سبطِ احمدؐ پہ وہی دھوپ وہی پیاس ہے اب
بدلے احسان کے ہم شہ سے لڑیں ہائے غضب
عمرِ سعد کا میداں میں گزر ہونے دو
دیکھ لیتا ہوں ستم گر کو سحر ہونے دو

(۳۱)

اپنے خیموں میں لو اب جاؤ اگر جانا ہو
خلق سے پھیر کے منھ یاد کرو خالق کو
جانتا ہوں میں تمھیں صادق الاقرار ہو گو
ہاتھ سر پر مرے سب لا کے اگر رکھو تو
مکر و زورِ پسرِ سعد سے دل ویراں ہے
ورغلائے نہ کہیں ایک یہی شیطاں ہے

(۳۲)

سن کے یہ بات اشارے کیے کچھ آپس میں
ہاتھ پھر سر پر رکھا اور یہی کھائیں قسمیں
بولے ہم آئیں گے مکرِ عمرِ ناکس میں
دم صورت ہے ولائے شہِ دیں نس نس میں
پھر جری اِس طرح اُس خیمے سے باہر نکلے
غل ہوا جھوم کے آ کھر سے غضنفر نکلے

(٣٣)

آشکارا ہوئی جب رن میں شہادت کی سحر
قتل سادات پہ تیار ہوا سب لشکر
بڑھ کے یوں کہنے لگے فوجِ ستم سے افسر
ہوگا بے جان چُرائے گا کوئی جان اگر
حکم حاکم کا عمل میں نہ اگر لائے گا
جان سے جائے گا ایسی وہ سزا پائے گا

(٣٤)

دم بہ دم بجنے لگے فوجِ مخالف میں دہل
اور مبارز طلبی کا گیا افلاک پہ غُل
لے کے لشکر کو بڑھا سبطِ شہِ ختم رُسُلؐ
مع سردار بہتر تھے جواں فوج میں کُل
دیکھ کر سیّدِ ابرار کو بل کھانے لگے
تیرِ دل دوز لعین فوج سے برسانے لگے

(٣٥)

حال یہ دیکھ کے غازی نے اُڑایا توسن
اُڑتا جاتا تھا فرس باد صبا سا سن سن
پسرِ سعد جو تھا ابنِ علیؑ کا دشمن
سامنے اُس کے جو پہنچا پڑی ابرو پہ شکن
ساتھ ہی فوج سے رہوار اُڑا کر آئے
پسر و عبد و برادر بھی برابر آئے

(۳۶)

جم گیا حاکمِ ملعون کے مقابل آ کر
حرؑ نے فرمایا کہ کچھ خوف کر اللہ سے ڈر
یہ تعدی یہ جفا اور نبیؐ کا دلبر
ہے کدھر دل میں یہ کیا آئی ہے کچھ دھیان تو کر
مالِ دنیا کے لئے دین کو کیوں کھوتا ہے
کیوں عبث مستعدِ قہرِ خدا ہوتا ہے

(۳۷)

ابنِ حیدرؑ پہ ستم جانِ پیمبرؐ پہ جفا
کیا ہوا ہے تجھے کچھ کہہ تو سہی کرتا ہے کیا
آپ قرآن میں تعریف کرے جس کی خدا
اس کے آزار پہ تُو حکم کرے واویلا
میں کہے دیتا ہوں خالق سے سزا پائے گا
اس کا انجام کچھ اچھا نہیں پچھتائے گا

(۳۸)

حاکمِ شام ہے اک فاسق و فاجر بد ذات
دیں میں جس کے نہ یقیں بات میں جس کی نہ ثبات
خلق میں آلِ پیمبرؐ ہیں کہ جن پر دن رات
جن و انسان و ملک بھیجتے ہیں سب صلوات
منہ کو کیوں پھیرتا ہے نیکی سے زشتی کے لئے
کیوں بدلتا ہے بہشتی سے کنشتی کے لئے

(۳۹)

پسرِ سعد نے جس وقت سنے حرؑ کے کلام
بولا کیا خوب مرے حکم سے تجھ کو کیا کام
حاکمِ شام کو دیتا ہے نہ کیا کیا الزام
ہوش میں آکے ذرا سوچ تو اس کا انجام

خوب سمجھا ہوں ترے دل کا ارادہ کیا ہے
یہ تو سمجھا مجھے تو آپ کو کیا سمجھا ہے

(۴۰)

بس زباں تھام لے کچھ ہوش میں آ دیکھ سنبھل
سامنے سے مرے اب دور ہو جلدی کہیں ٹل
فوج قہار کا مجمع ہے بھرا ہے جنگل
حکم دوں گا تو نکل جائے گا ایک آن میں بل

منہ بگر جائے گا وہ منہ کی ابھی کھائے گا
جانہیں ٹاپوں میں رہواروں کی پس جائے گا

(۴۱)

ایک بے کل کا اگر دل سے ہوا ہے حامی
اس میں حاصل تجھے کیا ہوگا بجز ناکامی
مدتوں جس کا نمک کھا کے ہوا ہے نامی
قولِ مذہب میں بتاتا ہے اُسی کے خامی

ہوگیا کس لئے تو آپ سے باہر اتنا
آئے ٹھوکر سے زمیں پر نہ اٹھا سر اتنا

(۴۲)

تو ابھی تک شہِ بے کس کی جو بھولا نہیں یاد
کیا ارادہ ہے اُدھر جا کے کرے گا امداد
نہ وہاں جا ہی سکے گا نہ بر آئے گی مراد
ملک الموت بنے گا ترے حق میں جلاّد
رُخ اگر آئے نظر جانبِ سرورؐ تیرا
سر وہیں کاٹ لے جلاّد لپک کر تیرا

(۴۳)

سنتے ہی اور ہوئے حرِ جری کے تیور
رونگٹے بل سے کھڑے ہوگئے سارے تن پر
غیظ میں آکے ڈکارا جو یکایک تن کر
ہوش جاتے رہے تھرا گیا سارا لشکر
مضطرب ہو کے نہ دہشت سے کلیجہ ٹھہرا
بھاگ کر قلب میں لشکر کے لعین جا ٹھہرا

(۴۴)

حر نے آواز دی کیوں بھاگتا ہے نا معقول
کون سے حوصلے پر کرتا تھا باتیں یہ فضول
کیا تری اصل ہے کیا ہے ترے لشکر کے جھول
ٹھیک کر دوں مگر اس امر میں ہو جاتا ہے طول
عفوِ تقصیر کو اک بار مجھے جانا ہے
شرفِ خدمتِ شبیرؑ ابھی پانا ہے

(۴۵)

میرے انجام کو کیا پوچھتا ہے نابجار
میں وہاں ہوں گا جہاں سبطِ رسولِؐ مختار
وہ فزا گلشنِ فردوس کی وہ گل وہ بہار
وہ ہر اک سوٗ عسل و شیر کی جاری انہار
بن گیا شاہ کے صدقے سے ہر اک کام مرا
سُن لے اے عقل کے دشمن یہ ہے انجام مرا

(۴۶)

کس کا سردار اماموں کو نہ مانا جو لعیں
ہے تو کونین کا حاکم ہے شہنشاہِ مبیں
کثرتِ فوج پہ مغرور نہ ہو او بے دیں
میں تری ڈانٹ سے بودے، کبھی ڈرنے کا نہیں
سُن لے پھر کہتا ہوں بے عار ہے تیرا حاکم
فاسق و فاجر و بدکار ہے تیرا حاکم

(۴۷)

منہ کی میں کھاؤں گا کچھ ہوش میں آ منہ بنوا
منہ بگڑ جائے گا پھیلا نہ بہت منہ ایسا
تھا جو ایسا ہی تو منہ کھول کے کیوں منہ موڑا
منہ اُتر جاتا ہے کچھ سہل ہے منہ پر چڑھنا
منہ پہ کہتا ہوں لعیں پھر کے جو منہ آئے گا
تیغ کے منہ کا نوالہ ابھی بن جائے گا

(۴۸)

مرتے دم تک نہ تھمے گی کبھی یہ سیفِ زباں
ٹالنا میرا جو منظور ہے ٹلتا ہے کہاں
فوجِ قہار کی کثرت پہ اگر ہے نازاں
دیر پھر کس لئے نامرد یہ گو یہ میداں
ہم بھی دیکھیں تو کہ بل کس کا نکل جاتا ہے
کون رہواروں کی ٹاپوں سے کچل جاتا ہے

(۴۹)

جن پہ نازاں ہے لعیں کہہ کہ بڑھیں روکنے راہ
تاب کیا ہے کسی مردود کی ڈالے جو نگاہ
ہم سے جراروں کے حائل ہو اگر تیری سپاہ
بحرِ خوں کا ابھی طوفاں ہو میانِ جنگاہ
تیغ یوں برسے کہ سب ڈوب کے لاشیں رہ جائیں
سر حبابوں کی طرح موج میں خوں کی بہہ جائیں

(۵۰)

عبدِ جرار و برادر حرِ غازی کا پسر
بولے کس ڈانٹ سے للکار کے یوں تن تن کر
بھیج دے سامنے ہیں تیرے طرف دار کدھر
ابھی کھل جائیں گی آنکھیں ابھی آئے گا نظر
آنکھ ملتے ہی یہ لشکر ترا جاں کھوتا ہے
دیکھنا چشم زدن میں ابھی کیا ہوتا ہے

(۵۱)

رد کرے گی ہمیں کیا فوج تیری اے مردود
نقش بر آب ہے سرکش یہ تری بود و نمود
زعم میں اپنے جنھیں سمجھا ہے جرّار جنود
بودے نامرد ہیں، بزدل ہیں نہ دیں گے کچھ سُود
دیکھ لیں ہم بھی تو کچھ حوصلہ تیرا ظالم
سامنے فوج تو آتی نہیں تُو آ ظالم

(۵۲)

حرؔ سے پھر عرض کی پہلو میں جگر ہیں بے تاب
چلیئے للہ کہیں خدمتِ آقا میں شتاب
منھ لگانے کے یہ قابل نہیں سوچیں تو جناب
خود کو کس مرتبہ بُھولا ہوا ہے خانہ خراب
خدمتِ شہ میں ابھی جا کے رضا لیتے ہیں
پھر اسے اس کی تعلّی کی سزا دیتے ہیں

(۵۳)

پسرِ سعد سے حرؔ نے کہا او بے بنیاد
لے بس اب شہؑ کی طرف جاتے ہیں بہرِ امداد
کہہ دے گر کہنا ہو سر کاٹنے آئے جلّاد
گھیر لے روک لے ہم کو یہ تری فوج زیاد
جانبِ ابن شہنشاہِ نجف جاتے ہیں
لے خبردار شہِ دیں کی طرف جاتے ہیں

(۵۴)

حُرؑ نے ہرنے سے جو لی باگ جما کر پٹڑی
کڑکا ایکبارگی رہوار کہ بجلی کڑکی
ساتھ ہی بھائی نے بیٹے نے اڑائے تازی
بن گیا عبد کا گھوڑا بھی یکایک آندھی

خدمتِ شاہ میں اس طرح جری آ پہنچے
جیسے گلزار میں بادِ سحری آ پہنچے

(۵۵)

آئے جب سامنے ایک بار وہ چاروں دیں دار
پیشوائی کو چلے آپ شہؑ عرش وقار
صدقے اس مہر کے اس لطف وعنایت کے نثار
غُل تھا میداں میں مسیحا چلا سمتِ بیمار

واہ کیا لطف و کرم ہیں حُرؑ غازی کے لئے
آفتاب آپ چلا ذرّہ نوازی کے لئے

(۵۶)

سب نے جب دیکھا کہ آتے ہیں جنابِ شبیرؑ
پُشتِ توسن سے وہیں کود پڑے بے تاخیر
رکھے سر پاؤں پہ، کی خواہشِ عفوِ تقصیر
شہؑ نے فرمایا نہ ہو اے مرے شیر و دلگیر

جرم کے بحر سے تم صاف یوں باہر نکلے
جیسے بحرین کے عمّان سے گوہر نکلے

(۵۷)

ہم نے سب عفو کیے تم سے ہوئے تھے جو گناہ
مصطفیٰؐ تم سے رضا مند ہیں خوشنود اللہ
حرؑ نے پھر عرض کی دل میں ہے تمنا یا شاہؑ
پہلے ہم جائیں پئے جنگ میانِ جنگاہ
دل میں حسرت نہ رہے پہلے اگر جائیں ہم
واسطہ روحِ پیمبرؐ کا رضا پائیں ہم

(۵۸)

ابنِ حیدرؑ نے یہ فرمایا مرے ہو مہماں
زخم کھانے کی میں رخصت دوں یہ کب ہے امکاں
حرؑ نے پھر عرض کی اے بادشہِ کون و مکاں
صدمے اب آپ کے ہم دیکھ سکیں تاب کہاں
آپ کے صدموں سے گزر جائیں گے ہم
اِذن مرنے کا نہ پائیں گے تو مر جائیں گے ہم

(۵۹)

غم سے دم سب کا نکل جائے گا گھٹ کر یا شاہؑ
اس سے بہتر ہے رضا دیجیے ہم کو لِلّٰہ
کر دیا جس نے ہر اک غزوے میں فوجوں کو تباہ
اُسی جرار ہی کا واسطہ اے عرش پناہ
رزم میں شامیوں سے لڑنے کی رخصت دیجے
حرؑ کو لشکر کے حراول کی شرافت دیجے

(۶۰)

حرِّ دیں دار نے جس دم کیا اصرارِ کثیر
ہوئے لاچار رضا مند جنابِ شبیرؑ
لے کے رخصت جو پھرے ہوگئی دونی تنویر
آئے رہوار بھی بن بن کے پری کی تصویر

اس سجاوٹ سے جری بر سرِ زیں بیٹھ گئے
گویا خاتم پہ جواہر کے نگیں بیٹھ گئے

(۶۱)

جب سوئے دشتِ وغا شہ کے طرف دار چلے
غل تھا عصیاں سے بری ہو کے یہ ابرار چلے
قلبِ لشکر کی طرف تن کے جگر دار چلے
اک چمکتی ہوئی تلوار سی رہوار چلے

برچھوں اڑتے تھے عقاب ان کے جدھر لڑتے تھے
پر نہ پائے تھے پرن کی طرح پر اڑتے تھے

(۶۲)

تھے سمندوں کے چلاؤ میں قیامت کے چلن
جن کی پریاں بھی بلائیں لیں وہ رُخ پر جوبن
تھے تو ضیغم تھے جھپٹنے میں اُچکنے میں ہرن
کبھی تن تن کے چلے اُڑ گئے گاہے سن سن

کب صبا سیر سوئے فوجِ ستم اڑتے تھے
قاف میں چار پری زاد بہم اڑتے تھے

(۶۳)

جانتے ہی نہ تھے کہتے ہیں کسے گھبراہٹ
دل گھٹے جاتے تھے طاؤس کے ایسے گھونگھٹ
وہ طرارے وہ تگاپو وہ اچانک وہ جھپٹ
وہ زغندیں وہ دوگاما وہ قدم وہ سرپٹ
وہ جھمکڑے نہ تو چھل بل نہ تو کاوے دیکھے
جس کی چار آنکھ ہوئی چار چھلاوے دیکھے

(۶۴)

سامنے فوجوں کے پہنچے جونہی جرار جواں
حُر نے حاکم سے بدل کر کہا او بے ایماں
کیا ہوا کس لئے لشکر میں ہوا ہے پنہاں
اب نکل سامنے آ ٹھاٹ بدل کھول زباں
دور سے بولا اگر آؤں تو پھر کیا ہو جائے
حُر نے فرمایا کہ سر ٹھوکریں کھاتا ہو جائے

(۶۵)

شمر سے چیخ کے بولا پسرِ سعد شریر
مار لیتے نہیں کیوں مر گئی کیا فوجِ کثیر
کیا تامّل ہے سزا دینے میں کیوں ہے تاخیر
تیغیں پڑتی نہیں کیوں حُر پہ برستے ہیں تیر
کیا زباں کھولے ہوئے منھ پہ چڑھے آتا ہے
بے دھڑک دل میں جو آتا ہے کہے جاتا ہے

(۶۶)

شمر نے غیظ عمر کی جونہی دیکھی تشدید
اور سینے میں ہوا زیر و زبر قلبِ پلید
بڑھ کے یوں کر گیا ہر صف کو مکدر وہ عنید
جیسے کر دیتا ہے ہر جملے کو حرفِ تاکید

جان سے جاؤ گے لڑنے سے جو انجان رہے
شرط سے بڑھ کے جزا کا تمہیں اب دھیان رہے

(۶۷)

پھر تو ہر سو سے برسنے لگے چاروں پہ خدنگ
تیغیں ان کی جو کھنچیں ہوگیا کچھ اور ہی رنگ
قلبِ لشکر میں در آئے ہوئی گھمسان کی جنگ
کرتے تھے پنجتنی چار طرف کو چورنگ

بارِ سنگیں کی طرح دوش پہ سر بار ہوئے
ایک دو ہوگیا اک ہاتھ میں دو چار ہوئے

(۶۸)

ہوئے انبار ثمر کی طرح سر کٹ کٹ کے
خوں سے لالے کا چمن کھیت بنا پٹ پٹ کے
پاؤں بڑھتے نہ تھے گھٹتے تھے جو دل گھٹ گھٹ کے
بھاگتا جاتا تھا لشکر سے ہر اک پھٹ پھٹ کے

خوابِ غفلت ہے یہی بے بصری لشکر کی
بند ہونے لگے جب آنکھ کھلی لشکر کی

(۶۹)

اٹھ گئے سب کے قدم پڑ گئی رن میں بھاگڑ
سَن سے جب تیغ چلی دھڑ سے گرا خاک پہ دھڑ
کٹ گیا چہرہ پڑی تیغ کی جس پر بیڑ
لاکھوں لاشیں جو گریں بن گیا میداں میہڑ

خاکِ میداں پہ تھے سر گردنوں کے ساتھ کہیں
دل کہیں سینہ کہیں پاؤں کہیں ہاتھ کہیں

(۷۰)

تیغ تن کر جو چلی گردنوں سے سر سر کے
سر کی برسی جو جھڑی بھاگے لعیں بربر کے
رن میں اُٹھتی تھی جو کفار کا خوں کر کر کے
سنگ دل بت کی طرح گرتے تھے سب مر مر کے

سرنگوں آئے جو تو سن سے وہ ناپاک آئے
منھ کے بھل لات کی صورت بہ سوئے خاک آئے

(۷۱)

اُس نے کاٹا اِسے اِس نے اُسے بڑھ کر مارا
اس نے دل اس نے جگر کر دیا پارا پارا
ڈوبی تلوار جہاں خوں کا اُڑا فوّارا
کھیت سے بہنے لگا دم میں لہو کا دھارا

ہوش باقی نہ تھے ہر ایک سرِ خود سر میں
دشت میں خون کا طوفان اٹھا دم بھر میں

(۷۲)

جسم اعدا سے جو خوں بہنے لگا بحر تھا بر
سپریں بہتی تھیں یا خون کے دریا میں بھنور
تیغیں چلتی تھیں جو موجوں کی طرح اٹھ اٹھ کر
غرق سرہنگ نہ تھے خون میں ڈوبے تھے مگر
ٹیسیں رہ رہ کے جو مجروحوں کو تڑپاتی تھیں
مچھلیاں تھیں کہ ہر اک بار تڑپ جاتی تھیں

(۷۳)

نامیِ روم و رے و چین و بدخشان و عراق
پیش و پس ہوگئے بے صورتِ الفاظ طباق
بحرِ خوں میں تھا ہر اک مصرعِ صف کا اغراق
مُردے زندوں میں تھا ابہام کہ تمیز تھا شاق
پشتے کشتوں کے تھے زندہ تھے پریشاں دم میں
لف و نشر ایسی تو دیکھی نہ سنی عالم میں

(۷۴)

پہنچا جس دستے کے سر پر حُرِ غازی کا پسر
سپے کیا پیدلوں کو تیغ کے دم سے تن کر
کاٹتا پھرتا تھا بھائی سر افسر یکسر
غیظ بڑھتا تھا کہ اک کالی گھٹا لشکر پر
تیغ حر فوج میں بجلی سی نظر آتی تھی
جب چمکتی تھی جھڑی سر کی برس جاتی تھی

(۷۵)

ہاتھ اسواروں کے گھوڑوں کی عنانیں کاٹیں
خالی دے دے کے کہیں نیزوں کی تانیں کاٹیں
لبِ سوفار سنانوں کی زبانیں کاٹیں
قدر اندازوں کے قد کاٹے کمانیں کاٹیں
حرؑ کی تلوار ہر اک قلب و جگر کاٹتی تھی
بحر میں بر میں برابر سرو بر کاٹتی تھی

(۷۶)

فرق سے تیغ قضا کی طرح ٹالے نہ ٹلی
کوند کر بجلی سی جس دم گری صف صاف جلی
چال کچھ چالیوں کی تیغ کے آگے نہ چلی
فوج مغلوب تھی غالب تھے غلامانِ علیؑ
ہوئے دو چار جواں چاروں سے لاچار ہوئے
تیغ کی آنچ سے بھک بھک گئے فی النار ہوئے

(۷۷)

نہر کے گھاٹ پہ حرؑ ٹھاٹھ بدل کر جو ڈٹا
غل ہوا کاٹ سے تلوار کی وہ غول کٹا
وہ کٹا غول، چھٹا یہ، وہ پرا ڈر کے ہٹا
پاٹ دریا کا وہ لاشوں سے لہو بہہ کے پٹا
وہ پرے بھاگے وہ دریا سے ہر اک صف سرکی
حرؑ نے پے کر دیا لشکر وہ لڑائی سر کی

(۷۸)

ایک ہیئت سے جھپٹتے تھے غضنفر چاروں
صید پر جاتے تھے یا بر سرِ لشکر چاروں
رن میں لاکھوں کو بھگا دیتے تھے ڈٹ کر چاروں
ایک ہی ہاتھ میں دو کر دیتے تھے پیکر چاروں
تھے شش و پنج میں جرّاروں کی تلواروں سے
رن میں ششدر تھے چھ لاکھ اہلِ خطا چاروں سے

(۷۹)

غرق خوں تیغ سے خونخوار تھے چھلکے کٹ کے
دست و پا کھیت میں انبار تھے چھلکے کٹ کے
زیرِ راکب کہیں رہوار تھے چھلکے کٹ کے
گھوڑے اسواروں پہ اسوار تھے چھلکے کٹ کے
سیدھے دوزخ کو روانہ تھے سنانوں والے
کٹ کے چلاتے تھے گوشے میں کمانوں والے

(۸۰)

تن خزاں ہوگئے تیغوں سے چمن بن بن کر
زخم ہنسنے لگے جسموں پہ دہن بن بن کر
درع پوش آئے جو فولاد بدن بن بن کر
شیر کی بُو سے لعیں بھاگے ہرن بن بن کر
غُل تھا ہر چار طرف چار دلیر آپہنچے
بھاگو بھاگو نہیں وہ شیروں کے شیر آ پہنچے

(۸۱)

پاؤں پہ سر تھے ہر اک بند میں گردن پہ نہ تھے
زخم تھے قلب و جگر پر بھی فقط تن پہ نہ تھے
کون دل چاک تھے جو دشت کے دامن پہ نہ تھے
تازی اسواروں پہ افتادتھی توسن پہ نہ تھے

دشت میں تھے سر و بر بیدلوں کے پیدل پر
تیغ سے کٹ کے گرے راکبوں کے دل دل پر

(۸۲)

تیغ کے ابر سے ہر بار برستا تھا لہو
خون کے بحر میں مچھلی سے تڑپتے تھے عدو
رن میں طوفان تھا محشر کی تھی غو غا ہر سُو
اپنے مدفن سے نکل آئے تھے مُردے ہو سُو

قہر قہار نے اُن قاہروں کو لوٹا تھا
غضب حق کا لعینوں پہ فلک ٹوٹا تھا

(۸۳)

نہ رہا لڑنے کا کفار کو یارا بھاگے
بھاگنا زیست کا سب سمجھے سہارا بھاگے
تیغ کی آنچ سے ایسے ستم آرا بھاگے
جس طرح آگ کے نزدیک سے پارا بھاگے

جب لگی بر میں سر و بر کی جھڑی بھاگ چلے
بن میں کچھ کوفیوں سے بن نہ پڑی بھاگ چلے

(۸۴)

بچھ گئیں رن میں لعینوں کی صفیں شکلِ حصیر
خون سے بن گیا میدان بھی باغِ کشمیر
ناوک انداز ہوا ہوتے تھے جس طرح کہ تیر
شامی یوں بھاگتے تھے کھیت سے جیسے خنزیر
تھے تو ششدر حلبی رن میں تھے تلواروں سے
ختنی جو تھے سیہ رُو تھے خطا کاروں سے

(۸۵)

شیر سے چاروں تعاقب میں جھپٹے آئے
وجد سے جھومتے تھمتے کبھی ڈٹتے آئے
کبھی رہواروں کو آندھی سے ڈپٹتے آئے
فوج اعدا کی صفیں زد میں الٹتے آئے
غل تھا لو قہر ہوا ضیغم دیں آپہنچے
پسرِ سعد کے خیمے کے قریں آپہنچے

(۸۶)

پہنچے جب خیمے کے کچھ قُرب میں چاروں ضرغام
جھپٹے اک بار نگہبانوں پہ لے کر صمصام
زخمی اس کو جو کیا اس کا کیا کام تمام
بید سا کانپ اُٹھا ڈر سے عمر کا اندام
خوف کی فوج ستمگر پہ جونہی ٹوٹ پڑی
تیغ دہنے سے تو بائیں سے سپر چھوٹ پڑی

(۸۷)

گو تھے دہشت کے سبب ہوش لعیں کے زائل
پر بناوٹ سے لگا کہنے ہے بچنا مشکل
کہیں دیکھے نہیں ایسے تو بلا کے قاتل
رعب سے جن کے لرز جاتے ہیں جراروں کے دل

یہ تو میں تھا جو کوئی اور ہو غش آجائے
سامنے اُن کے جو رستم ہو تو تھرا جائے

(۸۸)

پہلوانوں سے یہ کہتا ہی تھا وہ خانہ خراب
جو قریں خیمے کے پہنچا حرؑ غازی کا عقاب
غیظ کی آگ سے از بسکہ جگر تھا بے تاب
تیغ سے کاٹ دی جرار نے دیکھی جو طناب

جھک چلا خیمہ تو اندر سے ستمگر نکلے
تھر تھراتے ہوئے خرگاہ سے باہر نکلے

(۸۹)

پھر تو رن پڑ گیا میداں میں چلی وہ تلوار
تا فلک جاتی تھی تلوار کی پیہم جھنکار
دم میں بے جاں وہ پرا کر دیا کاٹی یہ قطار
تیغ کے دم نے کئے ناریوں کے دم فی النار

گرچہ ہر ایک شقی راہِ عدم لیتا تھا
پر یہ دم تیغ کا دم لے کے نہ دم لیتا تھا

(۹۰)

پسر و عبد و برادر بھی قریں جا پہنچے
درمیانِ صفِ فوجِ ستم آرا پہنچے
پہنچا ہر قلب کو صدمہ یہ جری کیا پہنچے
حرؔ نے مُڑ کر جو نظر کی کہا کیا آ پہنچے
پسرِ سعد کو دیکھا وہ نظر آتا ہے
مار لیتا ہوں مری زد سے کہاں جاتا ہے

(۹۱)

حرؔ کے بھائی نے یہ پاسخ دیا اے عاشق شاہ
کل نموداروں میں چرچا ہے کہ یوں لڑتے ہیں واہ
رعبِ عالی ہے کہ سب شیرِ وغا ہیں رُوباہ
لاکھوں لاشوں سے زمیں پٹ گئی ماشاء اللہ
دیو کو زد سے نکل جانے کی کب قدرت ہے
پسرِ سعد کی کیا اصل ہے کیا طاقت ہے

(۹۲)

قلب لشکر میں یوں ہی دھنستے چلے جائیں حضور
اور خبر تیغ سے لے میسرے کی عبدِ غیور
جانبِ میمنہ ہے آپ کا فدوی نہ ہو دُور
پھر ابھی ہوتی ہے کُل فوجِ ستم زخموں سے چُور
لختِ دل آپ کا تائید سے دل شاد کرے
سمجھے جس سمت مناسب اُدھر امداد کرے

(۹۳)

سُن کے بھائی کا سخن حرؑ نے کہا بسم اللہ
عبدِ جرّار نے لی میسرۂ فوج کی راہ
دیدۂ دل سے پسر کرتا تھا ہر سمت نگاہ
میمنے کو چلا تن تن کے برادر ناگاہ
کڑکا رہوار جدھر تیغ چمک کر برسی
بحر و بر میں صفتِ ابر برابر برسی

(۹۴)

خون سے کھیت کو گُل رنگ کیا چاروں نے
دن میں دو لاکھ کو چو رنگ کیا چاروں نے
کشت و خوں ایسا دمِ جنگ کیا چاروں نے
ملک الموت کو بھی دنگ کیا چاروں نے
رن میں تلواروں کی پیکار سے فرصت ہی نہ تھی
دم یہ لیتے تھے کہ دم لینے کی مہلت ہی نہ تھی

(۹۵)

تن کے جو منھ پہ چڑھے آتے تھے رُودار کٹے
حرؑ کے جو نام سے کٹتے تھے وہ کُفّار کٹے
آٹھ پُرزے ہوئے ہر ہاتھ میں یوں چار کٹے
گھوڑے بسمل ہوئے پیدل چھٹے اسوار کٹے
ہر گھڑی تیغ سے برنا و مُسنِ کٹتا تھا
عمر گھٹتی تھی گھڑی گھٹتی تھی دن کٹتا تھا

(۹۶)

زیست سے سب ہوئے بے آس ہوئی فتح سے یاس
دل گھٹے جاتے تھے رہ رہ کے یہ بڑھتا تھا ہراس
سر جو اُڑتے تھے پریشان تھے ہر سر سے حواس
ڈر سے ٹلنے لگے جو تھے عمر سعد کے پاس
بھاگ کر دی یہ صدا عقل نے ہم بھاگ چلے
دم نے بھی قصد کیا سوئے عدم بھاگ چلے

(۹۷)

کھیت میں خون یہ برساتا تھا اس تیغ کا ابر
سر جُھکائے ہوئے آ کر میں چھپے جاتے تھے ببر
دل کا کیا منھ جو ٹھہرتا، کہ نہ تھا صبر کو صبر
موت رن سے جو نہ ٹلتی تھی یہ تھا تیغ کا جبر
ملک الموت بھی آتے تھے تو ڈرتے ڈرتے
دم جہنم کو جو جاتے تھے تو ڈرتے ڈرتے

(۹۸)

فوج میں دھنستے چلے جاتے تھے جس طرح کہ شیر
بڑھتے تھے جوشِ شہادت میں تو موجوں سے دلیر
جھپٹے جس سمت نظر آنے لگے لاشوں کے ڈھیر
اور پھر غور سے دیکھو تو یہ پیاسے تھے وہ سیر
یہ فقط شاہ کی تائید نظر آتی ہے
ورنہ یوں پیاسوں سے تلوار لڑی جاتی ہے

(۹۹)

شمر ملعوں نے جونہی آنکھوں سے دیکھا یہ حال
خون سے بھرتا چلا جاتا تھا میدانِ قتال
بولا کیوں دبتے ہیں سب شیر جواں شکل شغال
ہو کے اک دل جو لڑو ڈٹ کے تو پھر کیا ہے مجال

لاکھ پر بھاری ہیں دو شخص جو اک دل ہو جائیں
تم جو اک دل ہو تو لاکھوں ابھی بسمل ہو جائیں

(۱۰۰)

سُن کے یہ بات ہر اک سُو سے شقی ٹوٹ پڑے
پھر تو دم لینے کی مہلت بھی نہ دی ٹوٹ پڑے
جانبِ عاشقِ دل بندِ علی ٹوٹ پڑے
شام کی فوج میں جتنے تھے سبھی ٹوٹ پڑے

کھیت میں پیاسوں پہ تلواروں کے یوں پھل برسے
جس طرح ٹوٹ کے برسات کا بادل برسے

(۱۰۱)

ناگہاں عبد کے ماتھے پہ پڑا گرزِ گراں
کر گئی کام برادر کا بھی تیغِ برّاں
تیرِ دل دوز سے زخمی ہوا فرزندِ جواں
گر پڑے خاک پہ گھوڑوں سے میانِ میداں

جس نے کی تن پہ نظر زخم نمایاں دیکھے
خاک میں خون میں غلطاں دُرِ غلطاں دیکھے

(۱۰۲)

شامل فوج قصور ابنِ کنانہ تھا لعیں
نیزہ تانے ہوئے ایک بار بڑھا وہ پُر کیں
وار سینے پہ کیا ہل گئی میداں کی زمیں
آیا ریتی پہ سر زیں سے حرِ باتمکیں

گر کے آواز یہ دی خُذبہ یدی خُذبہ یدی
یا حسینؑ ابنِ علیؑ خُذبہ یدی خُذبہ یدی

(۱۰۳)

جب سنی حرؔ دلاور کی صدائے جانکاہ
کہہ کے لبیک بڑھا لختِ دل شیرِ الٰہ
دیکھ کر سمتِ فلک کہتے تھے کہ وا اسفاہ
مغفرت کی کبھی لب پر تھیں دعائیں کبھی آہ

مرتے دم لاشۂ حرؔ پر شہِ والا پہنچے
جاں کنی میں وہ موالی تھا کہ مولا پہنچے

(۱۰۴)

دیکھا میدان میں پہنچے جو شہِ عرش جناب
سر سے ہے تابہ قدم جسم لہو میں غرقاب
اُترے گھوڑے سے جو دل ہوگیا غم سے بےتاب
رکھ کے سر گود میں لاشے سے یہ فرمایا خطاب

اب کہو کہنا ہو جو ابنِ علیؑ آیا ہے
بھائی ہشیار تو ہو ابنِ علیؑ آیا ہے

(۱۰۵)

حرؔ کو غش سے ہوا اک بار افاقہ جو ذرا
کر دیا دیدۂ حق بیں کو رُخِ شاہ پہ وا
عرض کی اتنی بھی طاقت نہیں اب یا مولا
آپ کی گود سے میں سر کو جو سرکا لیتا
مجھ سے اور ترکِ ادب ہو کہیں معذور ہوں میں
کیا کروں اے شہِ دیں ضعف سے مجبور ہوں میں

(۱۰۶)

سر کو قدموں پہ رکھوں ضعف اگر کم ہو جائے
پر ہے نزدیک رواں سوئے عدم دم ہو جائے
نظرِ لطف جو اس دم شہِ عالم ہو جائے
قربِ حق پاؤں ابھی دور ہر اک غم ہو جائے
مثلِ بادِ سحری باغ جناں میں پہنچوں
خدمتِ پاکِ رسولِؐ دوسرا میں پہنچوں

(۱۰۷)

یہ سخن حرؔ کی زباں پر تھا کہ دل میں اٹھا درد
نفسِ سرد کا بھرنا تھا کہ تن ہوگیا سرد
چہرہ غازی کا گلابی تھا جو مثلِ گل ورد
مردنی چھاگئی خورشید کی صورت ہوا زرد
جانبِ خُلدِ بریں رُوح نے پرواز کیا
حق نے پا بوسیٔ احمدؐ سے سر افراز کیا

(۱۰۸)

مر گیا گود میں سرور کی جو وہ عاشقِ شاہ
رو کے شبیرؑ نے فرمایا کہ انا للہ
پھر یہ کہنے لگے کر کے دلِ پُر درد سے آہ
ایک دن بھی تجھے راحت نہ ملی وا اسفاہ

حیف جو تیرے لئے چاہئے تھا ہو نہ سکا
تیری مہمانی کا حق مجھ سے ادا ہو نہ سکا

(۱۰۹)

شاملِ حال رہے مغفرتِ ربِّ غفور
قصر جنت کے ملیں بخش دے اللہ قصور
آبِ کوثر کی حلاوت سے رہے دل مسرور
دیکھ کر وجد کرے حور وہ چہرے کا ہو نور

حق سے تو الفتِ مظلوم کا ثمرہ پائے
جامِ تسنیم ملیں سایۂ طوبیٰ پائے

(۱۱۰)

بھولنے کا نہیں اے حرِّ جری تیرا خیال
بے کسی کا تری مٹنے کا نہیں دل سے ملال
ہم جو اُٹھ جائیں گے دنیا سے تو یہ فوجِ ضلال
تیرے لاشے کو بھی گرزوں سے کریں گے پامال

میرے مہماں ترا جس وقت یہ نقشہ ہوگا
ہائے کیا کیا نہ مری روح کو صدمہ ہوگا

(۱۱۱)

تو نے لشکر سے اِدھر آن کے پائی تکلیف
بھوک میں پیاس میں کیا کیا نہ سہے رنجِ عنیف
اس طرح ہوگئی سیفی اجل تیری حریف
جیسے نخلِ تر و تازہ کے لئے فصلِ خریف

خرمنِ عمرِ رواں کھیت میں پامال ہوا
میری ہمراہی میں اے حرؑ یہ ترا حال ہوا

(۱۱۲)

تو مری فوج کے دیں داروں میں ہر چند نہ تھا
پر مری سمت تھا دل کفر کا پابند نہ تھا
ظلم و جورِ سپہ شام سے خور سند نہ تھا
میری ناراضی میں ہرگز تو رضا مند نہ تھا

فاطمہؑ راضی شہِ قلعہ کشا راضی ہے
تجھ سے میں راضی نبیؐ راضی خدا راضی ہے

(۱۱۳)

بھائی جب سے کہ نہ ہوگا تری نظروں کے حضور
غم سے کیا حال ہوا ہوگا ترا حرؑ غیور
ہوگیا ہوگا جو فرزندِ جواں پاس سے دور
دل میں طاقت رہی ہوگی کہ تری آنکھوں میں نور

غم کے آرے دلِ مجروح پہ چلتے ہوں گے
شعلے ہر دم ترے سینے سے نکلتے ہوں گے

(۱۱۴)

پھونک دیتا ہے کلیجے کو جواں بھائی کا داغ
یہ وہ صرصر ہے خزاں کرتی ہے آرام کا باغ
مرگِ فرزند سے ہو جاتا ہے گُل گھر کا چراغ
جیتے جی پھر کبھی ملتا نہیں اس غم سے فراغ

جس پہ یہ صدمہ ہو دنیا سے گزر جاتا ہے
مرگِ فرزند میں بے موت کے مر جاتا ہے

(۱۱۵)

سب کو اس حشر کے صدمے سے بچائے اللہ
حق نے بخشی تھی عجب طرح کی قسمت تجھے واہ
مرتے دم بھائی، پسر پر نہ پڑی تیری نگاہ
باغِ جنت کو گئے بھی تو گئے سب ہمراہ

آہ کرتے نہ لہو منھ سے اگلتے دیکھا
بھائی کو بیٹے کو کب جان نکلتے دیکھا

(۱۱۶)

کیا بتائیں تجھے گزریں گے جو کچھ ہم پہ ستم
حشر تک روئے گا سُن کر جسے سارا عالم
سب محبّ سامنے مرجائیں گے اور دیکھیں گے ہم
ہوں گے نخلِ چمنِ مسلمؑ و زینبؑ جو قلم

غم سے دم دل میں جو گھبرائے تو کچھ دور نہیں
دل جو سینے میں الٹ جائے تو کچھ دور نہیں

(۱۱۷)

کیا قلق ہوگا گزر جائے گا جب ابنِ حسنؑ
پھونک دے گا دل و جاں شب کی دلہن کا شیون
بھوک میں پیاس میں اللہ یہ صدمہ یہ محن
آنکھ سے دیکھیں مگر دے نہ سکیں غسل و کفن
جس کو سُن سُن کے جہاں درہم و برہم ہوگا
واقعہ ایسا بھی دنیا میں بہت کم ہوگا

(۱۱۸)

ہو کے بے دست جو عباسؑ مرا شیر ژیاں
نزع میں مجھ کو صدا دے گا لبِ نہرِ رواں
سوکھ کر پیاس سے کانٹا ہوئی جاتی ہے زباں
یاحسینؑ ابنِ علیؑ تن سے نکلنے کو ہے جاں
اضطراب اُس گھڑی مجبور نہ کر لے مجھ کو
حق رہِ صبر میں ثابت قدمی دے مجھ کو

(۱۱۹)

نیزہ ہوجائے گا دل توڑ کے جب پشت سے پار
غش کرے گا مرا اٹھارہ برس کا دلدار
مرتے دم دے گا صدا باپ کو وہ سینہ فگار
لو خبر جلد کہ اب ہوتا ہے فدوی بھی نثار
ہائے کیا جان سے اُس دن نہ گزر جاؤں گا میں
پھر جیوں گا کہ صدا سنتے ہی مر جاؤں گا میں

(۱۲۰)

ابھی کیا کیا نہ دکھائے گی مجھے یہ تقدیر
ظلم کوئی نہ اٹھا رکھے گی یہ قومِ شریر
جس کو دو دن سے ملا ہے نہ تو پانی نہ تو شیر
شامی برسائیں گے اس پھول سے معصوم پہ تیر
حلق چھدتے ہی بدل جائے گا نقشہ اس کا
بھائی اس گود میں ڈھل جائے گا منکا اس کا

(۱۲۱)

رکھ دے اب ہاتھ سے مرزاؔ قلمِ سحر رقم
غم یہ طاری ہے کہ بے ہوش ہے بزمِ ماتم
ملتمس حق سے ہو، دے کر سرِ سرورؑ کی قسم
دم بہ دم بڑھتی چلی جائے فصاحت نہ ہو کم
مدحتِ آلؑ میں یارب مجھے یکتائی دے
بلبلِ قدس ٹھہر جائے وہ گویائی دے

سعادت یار خاں رنگینؔ

کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

اُردو کے بدنام شعرا میں رنگینؔ کا نام سرفہرست ہے۔ اُن کی وجہ شہرت ریختی کی ایجاد اور ''مجالس رنگین'' ہے۔ رنگینؔ نے اکیاسی (۸۱) سال کی طویل عمر پائی تھی۔ پندرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا اس اعتبار سے ان کی شاعری کا زمانہ چھیاسٹھ (۶۶) سال قرار پاتا ہے۔ انھوں نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ ہمارے لئے محفوظ رہ گیا ہے اور یہ تمام مجموعے تقریباً اُن کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں یہ نادر اور نایاب ذخیرہ انڈیا آفس لندن کے کتب خانے میں موجود ہے۔ میں نے اپنے یورپ کے سفر کے دوران لندن میں انڈیا آفس جاکر رنگینؔ کے مجموعے متعدد بار پڑھے اور ایک مکمل مرثیہ وہاں سے نقل کیا۔ (دیوان ریختہ سے)

سعادت یار خان کی ولادت ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں ہوئی اور انھوں نے ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۵ء میں وفات پائی۔ اس طرح انھوں نے بارھویں صدی کے نصف آخر اور تیرھویں صدی ہجری کے نصف اوّل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

اُن کے والد کا نام طہماس بیگ تھا اور وہ ''توران'' کے رہنے والے تھے۔ طہماس بیگ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کی فوج کے ساتھ آئے یہاں پہنچ کر دہلی میں مقیم ہوئے اور ترقی کر کے ہفت ہزاری کا منصب اور اعتقاد جنگ کا خطاب حاصل کیا۔

رنگینؔ ۱۱۷۰ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر سے شاعری شروع کی۔ اس وقت دہلی میں شاہ حاتمؔ کی استادی کا شہرہ تھا یہ بھی ان کے شاگرد ہوگئے اور سترہ (۱۷) سال کی محنت کے بعد ۱۲۰۲ھ میں اپنا پہلا دیوان ''دیوان ریختہ'' کے نام سے مکمل کیا۔ اس وقت وہ پیشہ کے اعتبار سے سپاہی تھے۔ ملازمت ترک کرنے کے بعد وہ ۱۲۰۴ھ کے لگ بھگ لکھنؤ پہنچے یہاں سلیمان شکوہ کے ملازم ہوگئے۔

رنگین بیک وقت کئی زبانوں پر قادر تھے اور ان زبانوں میں نظم و نثر لکھ سکتے تھے۔ ان میں اردو، فارسی، پنجابی، برجی، گجراتی، مرہٹی، پشتو، عربی اور ترکی شامل ہیں۔

رنگین حنفی المذہب تھے۔ خود کہتے ہیں:

میرا مذہب ہے مذہب حنفی
سب پہ روشن ہے یہ جلی و خفی

۱۹۹۰ء میں جب میں لندن گیا تو انڈیا آفس لائبریری لندن سے رنگین کا یہ غیر مطبوعہ مرثیہ "دیوان ریختہ قلمی ۱۲۲۹ھ" سے نقل کر کے لے آیا۔ رنگین کے مرثیے اب تک کہیں شائع نہیں ہوئے۔ ہم پہلی مرتبہ یہ مرثیہ "القلم" میں شائع کر رہے ہیں۔

انڈیا آفس لائبریری آربٹ ہاؤس لندن کے کتب خانہ میں "دیوان ریختہ" کا نمبر B179-D-10-78.U ہے۔

رنگین کا یہ مرثیہ مربع ہے جس میں ۲۳ بند ہیں۔ مرثیہ کی تاریخ میں یہ مرثیہ اضافہ ہے۔ آخر میں ایک نامکمل مرثیے کا مطلع جو مسدس میں ہے اور ایک سلام کا مطلع بھی درج کر دیا گیا ہے "دیوان ریختہ" میں اسی صورت سے موجود ہے۔

مرثیہ

(۱) ہے روایت یوں کہ ہو کر شہ مدینے سے رواں
آئے جب دشتِ بلا میں لے کے سارا خانماں
ظلم جو گذرا انھوں پر کیا کروں اُس کا بیاں
بوند بھر پانی کو ترساتے تھے اُن کو ظالماں

---

(۲) بھوک تو چنداں نہ تھی پانی کی تھی سب کو تلاش
خونِ دل پی کر وہ کرتے تھے بسر اپنی معاش
نام پانی کا نہ تھا جس جا تھی اُن کی بود و باش
ڈھونڈھتے پھرتے تھے پانی سو میسّر تھا کہاں

---

(۷) بن پئے مشکیزہ بھر کر رخ کیا لشکر کو جب
فوج نے گھیرا وہیں چاروں طرف سے آکے تب
کس قدر حیلے کئے لیکن نکل سکتے تھے کب
داہنے سے مارتے تھے مشک تھی بائیں سے ہاں

---

(۸) تیر جب پڑنے لگے چاروں طرف سے بے حساب
ہاتھ مشکیزے کا زخمی ہوگیا ہے ہے عذاب
داہنے بازو پر اپنے مشک کو لے کر شتاب
ہر طرف کرتے تھے حیلے راہ ملتی تھی کہاں

---

(۹) جس کو پہنچا زخم ہے، فرصت کہاں پانی پئے
یہ تو ممکن ہے نہ تھا جو آگے آ کوئی جئے
ظالموں نے ہاتھ ان کے دونوں جب زخمی کئے
مشک منھ میں لے کے لشکر کو ہوئے اس دم رواں

---

(۱۰) تیر ایک ظالم نے مشکیزے کو مارا تاک کر
پانی جتنا اُس میں تھا وہ ہوگیا اُس سے بدر
تب کہا عباسؑ نے یوں اشک کو آنکھوں میں بھر
اُن کو مارا تشنہ واں اور مجھ کو مارا تشنہ یاں

---

(۱۱) تب پکارے یوں کہ یا شہ اب کرم فرمائیے
ہاتھ سے ان ظالموں کے آن کر چھٹوائیے
کام میرا ہو چکا یاں سے مجھے لے جائیے
ورنہ اب ٹکڑے کریں گے مجھ کو سارے ظالماں

---

(۱۲) جوں ہی یہ آواز پہنچی شاہِ دیں کے کان میں
آپ کو جلدی لے پہنچایا وہاں ایک آن میں
یوں کہا کھا کر قسم اُس وقت اُن کی شان میں
تو رہے گا پاس جنت میں رہوں گا میں جہاں

۱۳۔ ہو چلے تھے جاں بحق تسلیم جب پہنچے تھے شاہ
لائے آگے رکھ کے حضرت ان کو کرتے آہ آہ
بی بیوں نے جب اُنھیں دیکھا کہا اے لا الٰہ
دیکھتا ہے ظلم جو کرتے ہیں ہم پر اُمتاں

---

(۱۴) یہ دعا ہے رُوسیہ کیجو قیامت میں انھیں
دیکھے تا ہر اک گرفتار اپنی شامت میں انھیں
کیجیو تو غرق دریائے ندامت میں انھیں
ان کو واں پہنچائیو دوزخ کا آخر ہے جہاں

---

(۱۵) بعد اُس کے بی بیوں نے شاہِ دیں سے یوں کہا
پیاس سے لڑ لڑ کے کنبہ سب یوں ہی مارا گیا
اور تو کوئی نہیں ہے اِک علی اصغرؑ بچا
پیاس سے ہوتا ہے سو بھی دم میں جنت کو رواں

---

(۱۶) جلد لاؤ جا کے یہ اب پانی بن بچتا نہیں
ایک قطرہ اس کی خاطر کیا کہیں پیدا نہیں
شہ نے فرمایا کہ کیا تم سنتی یہ غوغا نہیں
بوند بھر پانی کہاں ہے ہو گیا پانی نہاں

---

(۱۷) پھر کہا شہ نے کہ لاؤ اس کو لیجاتا ہوں میں
تشنگی دکھلا کے اس کی پانی اب لاتا ہوں میں
جس طرح جاتا ہوں میں پھر اُس طرح آتا ہوں میں
دو اسے مجھ کو رہا ہے گو یہ بے نام و نشاں

---

(۱۸) لے علی اصغرؑ کو آئے شاہ جب میدان میں
اُن سے رہ رہ کر یہ فرماتے تھے ہر اک آن میں
پیاس کے مارے نہیں ہے جان اس کی جان میں
اس سوا مرتی ہیں مارے پیاس کے سب بیبیاں

---

(۱۹) تس پہ بھی آتا نہیں ہے رحم تم کو کافرو
واسطے دنیا کے مت یہ ظلم اپنے پر کرو
بوند بھر پانی میں سب اس بات کو سن کر مرو
ہم مریں پیاسے پییں پانی تمہارے چاکراں

---

(۲۰) ایک ظالم نے جو اُن کو تیر مارا تاک کر
ہوگیا حلقوم سے پار اُن نہیں بے باک کر
شاہ دیں کہتے تھے خوں کو آستیں سے پاک کر
ظلم اس پر بھی کیا صد حیف ہے اے ظالماں

---

(۲۱) شاہ جب اصغرؑ کا لاشہ لائے رن سے گھر کے بیچ
منتظر بانوؑ کھڑی تھیں آگے آکر در کے بیچ
دیکھ کر بیٹے کا لاشہ شاہِ دیں کے بر کے بیچ
آہ ایسے کی کہ لرزے سب زمین اور آسماں

---

(۲۲) باپ کی گودی میں اصغرؑ جس گھڑی مارا گیا
حضرت اور عابدؑ سوا جیتا نہ کوئی واں رہا
شاہ نے اہل حرم سے ہوکے رخصت یوں کہا
تم کو میں نے حق کو سونپا سن لو اے پیرو جواں

---

(۲۳) سامنے تب آن کر اُس فوج کے یوں کی ندا
سچ کہو تو مجھ سے اپنے جی میں تم سمجھے ہو کیا
یک بیک یوں دل سے اپنے کھو کے خطرہ حشر کا
مار سب کو قصد اب کرتے ہو میرا اے سگاں

---

(۲۴) اُن میں اکثر نے یہ سن کر یوں کہا ہنس کر شتاب
تیرے ہو جاتے ہیں ہم، لا ہم کو زر دے بے حساب
یہ سخن سن کر دیا حضرت نے اُن کو یہ جواب
زر تو ممکن ہے نہیں چاہو تو ایماں ہے یہاں

---

(۲۵) یہ سخن فرما کے شاہِ دیں نے پھر گھوڑا چلا
کیا کہوں میں قتل واں کتنوں کو اس جا پر کیا
آخرش چاروں طرف سے تیر باراں میں لیا
تن ہوا تیروں سے زخمی تب گرے شہ ناگہاں

---

(۲۶) کوئی ڈراتا تھا مقابل آن کر تلوار سے
کوئی ڈراتا تھا بہت نزدیک آ کر وار سے
تیر سے چھیدے تھا کوئی خنجرِ خونخوار سے
غش لگا آنے تو اُن نے یوں کہا اے ظالماں

---

(۲۷) تم سے کہتا ہوں یہ میں اتنی مجھے فرصت تو دو
ہو مرے نانا کی اُمّت ہوگئے ہو کیوں عدو
سجدہ گر میں ایک کرلوں حق کی جانب کرکے رُو
ساتھ لے جاؤں تمہیں جنت میں پھر اے گمرہاں

---

(۲۸) بات حضرت نے انھوں کو جب کہ یہ ارشاد کی
بولے ہم حکمت سمجھتے ہیں یہ تجھ استاد کی
ہے یقیں سجدے میں تو نے جس گھڑی فریاد کی
پھر ہمارا کون پاوے سارے عالم میں نشاں

---

(۲۹) بولا پھر ہر اک یزید لعنتی کی چاہ سے
ہم کو بھی بخشے گا، بخشے گا تجھے جس راہ سے
بعد مرنے کے سمجھ لیوینگے ہم اللہ سے
ہم تجھے فرصت نہیں دینے کے ہرگز یک زباں

---

(۳۰) پھر تو خنجر لے کے جلدی ہاتھ میں اپنے شمر
بیٹھ کر سینے پہ ظالم نے چلایا حلق پر
کاٹ کر سر شاہ کا اور جلد اک نیزے پہ دھر
آئے خیمہ لوٹنے خوش ہوکے سب پیرو جواں

---

(۳۱) لوٹنے جب آئے خیمہ بعدِ قتل شاہِ دیں
واں سوائے فضل حق کے اور تو تھا کچھ نہیں
ماجرا ایسا بھی اُمّت کا سنا ہے حاضریں
وہ تو ہوں سیراب اور تشنہ مریں وہ سب وہاں

---

(۳۲) پھر جو گزرا اُن پر اُس کا کیا لکھوں میں ماجرا
گھس گئے یکبارگی خیمہ کو حضرت کے جلا
چیز کو اُن کی تبرّک کر کے ہر اِک نے لیا
سر پر ایک کپڑا نہ تھا عریاں تھے سب پیر و جواں

---

(۳۳) اے زباں چپ کر کہ ہے جائے ادب آگے نہ بول
یک بیک تو مرثیہ کہنے پر اپنا منہ نہ کھول
جو کیا ہے پائیں گے آخر کو محشر میں وہ غول
کہنی تھیں جو کچھ کہ باتیں کر چکا سو تو بیاں

---

(۳۴) اور کوئی تم سوا رکھتا نہیں میں اے امام
حشر میں دلوائیو بابا سے کہہ کے مجھ کو جام
کیونکہ میں ہوں جان و دل سے اس گھرانے کا غلام
بعد میرے بھی رہے دنیا میں کچھ میرا نشاں

---

(۳۵) مرثیہ کہنے کا ہے باللہ میرے یہ سبب
ہے جو کچھ احوال میرا آپ پر روشن ہو سب
عرض ہے خدمت میں حضرت کی میرے یہ جب نہ تب
رات دن مجھ کو ستاتا ہے عبث یہ آسماں

---

(۳۶) ہو کرم ایسا کسی کا اب نہ ہوں محتاج میں
بلکہ جتنی خلق ہے سب کا رہوں سرتاج میں
بیٹھ کر ایک کنج میں کرتا رہوں پھر راج میں
مرتے تک اس نام پر پھرتی رہے میری زباں

---

(۳۷) جان اور دل سے جنابِ حق میں یا حضرت امام
روز و شب کرتا یہ رہتا ہے دعا رنگیں غلام
دوست کا اس خانداں کے دن بدن ہو خوب کام
اور دشمن کا رہے ہرگز نہ دنیا میں نشاں

سلام

مدام جھک کے یہ کرتا فلک ہے جس کو سلام
وہی امام ہے کیسا امام ابن امام

--- (نامکمل)

مرثیہ مسدّس نامکمّل

ایک راوی سے سنا ہے کہ جنابِ سرورؑ
کر گئے جس گھڑی اس عالمِ فانی سے گذر
حضرت فاطمہؑ تب کھول کے ہاتھوں سے سر
دمبدم کہتی فلک سے تھیں یہ آہیں بھر بھر

بعد مُردن ز جفائے تو اگر یاد کُنم
از کفن دست بُروں آرم و فریاد کُنم

میر ضیاالدّین ضیا دہلوی کی مرثیہ نگاری

(میر حسن کے استاد)

میر ضیاالدین ضیا دہلوی، میر حسن نے پورا نام میر ضیاالدین حسین بتایا ہے (مقدمہ دیوانِ میر حسن، نسخہ برٹش میوزیم)، لچھمی نرائن شفیق نے محمد ضیاالدین لکھا ہے (چمنستانِ شعرا) سید صحیح النسب تھے (عمدۂ منتخبہ) دہلی میں ولادت ہوئی (مجموعۂ نغز) میر تقی میر کے شاگرد تھے (تذکرۂ ہندی) لیکن خود میر "نکات الشعرا" میں استادی شاگردی کا کوئی ذکر نہیں کرتے، البتہ نہایت مختصر الفاظ میں ان کو مہذب، مؤدب اور متواضع بتا کر لکھتے ہیں "با فقیر ربطے بسیار دارد" میاں ضیاالدین وطن دہلی، جوان، مؤدب، متواضع، مجھ فقیر کے ساتھ بہت ربط رکھتے ہیں۔ (نکات الشعرا) مصحفی اور شوق نے انھیں میر تقی میر کا شاگرد لکھا ہے، میر تقی میر نے اپنے تذکرے "نکات الشعرا" میں اپنا شاگرد نہیں لکھا لیکن یہ لکھا ہے کہ "مجھ فقیر سے بہت ربط رکھتے ہیں" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر ضیاالدین ضیا دہلوی کا رتبۂ شاعری مستحکم ہو چکا تھا اور تبرکاً میر تقی میر کی شاگردی اختیار کیے ہوئے تھے۔ میر نے اخلاقاً انھیں شاگرد نہیں لکھا تاکہ اُن کے مرتبے میں کمتری محسوس نہ کی جائے۔ افسر صدیقی امروہوی لکھتے ہیں کہ "قدرت اللہ شوق نے ضیا کو میر تقی میر کا شاگرد لکھا ہے اور یہی صحیح ہے (مدائح الشعرا)

قاضی عبدالودود کو اس بات سے انکار ہے کہ ضیا، میر تقی میر کے شاگرد تھے، لکھتے ہیں:۔

"مصحفی نے جو انھیں میر کا شاگرد لکھا ہے قابلِ اعتبار نہیں" (اردو شعر و ادب صفحہ ۲۱۸)

(اس انکار کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی)

ان کے اخلاق کے بارے میں قائم لکھتے ہیں "ظاہری حال تمکین و صلاح سے آراستہ ممکن ہے

کہ باطن میں بھی خیر وفلاح ہو، جہاں بھی ملاقات ہو جائے لوگوں سے بڑی انسانیت سے پیش آتے ہیں۔ (مخزن نکات) قائم نے یہ جملہ غلط فہمی کی بنا پر لکھا ہے دہلی کے ایک اور شاعر ان کے علاوہ ضیاالدین تھے جن کا تذکرہ طبقات سخن اور گلشن بے خار میں موجود ہے وہ عشق باز اور شراب کے عادی تھے قائم نے دونوں شاعروں کے حالات خلط ملط کر دیئے ہیں۔ تمام تذکرہ نویس میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کے کردار اور اخلاقیات کے مدّاح ہیں۔

میر حسنؔ جیسے عظیم شاعر اُن کے شاگرد ہیں، میر حسنؔ اس بات پر فخر کرتے ہیں اور انھوں نے اپنے استاد کے اوصاف و خصائل بیان کر کے پوری طرح حق شاگردی ادا کر دیا ہے۔ مصحفیؔ بھی میر حسنؔ کے اس اعتراف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میر حسنؔ مصنف مثنوی سحر البیان نسبت شاگردی خود بمشار الیہ می رسانید و ثناخواں و معتقد او بود" (تذکرۂ ہندی) میر حسنؔ اپنے استاد میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کے خصائل و فضائل کا اظہار کرتے ہیں"۔ "نیر آسمان سیادت، گوہر بحر شرافت بدر سپہر کمال، صدر مجلس جلال، شمع پر ضیاء عاشقے باصفا" (تذکرہ شعرائے اردو از میر حسن) اس کے بعد ان کی طبع عالی کو بلند اور دل و جاں کو درد مند بتا کر لکھا ہے ان کا طرز شاعری مولانا سبقتیؔ تھا نیسری کے طرز سے ملتا جلتا تھا، چنانچہ اُن کے اشعار اتنے پُر درد ہوتے ہیں کہ عاشقوں کے جگر پر نشتر کا کام کرتے ہیں اور سوختگان عشق کے لئے شرارے کی مثل ہیں۔ اس کے بعد میر حسنؔ تحریر کرتے ہیں "اکثر غزل در زمینِ سنگلاخ گفتن و الفاظ نامقبول را در بندش مقبول دل باساختن کار اوست (تذکرہ شعرائے اردو از میر حسنؔ) میر ضیاؔ دہلوی اکثر سنگلاخ زمینوں میں شعر کہتے تھے اور نامقبول الفاظ کو بندش مقبول میں ڈھالنا ان کا ہی کام تھا۔

میر ضیاؔ دہلوی کی شاعرانہ صلاحیتوں کا پوری طرح اظہار دہلی کے دوران قیام ہی میں ہو گیا تھا، اور وہ "نکات الشعرا" کی ترتیب و تالیف کے وقت اپنی شاعری کی وجہ سے مشہور ہو چکے تھے۔ اس لئے میرؔ اور ان کے بعد گردیزیؔ اور قائمؔ نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا حال اور نمونہ کلام دیا ہے۔ میر ضیاؔ دہلوی کے حالات و واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ احمد شاہ بادشاہ کے نابینا اور معزول کئے جانے کے وقت تک دہلی میں مقیم رہے۔ احمد شاہ مغل بادشاہ کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر اندھا کر دیا گیا تھا اور تخت سے اتار کر قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

شعرا اور ادبا کے لئے یہ واقعہ شاعری اور ادب کا ایک موضوع بن گیا، چنانچہ میرؔ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا:۔

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاکِ پا جن کی
انھیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

بادشاہ کے اندھے اور قید کئے جانے کا واقعہ ایسا نہیں تھا جو لوگوں کو اور خصوصاً شاعروں کو متاثر نہ کرتا، ابھی تک جو شعرا دہلی میں بیٹھے تھے اور تمام انقلابات کو صبر سے برداشت کر رہے تھے اس غمزدہ سانحہ کے بعد سراسیمہ ہو گئے اور انھوں نے دہلی کی سکونت ترک کرنا شروع کر دی، خان آرزو، سوداؔ اشرف علی خاں فغاںؔ نے دہلی کو خیر باد کہا، دیگر شعرا کی طرح میر ضیاؔ بھی دہلی سے نکلے اور فیض آباد چلے گئے۔ کچھ روز وہاں قیام رہا۔ پھر پٹنہ عظیم آباد میں جا بسے اور وہیں ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۱ء میں انتقال کیا۔ ضیاؔ دہلوی کے انتقال سے کچھ عرصے پہلے میر حسنؔ اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

"از چندے بہ طرف عظیم آباد استقامت دارند، پسر راجہ شتاب رائے بہ طریق ندیم و پیش خیر گزران می باشد، شنیدہ ام کہ او ہم فکر شعری کند، لیکن تاحال نہ شنیدہ ام، اکثر شاعران آں دیار اصلاحِ سخن از میر موصوف می گیرند (تذکرۂ شعرائے اردو از میر حسنؔ)

غلام حسین شورشؔ لکھتے ہیں: "میاں ضیاء الدین ضیاؔ تخلص، متوطن دہلی، جوانے است مودب و مہذب متواضع بافقیر ربطے بسیارے دارد۔" (تذکرۂ شورش)

امراللہ الہ آبادی لکھتے ہیں: "دہلی کے رہنے والے، کچھ عرصہ ہوا عظیم آباد میں سکونت اختیار کر لی ہے اور وہاں کے ناظم راجہ کلیان سنگھ عاشقؔ کی رفاقت میں رہتے ہیں، ان کے اشعار ضیائے دیدۂ طالبان اور راحت بخش گوش سامعاں ہیں مولف سے اکثر عظیم آباد میں ملاقات ہوئی ہے" (گلشن سخن۔ تالیف ۱۱۹۴ھ)

مردان علی خاں مبتلاؔ لکھتے ہیں: "دہلی سے لکھنؤ آئے اور مدتوں یہاں رہے اس دیار کے اکثر شعرا ان کے شاگرد ہوئے۔ آج کل عظیم آباد میں رہتے ہیں۔ (گلشن سخن۔ تالیف ۱۱۹۴ھ)

علی ابراہیم خاں خلیلؔ لکھتے ہیں:۔ "اردو کے اچھے شاعر ہیں۔ دہلی سے لکھنؤ آئے، ایک مدت تک وہاں رہے، وہاں کے اکثر شعرا ان کے شاگرد ہیں۔ یہ زیادہ تر غزلیات

کہتے ہیں راقم سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ لیکن سنا ہے کہ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ۱۱۹٦ھ میں عظیم آباد میں مقیم ہیں۔ آشنائی اور دردمندی ان کا شیوہ ہے۔ (گلزار ابراہیم)

قدرت اللہ قاسم کا بھی یہی بیان ہے وہ فرماتے ہیں :۔ "اس دیار کے اکثر شاعران سے نسبت تلمذ رکھتے ہیں اور ان کو استاد زمانہ جانتے ہیں۔" (مجموعہ نغز)

اعظم الدولہ سرور نے ان کے بارے میں لکھا ہے :۔ "میر ضیا الدین، سید صحیح النسب، متوطن دہلی، وہاں سے اودھ چلے گئے پھر عظیم آباد کو مسکن بنایا۔ شاعر شیریں کلام و خوش فکر ہیں، مدت ہوئی کہ دارالبقا کو رحلت کر گئے۔ (عمدۂ منتخبہ)

مرزا علی لطف لکھتے ہیں :۔ "نظم ریختہ میں مالک تھے، طبع بلند کے اور صاحب تھے ذہن ارجمند کے، ایک مدت اوقات لکھنؤ میں بسر کی اور داد شعر و شاعری کی دی اکثر سخنوروں کو اس شہر کے نسبت شاگردوں کی اس شاعر شیریں کلام کے ساتھ ہے، طبیعت اکثر عزلت و گوشہ نشینی کے بار کی تھی۔ آشنا پرست اور دردمند، رنج و راحت میں ہمیشہ خورسند تھے، مالک دیوان رنگین و متین شاعر ذکی و ذہین" (گلشن ہند)

قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں :۔ "گوہر دریائے رب العالمین، مسمیٰ بہ ضیا الدین، دہلی میں ولادت ہوئی، دہلی کی بربادی کے بعد اودھ چلے گئے، وہاں سے عظیم آباد میں جاکر اقامت پذیر ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ شاعر خوش گو، شیریں گفتار، صاحب اشعار آب دار، ستودہ اطوار، پسندیدہ کردار، عظیم آباد کے بہت سے شعرا ان کے شاگرد تھے۔" (مجموعہ نغز)

شیفتہ لکھتے ہیں :۔ "میر ضیا الدین ضیا دلی کے قدیم باشندوں میں سے تھے وہاں سے نقل مکان کر کے عظیم آباد میں سکونت اختیار کی، پھر وہیں وفات پائی، مشہور شاعروں میں سے تھے اور ان کے بہت سے شاگرد تھے" (گلشن بے خار)

قطب الدین باطن لکھتے ہیں :۔ "بہت شائقین سخن نے ان سے فیض پایا لطف ہاتھ آیا طبع ان کی یوں فروغ بخش فکر روشن ضمیر، اختر فکر، شاگردان پر ان کے ماہ اصلاح کی ضیا ہے، ذرۂ مضمون سخن طلبا پر مہر توجہ کا پرتو ہے۔" (گلستان بے خزاں)

اسپرنگر لکھتے ہیں :۔ "ضیا، میر (میاں۔ تذکرۂ شورش) میر ضیا الدین دہلوی ہم عصر سودا، لکھنؤ گئے تو ان کے بہت شاگرد ہو گئے۔ ۱۱۹٦ھ میں پٹنے گئے (علی ابراہیم و گلشن

ہند) آخر عمر میں مرشد آباد میں رہے اور ایک دیوان یادگار چھوڑا (گلشن ہند) چالیس سال ہوئے، پٹنے میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال کیا (عشقی) طبقات سخن میں ان کے علاوہ ایک اور ضیاالدین کا ذکر ہے جو عشق بازی اور شراب کے عادی تھے۔" (یادگار شعرا)

میر ضیاؔ دہلوی نے فیض آباد اور لکھنؤ میں کچھ عرصے قیام کیا لیکن میر حسنؔ جو اُن کے شاگرد ہیں انھوں نے قیام لکھنؤ کا ذکر نہیں کیا ہے، مرزا علی لطفؔ کا یہ لکھنا ہے کہ "ایک مدت اوقات لکھنؤ میں بسر کی" صحیح نہیں معلوم ہوتا، اگر لکھنؤ میں قیام کی مدت طویل ہوتی تو میر حسنؔ ضرور ذکر کرتے۔ بظاہر لکھنؤ میں زیادہ دنوں تک قیام نہیں رہا لیکن وہاں ان کے بہت سے شاگرد ضرور ہو گئے تھے۔

میر حسنؔ نے (۱۱۸۸ھ تا ۱۱۹۲ھ کے مابین) لکھا ہے کہ تھوڑے عرصے سے عظیم آباد آئے ہیں۔ مرزا علی لطف نے بھی آخر عمر میں ضیاؔ دہلوی کے پٹنے جانے کا ذکر کیا ہے۔ عشقیؔ نے لکھا ہے کہ ضیاؔ دہلوی نے پٹنے میں چالیس برس رہنے کے بعد انتقال کیا۔ قاضی عبدالودود کا اندازہ ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۰۵ھ کے پہلے ہوا۔ اگر ۱۱۹۶ھ کو انتقال کا زمانہ مانا جائے تو ان کے قیام عظیم آباد کی مدت کسی طرح بیس، پچیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

افسرؔ صدیقی لکھتے ہیں :۔ "دلّی کی بربادی کے بعد اوّل فیض آباد پھر عظیم آباد چلے گئے تھے کچھ دن قاسم علی خاں ناظم بنگالہ کی رفاقت میں بسر کئے، جب لالہ شتاب رائے کے فرزند نے شاگردی اختیار کر لی تو ان کے وظیفے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی، قدرت اللہ شوقؔ نے ضیاؔ کو میر تقی میرؔ کا شاگرد لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔ نساخؔ نے ۱۱۹۰ھ میں وفات لکھی ہے اور خم خانۂ جاوید میں سال وفات ۱۱۹۶ھ درج ہے۔ دیوان مکمل و مرتب تھا لیکن شائع نہ ہو سکا۔"

(حاشیہ مدائح الشعرا)

نساخؔ نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات کہی :۔

سال نقل ضیاؔ ز روئے حساب "طور معنی ضیا" بگفت خرد

۱۱۹۶ھ (گنج تواریخ صفحہ ۲۵)

تذکرۂ میر حسنؔ کی ترتیب (۱۱۸۹ھ۔ ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۵ء۔ ۱۷۷۸ء) کے زمانے میں غالباً میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی زندہ تھے۔ علی ابراہیم خاں کے تذکرے "گلزار ابراہیم" (۱۱۹۸ھ /

۱۷۸۳ء) کی ترتیب تک بھی وہ حیات تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء میں وہ عظیم آباد میں مقیم ہیں، راقم سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی ہے۔" (گلزارِ ابراہیم) عشقی (۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء) کے تذکرے میں ان کی وفات کی خبر ہے کہ پٹنہ عظیم آباد میں میر ضیا دہلوی نے انتقال کیا۔

قاضی عبدالودود کا اندازہ ہے کہ میر ضیاالدین کا انتقال ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء کے پہلے ہوا، علی جواد زیدی نے ان کا سن وفات ۱۱۹۸ھ / ۱۷۸۳ء قیاس کیا ہے۔

میر تقی میر کا تذکرہ (۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ء) میں ترتیب پایا، وہ لکھتے ہیں کہ "میر ضیاالدین دہلوی جوان ہیں" اگر اس وقت ۳۰ برس کی عمر تسلیم کی جائے تو گلزارِ ابراہیم کی تالیف (۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء) کے وقت میں وہ ۶۰ برس کے رہے ہوں گے اور وہ لکھتے ہیں کہ ابھی حیات ہیں، اسی زمانے کے آس پاس ان کی وفات کا سن تسلیم کرنا چاہیے۔

صفدر آہ نے بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے کہ میر ضیاالدین ضیا دہلوی ۴۵ سال کی عمر میں عظیم آباد چلے گئے اور وہیں انتقال کر"۔ (میر اور میریات صفحہ ۱۹۵)

اس بیان کو صحیح ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے، دہلی میں وہ چالیس برس کے تھے اور پانچ برس فیض آباد اور لکھنؤ میں گزار کر وہ عظیم آباد چلے گئے ہوں گے۔ عظیم آباد پہنچنے کے بعد وہ پچیس برس اور حیات رہے اس طرح انکی عمر وفات کے وقت ۷۰ برس ہوتی ہے۔

خم خانۂ جاوید کا بتایا سن وفات ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء صحیح معلوم ہوتا ہے، نساخ نے قیاس کیا ہے کہ ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء سن وفات ہے۔ یہاں صرف دو سال کا فرق ہو رہا ہے۔

راجہ کلیان سنگھ عاشق عظیم آبادی فرزند راجہ شتاب رائے ناظم عظیم آباد میر ضیا دہلوی کی قدر دانی کرتے رہے، وہ خود میر ضیا دہلوی کے شاگرد تھے اور ان کو وظیفے سے نوازتے رہے۔

غلام حسین شورش لکھتے ہیں:-

"میر ضیا دہلوی بڑے باوضع لوگوں میں تھے اور آداب مجلس وتہذیب کے پابند تھے ایک دن محفل مشاعرہ میں گئے لیکن اس طرح کہ لوگ پہچان نہ پائیں کہ یہ ضیا ہیں لیکن دوست اور آشنا پہچان ہی گئے۔ اصرار کے باوجود انھوں نے شعر نہ پڑھا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ

مہاراجہ کلیان رائے (کلیان سنگھ عاشق) کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ ایک دن محبت الٰہی نے ایسا جوش مارا کہ نوکری ترک کر دی اور عزت و غیرت کے ساتھ خانہ نشینی اختیار کر لی۔ جب مہاراجہ کلیان سنگھ عظیم آباد (بہار) کے ناظم مقرر ہوئے تو میر ضیا دہلوی کو بلا کو سابق عہدے کی پیش کش کی گئی جو انھوں نے منظور کر لی۔" (تذکرہ شورش)

میر ضیا دہلوی کا دیوان مرتب نہیں ہوا لیکن میر حسن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصیدہ، ہجو، مثنوی اور رباعی بہت کم کہا ہے، غزلیات کا حصہ زیادہ ہے، اُن کی درد مند طبیعت کا حال لکھتے ہوئے میر حسن کہتے ہیں:۔ "جب کسی سے کوئی شعر سنتے تھے تو محظوظ ہوتے تھے اور روتے تھے"
ڈاکٹر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:۔ "میر حسن نے لکھا ہے کہ میر ضیا الدین کا دیوان مرتب نہیں ہوا تھا، میر حسن کے تذکرے کی تالیف کے زمانے میں ممکن ہے دیوان مرتب نہ ہوا ہوگا، شورش بھی اگرچہ دیوان کا ذکر نہیں کرتے لیکن اپنے تذکرے میں انھوں نے جو اشعار درج کئے ہیں یہ اشعار اگر کسی بیاض سے نہیں لئے گئے تو میر ضیا دہلوی کا دیوان ہی پیش نظر ہوگا، علی لطف کا بیان ہے "مالک دیوان رنگین و متین کے ہیں" (گلشن ہند) ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ جناب پروفیسر سید یوسف الدین بلخی باطن بہار شریف کے پاس ہے اور راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ یہ دیوان مختصر ہے اور جہاں تک یاد آتا ہے صرف غزلیات پر مشتمل ہے۔" (حواشی تذکرۂ آزردہ)
تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ لکھنؤ اور عظیم آباد میں میر ضیا دہلوی کے بہت سے شاگرد ہو گئے تھے، لیکن حیرت ہے کہ ان شاگردوں کے نام کسی تذکرہ نگار نے نہیں بتائے۔ میر ضیا دہلوی نے جب فیض آباد میں قیام کیا میر حسن ان کے شاگرد ہو گئے اور یہ واقعی ان کے نامور شاگرد ہیں۔ اسی زمانے میں مرزا احسن علی احسن نے ۱۲۸۷ھ / ۱۸۰۳ء میں انتقال کیا۔ عظیم آباد کے شاگردوں میں میر محمد رضا، رضا ولد میر جمال الدین جمال مشہور ہیں، رضا نبیرۂ قاضی نور اللہ شوستری تھے، قاضی صاحب بعہد جہانگیر بادشاہ کتاب "احقاق الحق" لکھنے کے سبب سے شہید کر دیئے گئے۔ رضا صاحب دیوان شاعر ہیں۔ میر علی امجد گریاں دہلوی ولد علی اکبر وطن دہلی جو کہ مرشد آباد اور عظیم آباد میں رہے میر ضیا دہلوی کے شاگرد تھے ان کا ایک شعر "مسرت افزا" میں نقل ہوا ہے، میر حسن کے تذکرے میں بھی گریاں کا ذکر ہے انھوں نے ان کے چار شعر نقل کئے ہیں۔

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر
مر جائے ادھر وہ آہ بھر کر

راجہ کلیان سنگھ عاشق عظیم آبادی بھی میر ضیا دہلوی کے مشہور شاگرد ہیں، یہ مرثیہ بھی کہتے تھے،ان کے تین شعر "مسرت افزا" میں ملتے ہیں۔

صدا آتی ہے شیشے کے سے گرنے کی مگر عاشق
کسی کا دل ہوا ہے آہ چکنا چور پہلو میں

ضیا دہلوی بھی میر ضیا دہلوی کے شاگرد تھے یہ بھی دہلی سے عظیم آباد آگئے تھے۔ ضیا دہلوی کا ذکر تذکرۂ سرور اور گلستانِ بے خزاں میں ملتا ہے، مگر ضیا دہلوی کے اشعار ان کے نام سے درج کر دیئے گئے ہیں۔ نور خاں آگاہ دہلوی اور مجنوں عظیم آبادی بھی میر ضیاالدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ (تذکرۂ میر حسن)

میر ضیاالدین ضیا دہلوی کی شاعری

تذکرہ نگاروں نے اُن کی شاعری کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔

فتح علی گردیزی نے لکھا ہے:

"اُن کی نشو نما دہلی میں ہوئی، اُن کی تر زبانی اشعار سے ظاہر ہے" (تذکرۂ ریختہ گویاں)

میر حسن کہتے ہیں :۔

"میر ضیاالدین ضیا دہلوی کا طرزِ شاعری مولانا نسبتی تھانیسری کے طرز سے ملتا جلتا تھا، ان کے اشعار اتنے پُر درد ہوتے ہیں کہ عاشقوں کے جگر پر نشتر کا کام کرتے ہیں اور سوختگانِ عشق کے لئے شرارے کی مثل ہیں،ان کو سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنے کا شوق تھا" (تذکرہ شعرائے اردو)

ابوالحسن امراللہ الہ آبادی لکھتے ہیں :۔

"ان کے اشعار ضیائے دیدہ طالبان اور راحت بخش گوش سامعان ہیں" (مسرت افزا)

علی ابراہیم خلیل لکھتے ہیں :۔ "اردو کے اچھے شاعر ہیں" (گلزار ابراہیم)

قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں :۔ "شاعر خوش گو، شیریں گفتار، صاحبِ اشعار آب دار۔" (مجموعۂ نغز)

مرزا علی لطف لکھتے ہیں :۔ "نظم ریختہ میں مالک تھے طبع بلند کے" (گلشن ہند)

اعظم الدولہ سرورؔ لکھتے ہیں :۔ "شاعر شیریں کلام و خوش فکر ہیں" (عمدۂ منتخبہ)
صدرالدین آزردہؔ لکھتے ہیں :۔ "خوش گو، شیریں گفتار ہیں" (تذکرۂ آزردہ)
شیفتہؔ لکھتے ہیں :۔ "مشہور شاعروں میں سے تھے" (گلشن بے خار)
سعادت خاں ناصرؔ لکھتے ہیں :۔ "شاعر بامزہ و صفا۔" (خوش معرکۂ زیبا)
محمد حسین خاںؔ لکھتے ہیں :۔ "شعرائے نامدار سے ہیں" (تذکرۂ ریاض الفردوس)
نورالحسن ہاشمیؔ لکھتے ہیں :۔ "غزلوں میں محبت کی کسک پائی جاتی ہے" (دلّی کا دبستان شاعری)
صدیق حسن خاںؔ لکھتے ہیں :۔ "ضیاؔ دہلوی، شاعری کے مہر نیم روز اور اس فن کے ماہ نیم ماہ" (شمع انجمن)

انتخابِ غزلیات

جمع کر کے درد سارے تو نے پیدا دل کیا — کہہ تو اے دستِ قضا کچھ اس سے کیا حاصل کیا
کیا مزے سے جی نکلتا جو وہ ٹک پھر دیکھتا — کام آساں مجھ پہ قاتل نے مرے مشکل کیا

باد بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا — آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا
قیس دیوانہ ہوا اور کوہکن جی سے گیا — عشق ہم کو بھی وہی اب کام فرمانے لگا
صاف تھا جب تک جواب صاف تھا قاصد کے تئیں — اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا
ایک دن وہ تھا کہ روز و شب رہے تھا پاس ہائے — اب خبر بھی بھیجنے سے ہم کو ترسانے لگا

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگِ خلق
اس کے کوچے میں ضیاؔ تو آج پھر جانے لگا

گریاں و خاک اڑاتا جوں ابر و جوں بگولا — صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیاؔ کو دیکھا

میں نے کل پوچھا ضیاؔ سے دل کو کیدھر کھو دیا — اس نے کوچے کو ترے بتلا کے بس دے رو دیا

دیکھیو اے دوستاں چپکا ضیاؔ کیوں ہو گیا   مر گیا بے تاب ہو یا روتے روتے سو گیا

ضیاؔ بے کون کیا جانوں ترے گھر میں جو آتا تھا   کوئی حسرت سے پھر پھر دیکھ ایدھر روتا جاتا تھا

برس اے ابر جتنا چاہے تو اب تیری باری ہے   کبھی دل تھا تو میں بھی رو رو اک دریا بہاتا تھا

کیوں گریباں دم بہ دم کرتا ہے اپنا چاک تو   ہاتھ سے تیرے ضیاؔ کس گل کا دامن چھٹ گیا

گل جو تو گلشن میں آ کر پھر چمن سے مڑ گیا   چپکی لگ گئی بلبلوں کو رنگ گل کا اڑ گیا

دل جگر اشکوں میں بہہ گئے یوں میں تک کر رہ گیا   جوں جدا ہو قافلے سے کوئی تھک کر رہ گیا
دل کے جلنے پر نہ کی رقت کسی نے رحم سے   خود بہ خود جل بل یہ انگارا دہک کر رہ گیا

کیا کہا قاصد ضیاؔ سنتے ہی جس کے مر گیا   بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

ہر طرف زخمِ زخم تھا ہر سو سے داغ تھا   دل بھی ضیاؔ ہمارا کبھی رشکِ باغ تھا
اڑ اڑ کے ڈھونڈ ڈھونڈ کے برباد ہو گئی   کیا جانے میری خاک کو کس کا سراغ تھا

تخم انساں میں حق کا جھاڑ چھپا   تنکے اوٹ میں پہاڑ چھپا

نالہ نے چرخ کو نہ پھاڑ دیا   لا مکاں میں بھی جھنڈا گاڑ دیا

دل دیکھ اس کی آنکھوں کو مدہوش ہو گیا   دو ہی پیالے پی کے یہ بے ہوش ہو گیا
عشق شرار جا بجی دل کی گرم مر گئے   اپنا چراغ جلتے ہی خاموش ہو گیا

چھوڑ دو شیوہ میاں آہ یہ بیدادی کا — تا کہ کر جاوے اثر مت کسی فریادی کا

دل جل کے راکھ ہو گیا یا رو رو بہہ گیا — مدت ہوئی جگر سے دھواں اٹھتا رہ گیا
کچھ کل سے بھی زیادہ ہے بے تاب آج تو — قاصد ضیا کو کیسی خبر آج کہہ گیا

اُس زلف میں کہ خط میں دلِ زار گم ہوا — کیا جانئے کدھر وہ گرفتار گم ہوا

نالہ سینے سے کب نہیں اٹھتا — شعلہ اٹھتا ہے جب نہیں اٹھتا
آہ سے سمجھے دل کو آگ لگی — یہ دھواں بے سبب نہیں اٹھتا
مجھے رونا آتا ہے دیکھے سے دل کے — یہ ویرانہ اک وقت گھر تھا کسی کا

مس گورے منہ کے تل نے یوں لوٹا دل کو آکر — جوں چور گھر کسی کو موسے دیا جلا کر
گل غنچگی سے نکلے لالے نے سینہ کھولا — ظالم کبھی تو تو بھی بند قبا کو وا کر

کوند برق ہے ستون پرویز کی بنیاد پر — گر چمکی تیشے کی بجلی خرمن فرہاد پر

عشق شیشہ بحال دل کا یا کہ چکنا چور کر — لیک اس پتھر کو پہلے سے مرے تو دور کر
جلنا بجھنا ان کا یارب ہے کسی کا یادگار — داغ کو کر دے چراغ اور زخم کو ناسور کر

بنالے شیخ کعبے کو کہ بت خانے کو غارت کر — نہ تو یہ کر نہ تو وہ کر کسی دل کی عمارت کر

دل میں کسی کی آنکھوں میں یا جا کے چھائے ہم — کیا گزری جی میں آہ جو یاں پھر نہ آئے ہم

آہ کرتے دبک گئے ہیں ہم — کیا شتابی بھڑک گئے ہیں ہم

آپ کو آپ میں نہیں پاتے　　آہ کیدھر بہک گئے ہیں ہم

جوں چنار اس جا نہ پھولیں ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم　　جب مراد اپنی کو پہنچیں ہیں تو جل جاتے ہیں ہم
جیسے دو ہم درد آپس میں کریں غم خوارگی　　دل ہمارا درد اپنے دل کا غم کھاتے ہیں ہم

آہ کس قد کس دہن کس رخ کے دیوانے ہیں ہم　　گاہ قمری گاہ بلبل گاہ پروانے ہیں ہم

تم کھلکھلا کے ہنس لو ہم آہ نالہ کر لیں　　مانند بلبل و گل کوئی دم خوشی کا بھر لیں

ہم جا کریں گے نالے قفس ہی میں عندلیب　　تو رہ چمن میں اور ترے چہچہے رہیں

جان کر زلف دل نہ دھنس اس میں　　دام ہے دیکھ تو نہ پھنس اس میں
ہے قلم رو میں حسن کی سب کچھ　　اک نہیں ہے سو داد رس اس میں
دل نو غنچہ جھڑ پڑا افسوس　　رہ گئی کھلنے کی ہوس اس میں

شمع رو ہیں کہ ماہ پارے ہیں　　سبزی صورت پہ سارے وارے ہیں
دل جلا غم جگر کو ڈھونڈھے ہے　　اس میں کیا خاک اور انگارے ہیں
اس گلی میں خدا ہی حافظ ہے　　دل ضیا دونوں اب سدھارے ہیں

ضیا نے دیکھ کر دل کو بغل میں ہم کو رشک آیا　　کہ رہتا تھا یونہی اپنا بھی اک ہمدرد پہلو میں

رونے سے آگ دل کی کیا خاک سرد ہوئے　　آنسو کی جگہ یاں تو چنگاریاں جھڑیں ہیں

روویں ہم بیٹھ دل کو کیا یہ چرخ کے سب پھیر ہیں　　شمع محفل تھے جو کل سو راکھ کے اب ڈھیر ہیں

پلادے آب خنجر ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں   جو کوئی مرتا ہے اس کے حلق میں پانی چواتے ہیں
یہ ماتم کس دوانے کا ہے یارب آج صحرا میں   کہ لیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں
ضیا رکھ ہاتھ سینے پر خبر دل کی بھی لے ظالم   کہ آج آنسو تری آنکھوں سے کچھ لوہو سے آتے ہیں

رسوائیوں کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہیں   ناصح میں کیا کروں مرا دل پہ بس نہیں

نہ رکھ محروم وصلت سے ہمیں قاتل کہ مرتے ہیں   جو مانگے سو اسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں

ہوں میں بے صبر رونے دے مجھ کو   کچھ کہو مت اے ناصحو مجھ کو
مجھ سا بندہ نہیں خدائی میں   ہاتھ سے اے صنم نہ کھو مجھ کو

خط نہ نوشتہ میں اس لئے بھیجوں ہوں دلبر کو   کہ لکھتا شوق میں گر کچھ تو لکھتا ایک دفتر کو
پڑے برق تجلی ایسی ارنی، لن ترانی پر   کہ موسیٰ ہوئے بے خود اور جلا دیدار منظر کو

ایک دو ٹکڑے ہو ناصح تو تو سیوے چاک تو   پرزے پرزے ہے یہ سینہ کیا سیئے گا خاک تو

ہم رہے باندھتے ہی محمل کو   یار جا پہنچے اپنی منزل کو

الٰہی جام دے جم کو اور آئینہ سکندر کو   مجھے وہ چیز دے جس سے کروں تسخیر دلبر کو

جنت کا مت دیو مژدہ مجھ خاک میں رلے کو   آرام واں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

کبھی جا گل کو دیکھے ہے کبھی دیکھے ہے نرگس کو   خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہے ڈھونڈتی کس کو

جلیو وہ دل کہ نالہ کبھی جس سے سر نہ ہو　　وہ آنکھ پھوٹیو کہ جو آنسو سے تر نہ ہو

نہ پوچھو آب داری اے عزیزاں اس کے مژگاں کی　　نہیں مانگے ہے وہ پانی لگے ہے تیر یہ جس کو

ضیا کو عشق نے کس کے کیا ہے بے قرار ایسا　　تڑپ کر مر گیا تو بھی نہیں آتا ہے چین اس کو

آہوں سے میری کب تک اے شعلہ تو بھڑک اٹھ　　بجلی کی طرح مجھ پہ یک بارگی کڑک اٹھ

کون سے صدمے کی یہ آہٹ ہے　　پھر درِ دل پہ کھٹکھٹاہٹ ہے

سب امید اپنی کر حصول گئے　　اک ترے در سے ہم ملول گئے
بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا　　ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

آہستہ پاؤں رکھیو اے بوئے گل چمن پہ　　سوتے ہیں اس زمیں میں نازک دماغ کتنے
جوں گل لگائے منہ سے پھرتے تھے آگے آیا　　ہوئے ہو دیکھ ہم کو اب بے دماغ کتنے
تربت ضیا کی دیکھی کل رات دور سے میں　　آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے
جاکر جو آج دن کو دیکھا میں کر تفحص　　اک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

بہ عکس وضعیں آئیں اس کے نباہنے کی　　شاید یہی ہے تاثیر اس دل کے چاہنے کی
جلدی ضیا خبر لے آتی ہے تجھ جگر سے　　آواز ناتواں سی دل کے کراہنے کی

ب کی اداسی سی اور یاں وحشت چھا گئی　　یار کے جاتے ہی ہم پہ سب مصیبت آ گئی

اس نگہ سے نہ پوچھ کیا گزری　　یہ سناں دل کے پار گزری

تک آہ بچ نکل نہ کہیں دل تھلک پڑے — یہ جام بھر رہا ہے مبادا چھلک پڑے
تیرے ضیاؔ کا حال میں پوچھا تھا شمع سے — اک آہ اس نے کھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے

کہا کیا جانے کیا میری طرف سے تجھ سے بدگو نے — کہ رفتہ رفتہ یہ احوال پہنچایا مرا تو نے

چشم گریاں سینہ بریاں دل کو جلتا لے چلے — شمع و مجلس سے تیری ہم بھی کیا کیا لے چلے
تیرے کوچے سے ضیاؔ کو یہ فلک یوں لے چلا — نیم بسمل کو کوئی جیسے تڑپتا لے چلے

یارب تو خیر کیجو قاصد نے دیر کی ہے — گھر کو ہے اس کے بھولا یا راہ پھیر کی ہے

یہ آرزو ضیاؔ کے دل کی بتاں خدا دے — تم اس کو گالیاں دو اور وہ تمہیں دعا دے

دل جلے ہے غم سے اور آنسو بہانا منع ہے — لگ رہی ہے آگ گھر میں اور بجھانا منع ہے
سینہ میں سوزش ہے اور ضبط فغاں کو حکم ہے — ہیں جگر میں شعلے اور نالہ اٹھانا منع ہے
رازِ دل ہیں پوچھتے اور بولنے دیتے نہیں — بات منھ پر آ رہی اور لب ہلانا منع ہے
عشق کی مذبح کا کیا تجھ سے چلن کہیے ضیاؔ — ذبح کرتے ہیں ہمیں اور تڑپھڑانا منع ہے

کسی کا نام لے کوئی عشق اپنا یاد کرتا ہے — مروں ہوں بدگمانی سے کہ شاید تجھ پہ مرتا ہے
کسی دشمن کی بھی یارب نہ گزرے شب جدائی کی — کہ جیسا اس سے میرے جی پہ یہ دن گزرتا ہے
ضیاؔ کیا دردمند ہے تیرے دل میں میاں سچ کہہ — کہ جو تو بات کرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا ہے

کیا جور کیا تعدی جو کچھ کرو بجا ہے — بدلا ہے دل دہی کا اس کی یہی سزا ہے
برعکس حال اپنا میں کیا کہوں عزیزاں — جوں جوں ادھر وفا ہے توں توں ادھر جفا ہے

یہ آرزو ضیا کے دل کی بتاں خدا دے   تم اس کو گالیاں دو اور وہ تمھیں دعا دے

دل مجھے پھر اسی کوچے میں لیے جاتا ہے   دن کو قتل جہاں رات جہاں شب خوں ہے
اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر   مسکراتا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

اس گلی کا جو گرد ہوتا ہے   در بہ در شہر گرد ہوتا ہے
کون سے زخم کا کھلا ٹانکا   آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

نہ کھلنے کی امید ہے نہ بو کی آس ہے   غنچہ ہوں دل کا مجھ میں فقط داغ یاس ہے
تم تو ہمارے پاس سے جاؤگے کل پہ ہائے   اپنی نظر میں آج جہاں سب اداس ہے
دل تیرے پاس ہے کہ نہیں خیر ہے ضیا   کچھ ان دنوں میاں تو بہت بے حواس ہے

ہم نہ مثمر نہ ہم نہال ہوئے   اگتے ہی ہم تو پامال ہوئے

کعبے میں چھپ رہا ہے یا دیر میں نہاں ہے   خانہ خراب جلدی تو بول اٹھ کہاں ہے

تم تو غبار جان کے دامن جھٹک اٹھے   پر میری حسرتوں کو زمیں پر پٹک اٹھے

یار جو ہو سو بے وفا ہووے   ہائے دل کس سے آشنا ہووے

آہ کیا جانے کہ کس کی آنکھ سے ہم گر گئے   جو یکایک چشم سب کے ہم سے یارب پھر گئے

کیا عیش و نشاط و شادمانی کرتے   کیا تازہ نیاز جاودانی کرتے
گر یار کے میں اپنے ہوتا تو ہم   کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے

ضیاؔ مضطر ہے دل اپنا وہاں کیا دیکھ آیا ہے جو ہر اک بات کہنے پر یہ قاصد رو دیتا ہے

ہجر کی رسم ہم سے چھوٹ پڑے یا فلک تجھ پہ عرش ٹوٹ پڑے

میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کی مرثیہ نگاری

کسی تذکرہ نگار نے اس کی مرثیہ گوئی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سید یوسف حسین وصف نوگانوی نے جو مرثیہ نگاروں کا تذکرہ "تاریخ حزنیہ نگاری" (قلمی) تالیف کیا ہے اس میں میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کی مرثیہ گوئی کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"میر ضیاالدین نام ضیاؔ تخلص کرتے ہیں ابتدا میں مشق سخن میر تقی میرؔ سے کی، لکھنو بھی گئے، مثنوی سحر البیان میں میر حسنؔ نے آپ سے شاگرد بن کر اظہار عقیدت کیا ہے۔ ایک مرثیے میں جناب فاطمہ زہرا بنت رسول اللہؐ کی شب عاشور بے چینی کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔"

کہا بانو نے اے بی بی تم اپنا نام بتلاؤ
اس اپنے سر کے بالوں سے یہ جنگل جھاڑتی کیوں ہو

علی جواد زیدی لکھتے ہیں :۔

"کسی تذکرہ نگار نے ان کی مرثیہ گوئی کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن قرائن سے ذیل کا مرثیہ انھیں ضیاؔ کا معلوم ہوتا ہے۔ سفارش حسین نے کسی تحقیق کے بغیر اور غلط طور پر انھیں ضیاؔ دکنی لکھ دیا ہے"۔ (دہلوی مرثیہ گو جلد اوّل)

مرثیہ

یا رسول اللہؐ مصیبت ہے تمھاری آل پر ہے ابو سفیان کے پوتے کی طرف فتح و ظفر
تھا تمھارا جو حسین ابن علیؑ نور نظر کربلا میں آج ہے لب تشنہ و خونیں جگر

عابدؑ بیمار کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہار سر برہنہ اور چھپتے پاؤں کے تلووں میں خار
زینبؑ و کلثومؑ بھی روتی ہیں غم سے زار زار کوئی نہیں باقی کہ اس کے دل پر نہیں غم کا اثر

ہے علی اکبرؑ کہاں اور ہے علی اصغرؑ کہاں　　اور عباس علیؑ کا بھی نہیں نام و نشاں
حضرت قاسمؑ کے سرکا سرا بھی ہے خوں چکاں　　لٹ گیا سامان عروسی کا جو کچھ تھا مال و زر

مقطع

خاکِ درگاہ معلائے امام دوسرا　　دیدۂ و دل کو ہر تک سرمہ دیتی ہے ضیاؔ
اس جناب پاک پہ ہے جو کوئی دل سیں فدا　　واجب التعظیم ہے اور عاقبت سے بے خطر

علی جواد زیدی لکھتے ہیں :۔

"ضیاؔ نے جذبی مطالب اور مصائب کے بیان پر زیادہ زور دیا ہے اور شعری محاسن پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ زبان صاف اور اغلاط سے پاک ہے بیان گنجلک یا الجھا ہوا نہیں ہے۔ اس سے بھی قیاس یہی ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ میر ضیاالدین حسین ہی کا ہوگا، ویسے تحقیق کی گنجائش ہمیشہ باقی ہے (دہلوی مرثیہ گو جلد اول صفحہ ۳۲۵)

ہمارے کتب خانے میں میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کے جو مرثیے موجود ہیں اُن مرثیوں میں بھی یہی خوبی موجود ہے جس بات کی طرف علی جواد زیدی نے اشارہ کیا ہے۔

میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کی مرثیہ گوئی کے چند قوی امکانات موجود ہیں مثلاً

وہ راجہ کلیان سنگھ عاشق عظیم آبادی کے وظیفہ خوار اور استاد تھے اور راجہ موصوف کو حضرت امام حسین علیہ السلام سے بے پناہ عقیدت تھی، عاشقؔ مرثیے بھی کہتے تھے، ابوالحسن امر اللہ آبادی لکھتے ہیں :۔

"راجہ کلیان سنگھ عاشق خلف راجہ شتاب رائے ناظم عظیم آباد۔۔۔۔۔ رسولؐ اور تمام اہل بیت کی محبت سے ان کا آب و گل مخلوق ہوا ہے، ہر دم امیر المومنین علیہ السلام کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اور خود کو مومنوں اور خاندان رسالت کے فدائیوں میں شمار کرتے ہیں، کافروں اور بت پرستوں پر ہزاروں لعنتیں اور نفرین بھیجتے ہیں۔ اس گمراہ گروہ کے اقوال پر سینکڑوں لعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اُن کے اکثر مقرب مصاحبوں کا کہنا ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ہیں ماہ مبارک رمضان کے روزے رکھتے ہیں۔۔۔ صاحب تصانیف ہیں، قرآن شریف کے چند

سیپاروں کی تفسیر نظم کی ہے اور ایک کتاب "حلیۃ الفاطمی" لکھی ہے جس میں آنحضرت رسالت پناہؐ کی نبوت کا اثبات کیا ہے اور اہل بیت کے مناقب لکھے ہیں۔ اس کتاب میں عجیب و غریب صنعتیں اختیار کی ہیں اور آسمانی کتابوں اور ہندوؤں کی کتابوں سے آنحضرتؐ کی رسالت ثابت کی ہے۔ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہیں۔ اکثر فارسی اور ریختہ میں سید الشہدأ کا مرثیہ لکھتے ہیں۔ ایام غم عاشورہ میں خود ماتم کرتے ہیں، کتاب "دہ مجلس" اور مرثیہ ہندی جانسوز لحن میں پڑھتے ہیں"۔ (مسرّت افزا)

یہ تو یقین ہے کہ میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کی تعلیم و تربیت کے اثرات راجہ کلیان سنگھ عاشقؔ عظیم آبادی کی رگ و پے میں سرایت کر گئے تھے۔ امکان ہے کہ راجہ موصوف کی مجالس میں مرثیہ پڑھنے کے لئے ضیاؔ دہلوی بھی مرثیے تصنیف کرتے ہوں، عاشقؔ کے مرثیوں پر ضیاؔ دہلوی کی اصلاح تو یقینی ہے، جب ایک ہندو مرثیہ لکھ رہا ہو اور عاشور کو ماتم میں مصروف ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ضیاؔ دہلوی مرثیہ گوئی نہ کرتے ہوں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ضیاؔ دہلوی کے تمام شاگرد علاوہ غزل گوئی کہ مرثیہ گوئی پر بھی مکمل دسترس رکھتے تھے، میر حسنؔ، راجہ کلیان سنگھ عاشقؔ، میر محمد رضا، رضا عظیم آبادی، گریاںؔ دہلوی، میرزا احسن علی احسنؔ فیض آبادی، یہ تمام شعرا مرثیے لکھتے تھے اور مجالس میں مرثیے پڑھتے تھے، ان حالات میں یقین ہے کہ میر ضیاالدین دہلوی نے خاصی تعداد میں مرثیے تصنیف کئے ہونگے، علی کالج نوگانواں سادات کی قلمی بیاضوں میں اور سالار جنگ میوزیم حیدرآباد دکن میں ضیاالدین ضیاؔ دہلوی کے دو مرثیے موجود ہیں ایک مرثیہ مربع اور دوسرا مسدس میں ہے۔ مربع مرثیے میں شب عاشور کی مرقع نگاری پیش کی گئی ہے، وقت یہ ہے کہ حضرت شہربانوؑ اپنی مصیبتوں پر حضرت فاطمہ زہراؑ کو یاد فرما رہی ہیں کہ اچانک مڑ کر دیکھتی ہیں تو حضرت فاطمہ زہراؑ وہاں موجود ہیں کربلا میں جنت سے تشریف لائی ہیں اور مقتل کی زمین کو اپنے سر کے بالوں سے صاف کر رہی ہیں (اسی مرثیے کا ایک شعر "تاریخ ادبیات اردو" میں بھی تذکرۂ ضیاؔ دہلوی میں نقل کیا گیا ہے)۔

مرثیہ

حضرت شہر بانو فرما رہی ہیں ـ

----- ۱ -----

مدینہ دور چھوٹا دشتِ غربت میں بسے ہیں ہم
بلا کے بحر کے گرداب میں آ کر پھنسے ہیں ہم
اے شاہِ دیں مگر اب تم سوا اس جا کے ہیں ہم
مگر پہنچیں وہاں جس جا محمدؐ کی زیارت ہے

----- ۲ -----

تیرے قربان ہو کر اے میرے والی میں مر جاؤں
تیرے بدلے میں اپنے سر کے تئیں جان میں کھواؤں
اماں زہراؑ کو جا جنت میں اپنا حال دکھلاؤں
جو واں سے دیکھیں یاں آ کر کیا آئی قیامت ہے

----- ۳ -----

کہوں ان سے کہ اے خاتونِ جنت فاطمہ بی بی
چلو تک کربلا کس طرح ہو بے فکر تم بیٹھی
تیرے بیٹوں کی لوہو کی اونچی ہے ندی بہتی
حسینؑ اک ہے رہا جیتا سو کل اس کی بھی نوبت ہے

----- ۴ -----

بیٹھی تھی کہتے بانو جو اک باری ہوئی بے ہوش
ذرا غفلت سے آئی جو حواسوں میں ہوئی خاموش
جو دیکھی کیا تو ایک جنگل ہے اور ایک بی بی دشت پوش
زمیں بالوں سے جھاڑے ہے اور اس پر بہت رقت ہے

----- ۵ -----

کہا بانو نے اے بی بی تم اپنا نام بتلاؤ
اس اپنے سر کے بالوں سے یہ جنگل جھاڑتی کیوں ہو
یہ کیا سختی ہے تم اوپر جو بے حد روئے جاتی ہو
تم اوپر حادثہ ہے کیا یہ تم پر کیا مصیبت ہے

----- ۶ -----

لگا چھاتی سے بانو کو کہا زہراؑ نے رو رو کر
کہ اے بانو میں وہ ہوں جس کی تو ہے گی بہو بے پر
تیرا شوہر مرا بیٹا یہاں کل ہووے گا بے سر
میں اس خاطر ہوں یاں بیٹھی کہ اس کی جائے تربت ہے

----- ۷ -----

کبھی میں اس کو بے بستر نہیں اک دم سلایا تھا
بدن اس کا ذرا میلا کبھی ہونے نہ پایا تھا
میں جو کر باوضو اس کا بدن ہر دم دھلایا تھا
سو اس کے اب نصیبوں میں یہ خاکِ دشتِ غربت ہے

----- ۸ -----

جو وہ سوتا تو پنکھا اس کے تئیں جبرئیل کرتے تھے   محمد مصطفیؐ خوش ہو لے کاندھے پہ لیتے تھے
گلے اپنے لگا کر پیار سے الحمد پڑھتے تھے   سو آفت اس پہ ہے بعد از نبیؐ یہ اس کی حرمت ہے

ضیاؔ دہلوی کا دوسرا مرثیہ مسدس ہے۔ ان کے ہم عصروں میں سوداؔ، میر تقی میرؔ، جعفر علی خاں حسرتؔ، خان آرزوؔ کے مسدس مرثیے ملتے ہیں، سکندرؔ پنجابی کا مسدس مرثیہ پورے ہندوستان میں مقبول تھا۔ ضیاؔ دہلوی نے مسدس کی اہمیت کے پیش نظر یہ مرثیہ تصنیف کیا ہوگا، مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں ہے۔

مرثیہ

۱

یہ دعا کر کے کہا دل سے ارادہ کیا ہے   دیکھ چشموں سے کہ دریا وہ بڑا بہتا ہے
شاہ بھی پیاسا ہے ناموس بھی سب پیاسا ہے   فوج ہے مور و ملخ تو یہ تن تنہا ہے
میں شجاعت کا ذرا تجھ سے اشارہ لے لوں
تیغ کی آب سے دریا کا کنارہ لے لوں

۲

دل لگا کہنے کہ چل میری ہمت ہے بلند   جو گوارا ہے تجھے بات وہ ہے مجھ کو پسند
تین دن ہوگئے پیاسا ہے نبیؐ کا فرزند   حلقۂ فوج شقاوت کا نہ تو ہو پابند
چشمۂ فیض شجاعت ہے علم کے نیچے
ایک حملے میں تو دریا ہے قدم کے نیچے

۳

اپنے ہاتھوں سے کہا تم سے بھی ہے میرا کام   اب تلک حکم سے ہیں میرے کئے تم نے کام
یہ گھڑی وہ ہے کہ ہوتا ہے مرا کام تمام   جب تلک تن میں ہو مت چھوڑیو قبضے سے حسام
دو طرف دونو میں تقسیم یہی کام رہے
ایک سے تیغ چلے ایک علم تھام رہے

۴

یہ سخن لفظ یہ اللہ جو زباں پر لایا   زور ہاتھوں میں جو تھا اس کو دو چنداں پایا
اپنے پھر تازی چالاک سے یوں فرمایا   وقت آخر ہے سواری کا یہ میری آیا
تو رفاقت مری اس وقت ذرا کرتا رہے
حق سواری کا میری آج ادا کرتا رہے

بات یہ سنتے ہی گھوڑے نے اٹھائی گردن   چُست و چالاک کیا تازی نے سب اپنا بدن
جانا عباسؑ نے ہے کام کا میرے توسن   قبضۂ تیغ سے فرمانے لگے پھر یہ سخن ۵

سیفِ حیدرؑ کے عمل شاہِ زماں سے ہوں گے
میرے جوہر یہ عیاں تیری زباں سے ہوں گے

کہہ کہ یہ ڈال دیا قبضۂ شمشیر پہ ہات   نام اللہ کا لے کھینچ کے وہ برق صفات
یا علیؑ کہہ کے چلا بر لب دریائے فرات   شہؑ نے کی تب یہ دُعا پیش مجیب الدعوات ۶

فوج اعدا پہ مظفر میرا غم خوار رہے
سرخ رو جنگ میں عباسؑ علمدار رہے

شاہ کرتے تھے دعا وہ تھا جھکا لشکر پر   فوج نے دیکھا کہ اک شیر زیاں آیا ادھر
ہر طرف گھیر لیا فوج نے رستہ آکر   روبرو جو صف لشکر تھی چلے تیغ و تبر ۷

ایک پر نیزے ہزاروں جھٹکے اور تیر چلے
دیکھ یہ حال کمک کے لئے شبیرؑ چلے

روکا اکبرؑ نے کہاں شاہِ زماں جاتے ہو   ابھی جیتا ہوں میں بابا جی کہاں جاتے ہو
چھوڑ اکبرؑ کو شہہ تشنہ لباں جاتے ہو   جیتے کب آؤ گے تم ایسے مکاں جاتے ہو ۸

مجھ کو فرماؤ تو میں جاؤں مددگاری کو
ایک اکبرؑ بھی یہ کافی ہے طرف داری کو

ضیا دہلوی کا ایک مرثیہ بحر خفیف مسدس مخبون مقطوع میں ہے۔ اس بحر میں مسکینؔ کے مرثیے بھی موجود ہیں۔

۱۔ جس کا من ہوئے غم کے کھانے کو

۲۔ جب وداع ہونے لاگی دسویں رات

کرم علی دہلوی کا مرثیہ بھی موجود ہے۔

شاہِ بیکس کی اب سواری ہے

سوداؔ کے مرثیے بھی اس بحر میں ان کے دیوان میں موجود ہیں۔

۱۔ آج روتے ہیں احمدؐ مختار

۲۔ اے امام جہان واویلا

ضیاؔ دہلوی کے عہد میں یہ آہنگ اور وزن مرثیے میں مقبول رہا ہوگا اس لئے انھوں نے یہ تجربہ کیا ہے۔ ضیاؔ دہلوی کے بعد بھی یہ بحر مرثیے میں مقبول سمجھی گئی اور مرثیہ نگاروں نے اس بحر میں مرثیے تصنیف کئے ہیں مثلاً :۔

افسردہؔ ۔

قتل کی رات آج جاتی ہے

فصیحؔ :۔

۱۔ قتل کی کوفے میں خبر آئی

۲۔ قتل رن میں کیا امیروں کو

خلیقؔ ۔

رن سے جب آئی لاش اکبر کی

قدیرؔ دہلوی ۔

قید سے چھٹ کے جب حرم آئے

ذکیؔ بلگرامی ۔

کس کے غم میں کماں خمیدہ ہے

دلشادؔ ۔

ماں سے اصغر وداع ہوتے ہیں

حبیبؔ ۔

آج شبیرؑ مرنے جاتے ہیں

میر محمد تقی اخترؔ لکھنوی :۔

۱۔ رن میں ابرو کماں کی آمد ہے

۲۔ شام میں جب حرم حسین آیا

خورشید لکھنوی :۔

رن میں مرنے کو اکبرؑ آتے ہیں

اس بحر میں غالب کی مشہور غزل ہے :۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے

مرثیہ

آج کیا حشر ہے زمانے میں ہے ہوا صرف خاک اڑانے میں
نہیں عرصہ قیامت آنے میں [۱] دل دھڑکتا ہے یہ سنانے میں
عرش کے رکن تھرتھراتے ہیں
شام میں اہلِ بیت آتے ہیں

ہے یزیدِ لعیں خوشی بے حد کی ہے تزئینِ بزمِ عیش میں کد
سب سے کہتا ہے وہ عدوئے احد [۲] لو اب آتی ہے عترتِ احمدؐ
یہ اگر مصطفیٰؐ کے پیارے ہیں
اب تو قیدی یہ سب ہمارے ہیں

تھے یہاں تو یہ باتیں یہ چرچا اس طرف آلِ سرورِ بطحا
آئے دربارِ عام میں دردا [۳] تختِ زر پر تھا وہ عدوئے خدا
حشر اک چار سمت ہونے لگا
کوئی ہنستا تو کوئی رونے لگا

بی بیاں آئیں پیشِ تخت جو نہیں ہوا مسرور و شاد دشمنِ دیں
سنو اب حال زینبؑ غمگیں [۴] خاک پر غم کے مارے بیٹھ گئیں
پا کے مقصود خوش تھیں سواروں نے
حلقے میں لے لیا کنیزوں نے

ہو کے برہم یزید نے پوچھا کون عورت ہے یہ اسیر بلا
جس کو میرا ادب نہیں اصلا ۵ میرے بے حکم بیٹھی کیوں اس جا
شمر بولا کہ بھوکی پیاسی ہے
زینبؑ احمدؐ کی یہ نواسی ہے

سب پہ روشن ہے مرتبہ اس کا مرتضےٰؑ اس کا باپ ماں زہراؑ
اس کی نانی خدیجۃ الکبریٰ ۶ حسنینؑ اس کے بھائی ہیں بخدا
گو کہ ایذا میں اور بلا میں ہے
پر بزرگ آلِ مصطفےٰؐ میں ہے

جس کے بولا یزید میں سمجھا میں تھا مشتاق اس کے آنے کا
لا اُسے جلد میرے آگے لا ۷ کہہ کے سمعاً بڑھا وہ اہلِ جفا
لونڈیوں کو شقی ڈرانے لگا
گرد مظلوموں سے ہٹانے لگا

ہٹ گئیں خوف سے کنیزیں سب تھی مگر اک کنیز عاشقِ رب
حبشیہ نژاد و نیک نسب ۸ وہ رہی پیشِ حضرتِ زینبؑ
یہ بڑھا اُس کے بھی ہٹانے کو
دُرّہ اونچا کیا لگانے کو

آگیا اس کنیز کو غصّہ سر کو اپنے بلند کر کے کہا
کوئی نوئی نہیں ہے یاں پر کیا ۹ شمر مجھ کو لگاتا ہے کوڑا
ہے جو کوئی تو جائے غیرت ہے
آل اُس کی اسیرِ ذلّت ہے

پیشِ پیشِ یزید بد گوہر تھے جو فاخر غلام باندھے کمر
کمروں سے وہ کھینچ کے خنجر ۱۰ آئے پیشِ یزید یہ کہہ کر
منع کر اے امیر تو اس کو
مارے کوڑا نہ یہ عدو اس کو

ہے یہ ہم قوم ہم سبھوں کی ضرور ہوئی رسوا اگر ہمارے حضور
ہم رہیں گے نہ بے قصور و فتور لیں گے ذلت کا بدلہ تا مقدور [۱۱]
جان صدہا کے لیں کی سر دیں گے
خون سے تخت گاہ بھر دیں گے

وا علیاہ آہ واویلا اب جگر منہ کو آرہا ہے مرا
حبشیوں کو یہ پاسِ قوم ہوا ہائے کس جا تھے احمدؐ و زہراؑ [۱۲]
کوئی حامی نہ تھا قیامت تھی
آل اُن کی اسیرِ ذلت تھی

کوئی بیچاروں کو ستاتا تھا کوئی ہنس کر انھیں رُلاتا تھا
حاکمِ شام ہنستا جاتا تھا لبِ شہہؑ پر چھڑی لگاتا تھا [۱۳]
رکھا خاموش مرضیٔ رب نے
ہائے سب ظلم دیکھے زینبؑ نے

اے ضیاؔ روک لو قلم بس بس نہ لکھو قصۂ الم بس بس
نہ کہو شرحِ درد و غم بس بس نہ سناؤ سوا ستم بس بس [۱۴]
ہوا اندھیر کیا زمانے میں
گئے معصوم قید خانے میں

-: حواشی :-

[۱] ملا نسبتی تھانیسری، عزیز صاحب درد بود، از اہلِ عالم فرد، اشعارش شوق انگیز است و سخنانش عقل فریب و دلاویز، گویند بہ بے تعلقی و بے تعینی موصوف بود۔ وھمیں مانند قلندراں تجرد نہاد پند پوش می ماند، و بسان دل سوختگاں با دل بریاں و دیدہ گریاں روز را شب می رسانند، و بظاہر بر جمیلہ تعلق خاطر بسیار داشت، مثنوی در برابر مخزن اسرار بسیار باب و تاب گفتہ۔ من اشعارہ :-

بلبل زباغ سوئے تو پرواز می کند — ایں خوں گرفتہ مرغ چہ انداز می کند
ہر زہ بر سر آں کو غبار نتواں شد — غبار خاطر داماں یار نتواں شد
بلبلاں ہم مزاجداں نشدند — کس نداند کہ گل چہ بسو دارد
لالہ است از قتل گاہ کوہ کن در بستیوں — خون ناحق گشتہ آخر دامن صحرا گرفت
دو زلف دادی و خال و خط و کرشمہ و ناز — دگرچہ باید بر خیز و فتنہ برپا کن
مستی و فتنہ در سر، بر خیز و قتل ما کن — ایں کہ خدنگ مژگاں، ایں کہ کمال ابرو
حد از ما دل مارا بزیر خاک کنید — بایں ستم زدہ در یک مزار نتواں شد

(تذکرۂ ہمیشہ بہار از کشن چند اخلاص)

-: حوالہ جات :-

۱۔ نکات الشعراء از میر تقی میر	مرقومہ ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ء	فارسی
۲۔ تذکرۂ ریختہ گویاں از فتح علی حسین گردیزی	مرقومہ ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء	فارسی
۳۔ مخزن نکات از قیام الدین قائم	مرقومہ ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء	فارسی
۴۔ چمنستان شعراء از لچھمی نرائن شفیق	مرقومہ ۱۱۷۵ھ / ۱۷۵۴ء	فارسی
۵۔ طبقات الشعراء از قدرت اللہ شوق	مرقومہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء	فارسی
۶۔ تذکرۂ شعرائے اردو از میر حسن	مرقومہ ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء	فارسی
۷۔ تذکرۂ شورش از غلام حسین شورش	مرقومہ ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء	فارسی
۸۔ مسرت افزا از ابوالحسن امراللہ الہ آبادی	مرقومہ ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء	فارسی
۹۔ گلشن سخن از مردان علی خاں مبتلا	مرقومہ ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء	فارسی
۱۰۔ گلزار ابراہیم از علی ابراہیم خلیل	مرقومہ ۱۱۹۸ھ / ۱۷۸۳ء	فارسی
۱۱۔ تذکرۂ ہندی گویاں از مصحفی	مرقومہ ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء	فارسی
۱۲۔ عیار الشعراء از خوب چند ذکا	مرقومہ ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۸ء	فارسی
۱۳۔ تذکرۂ عشقی از وجیہ الدین عشقی	مرقومہ ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء	فارسی
۱۴۔ گلشن ہند از مرزا علی لطف	مرقومہ ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء	اردو
۱۵۔ عمدۂ منتخبہ از اعظم الدولہ سرور	مرقومہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء	فارسی

۱۶۔ تذکرۂ حیدری از حیدر بخش حیدری	مرقومہ ۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء	اردو
۱۷۔ مجمع الانتخاب از شاہ محمد کمال	مرقومہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء	فارسی
۱۸۔ مجموعہ نغز از قدرت اللہ قاسم	مرقومہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۷ء	فارسی
۱۹۔ تذکرۂ آزردہ از آزردہ	مرقومہ ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء	فارسی
۲۰۔ دیوان جہاں بنی نرائن جہاں	مرقومہ ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء	اردو
۲۱۔ تذکرہ بے جگر از خیراتی لعل بے جگر	مرقومہ ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء	فارسی
۲۲۔ گلشن بے خار از شیفتہ	مرقومہ ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء	فارسی
۲۳۔ مدائح الشعرا از عنایت حسین مہجور	مرقومہ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء	فارسی
۲۴۔ تاریخ ادب ہندوستانی از گارساں دتاسی	مرقومہ ۱۸۳۹ء	فرانسیسی
۲۵۔ خوش معرکۂ زیبا از سعادت خاں ناصر	مرقومہ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء	اردو
۲۶۔ گلستانِ بے خزاں از قطب الدین باطن	مرقومہ ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء	اردو
۲۷۔ یادگار شعرا از اسپرنگر	مرقومہ ۱۸۵۰ء	ترجمہ اردو
۲۸۔ گلشن ہمیشہ بہار از نصر اللہ خاں خویشگی	مرقومہ ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء	فارسی
۲۹۔ نسخۂ دلکشا از ارمان	مرقومہ ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء	اردو
۳۰۔ ریاض الفردوس از محمد حسین	مرقومہ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء	اردو
۳۱۔ قطعۂ منتخب از ناسخ	مرقومہ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء	اردو
۳۲۔ سخن شعرا از ناسخ	مرقومہ ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء	اردو
۳۳۔ شمیم سخن از عبدالحئی	مرقومہ ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء	اردو
۳۴۔ طور کلیم از نور الحسن	مرقومہ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء	فارسی
۳۵۔ بزم سخن از علی حسن خاں	مرقومہ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء	فارسی
۳۶۔ اردو شعر وادب از قاضی عبدالودود	مرقومہ ۱۹۹۵ء	
۳۷۔ اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری از فرمان فتح پوری	مرقومہ ۱۹۷۲ء	
۳۸۔ دہلوی مرثیہ گو جلد اول از علی جواد زیدی	مرقومہ ۱۹۸۶ء	
۳۹۔ میر و سودا کا دور از ثنا الحق	مرقومہ ۱۹۶۵ء	

ظہیر دہلوی کے غیر مطبوعہ مرثیے

دبستانِ دہلی کے ممتاز شاعروں میں ظہیر دہلوی آخری دور کے بڑے نامور شاعر ہیں۔ وہ اپنے زمانے میں فنِ شعر اور زبان کے مستند استاد مانے جاتے تھے۔ وہ اپنے خاص طرز شاعری کی بدولت ہمیشہ مقبولِ خاص و عام رہے۔ نثر نگار کی حیثیت سے انھوں نے ۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات ''داستانِ غدر'' کے نام سے تحریر کیے ہیں یہ ان کی یادگار کتاب ہے۔ اس کتاب میں ان کی خودنوشت سوانح بھی ہے۔

سید ظہیر الدین حسین (۱) نام، ظہیر تخلص ۔ ان کا تعلق دہلی کے ایک معزز سادات رضوی خاندان سے تھا۔ ظہیر دہلوی کے والد حلاج اللہ ولہ مرصع رقم خان بہادر شاہ جلال الدین حیدر بھی دہلی کے مشہور خوش نویس تھے اور خطِ نسخ میں بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ ظہیر دہلوی نے اپنے حالات زندگی ''داستانِ غدر'' میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں۔

''غدر کے وقت میری عمر بائیس سال تھی۔ اس حساب سے ۱۸۳۵ء ان کا سن ولادت قرار پاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قلعے کی ملازمت تیرہ سال کی عمر میں حاصل کی تھی۔ اس حساب سے وہ ۱۸۴۸ء میں بہادر شاہ ظفر کے ملازم ہوئے ہوں گے۔ قلعۂ معلی میں انھیں ماہی مراتب کے داروغہ کا عہدہ ملا تھا۔ ان کے فرائض یہ تھے کہ جب بادشاہ کہیں تو وہ اپنے نائبین کو ساتھ لے کر بادشاہ کی رکاب میں چلتے ورنہ دربار میں حاضر رہتے۔ بہادر

شاہ ظفر نے انھیں راقم الدولہ (۲) کے خطاب سے سرفراز کیا اور ایک مرصع دوات انعام میں عطا کی تھی۔ شعر و سخن میں بچپن ہی سے دلچسپی رکھتے تھے۔ چودہ برس کے سن میں استاد ذوق کے شاگرد ہو گئے اور شاعری کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ داغؔ دہلوی، میر مہدی مجروحؔ، سالک دہلوی، امام بخش صہبائی، قلقؔ دہلوی، انورؔ دہلوی (۳)، یوسف علی خاں عزیزؔ دہلوی اور خود ظہیرؔ دہلوی ایک مکان پر وقت شام بلا ناغہ ہم جلیس ہوتے تھے اور باہم داد سخن دیتے تھے۔ خود لکھتے ہیں کہ زمانہ غدر تک یہ گلزار سخن شاداب و سیراب تھا زمانۂ غدر کے بعد اس مرقع کا شیرازۂ جمعیت درہم برہم ہو کر ورق ورق منتشر ہو گیا"۔

غدر ۱۸۵۷ء میں دہلی پر تباہی آئی تو یہ بھی ناچار دہلی سے نکلے۔ جھجر، سونی پت، نجیب آباد ہوتے ہوئے بریلی پہنچے۔ خود لکھتے ہیں۔

"وہاں ایک دوست آغا ذہینؔ (۴) صاحب مرثیہ گو کے مکان پر قیام کیا۔ اس مہمان نواز نے وہ خاطر مدارات کی کہ بیان سے باہر ہے۔ وہاں سے بڑھنے کا ارادہ تھا کہ معلوم ہوا لکھنؤ کی بھی وہی کیفیت ہوئی جو دہلی کی ہوئی تھی"۔

پندرہ روز بریلی میں رہ کر رام پور چلے گئے۔ وہاں چار برس قیام رہا۔ اس کے بعد دہلی واپس آئے، یہاں محکمہ چنگی میں ملازمت مل گئی۔ اس کے تھوڑے عرصے کے بعد اخبار "جلوۂ طور" کے ایڈیٹر ہو گئے جو بلند شہر سے شائع ہوتا تھا۔ ظہیرؔ دہلوی کے مضامین مہاراجا شیو دھیان سنگ والی ریاست الور نے پڑھے اور بہت پسند کیے، ان کو الور آنے کی دعوت دی۔ الور میں ان کا قیام چار برس تک رہا۔ وہاں کی سازشوں سے دل برداشتہ ہو گئے، مجبور ہو کر پھر دہلی واپس آئے۔ کچھ عرصے کے بعد مہاراجا رام سنگھ بہادر کی طلبی پر جے پور پہنچے اور وہاں محکمۂ پولیس میں تھانے دار مقرر ہوئے۔ جے پور میں کم و بیش بیس سال رہے، مہاراجا کے مرنے کے بعد وہاں سے مستعفی ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد نواب محمد علی خان والی ٹونک نے طلب کر لیا اور خلعت و انعام خاص سے سرفراز کیا۔ تقریباً پندرہ، سولہ برس ریاست ٹونک میں قیام رہا۔ آخر عمر میں حیدر آباد دکن پہنچے۔ مہاراجا سرکشن پرشاد شادؔ نے عزت افزائی فرمائی۔ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ پیغام اجل آ پہنچا۔ ظہیرؔ دہلوی جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گئے تھے۔ کچھ دنوں کی علالت کے بعد ۱۷ ربیع الاول، ۱۳۲۹ھ (مارچ ۱۹۱۱ء) کو داعی اجل کو لبیک کہا اور نعمت خان عالی کے مزار میں تدفین ہوئی۔

ظہیر دہلوی پرگو شاعر تھے۔انھوں نے غزل، مرثیہ، قصیدہ، مثنوی، شہر آشوب، قطعہ، رباعی، حمد، نعت، منقبت، غرض جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ان کا پہلا دیوان ''گلستانِ سخن'' مطبع مفیدِ عام آگرہ سے ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا دیوان ''سنبلستانِ عبرت'' مطبع کریمی، بمبئی سے ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا تھا اور تیسرا دیوان ''دفترِ خیال'' مطبع کریمی، بمبئی سے ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا۔ چوتھا دیوان، جس میں علاوہ غزلیات کے قصائد بھی تھے، ان کے نواسے میر اشتیاق حسین شوق دہلوی کے پاس دہلی میں تھا جو طبع نہیں ہوا۔ ''داستانِ غدر'' کا مسودہ بھی ان کے نواسے ہی کے پاس تھا۔ اس کتاب کا دوسرا اڈیشن اکادمی پنجاب، لاہور سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔ ظہیر دہلوی کے مرثیوں کی ضخیم جلد جس میں مرثیے، سلام، رباعیات، نعتیں اور منقبتیں شامل ہیں، اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ ''مراثیِ ظہیر'' کی جلد ان کے پرپوتے صادق مرزا کے پاس کراچی میں موجود ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''تاریخِ مرثیہ نگاری'' میں ظہیر دہلوی کے مرثیوں پر تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ دہلی کے ایسے مرثیہ نگار ہیں جن کو لکھنؤ کے اچھے مرثیہ نگاروں کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ظہیر دہلوی، اہلِ بیتِ اطہار سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت علیؑ سے انھیں بے پناہ عشق تھا۔ انھوں نے حضرت علیؑ کی مدح میں منقبتیں، غزلیں بھی کہی ہیں اور قصیدے بھی، انھوں نے ایک مرثیہ اور متعدد رباعیاں بھی حضرت علیؑ کی مدح میں کہی ہیں۔

رباعیاتِ ظہیر دہلوی:

اردو شاعری میں رباعی کا فروغ مرثیہ گوئی سے وابستہ ہے۔ اردو رباعی مذہبی ماحول میں پروان چڑھی اور شاید مرثیہ گو شعرا نے سب سے زیادہ رباعیاں کہی ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مرثیہ گو، مجلس کا آغاز چند رباعیوں سے کرتا ہے۔ یہ دستور اب بھی قائم ہے۔ ظہیر دہلوی کی رباعیاں ان کے غیر مطبوعہ ''مجموعۂ مراثی'' میں شامل ہیں۔ رباعیوں کی تعداد تقریباً پچاس ہے۔

مندرجۂ ذیل رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رباعیاں مجالس میں پڑھنے کے لئے ہی کہی گئی ہیں۔

دربارِ شہِ دیں میں غلام آتا ہے

خادم پئے تسلیم امام آتا ہے
مجلس میں ظہیرؔ کی ہے آمد آمد
مدّاحِ شہنشاہِ امام آتا ہے

ظہیرؔ دہلوی کی متعدد رباعیاں حضرت علیؑ کی مدح میں ہیں۔ ان رباعیوں سے عشق علیؑ کا والہانہ اظہار ہوتا ہے۔

اعلیٰ کہو جس کو ، اس سے اعلیٰ ہے علیؑ
والائی و برتری میں والا ہے علیؑ
اللہ نے تیغ دی ، نبیؐ نے دختر
بالا دستوں سے دستِ بالا ہے علیؑ

کیا کیا نہ وصیِ مصطفیٰؐ نے بخشا
جو کچھ تھا جہان میں ، مرتضیٰ نے بخشا
لے تحت سے تا بہ فوق مالک ہے علیؑ
بخشا جو علیؑ نے ، وہ خدا نے بخشا

رتبے کو علیؑ کے کب کسی نے جانا
اپنے کو علی نہ جب علیؑ نے جانا
اس رازِ خفی سے کوئی آگاہ نہیں
جانا تو خدا نے اور نبیؐ نے جانا

[illegible] ہے علیؑ مرتضیٰ کا دشمن
دشمن ہے علیؑ کا مصطفیٰؐ کا دشمن
ثابت ہے حدیثِ مخبرِ صادق سے
ہے دشمنِ مصطفیٰؐ ، خدا کا دشمن

Prof. SHARIB RUDAULVI
COLLECTION

ظہیر دہلوی کی مرثیہ نگاری:

ظہیر دہلوی کے مرثیوں کا مجموعہ ۱۹۷۷ء میں دریافت ہوا۔ ۱۹۸۴ء میں راقم الحروف نے ''اردو مرثیہ پاکستان میں'' تالیف کی تھی۔ دہلی کی مرثیہ نگاری کے ذیل میں ظہیر دہلوی کی تصویر صفحہ ۵۴ اور ۶۹ پر ان کے مرثیوں کی تفصیلات اور نمونہ کلام کتاب میں شائع کر دیا تھا۔

اس کے علاوہ علی جواد زیدی صاحب کو اپنی کتاب ''دہلوی مرثیہ گو'' کے لئے ظہیر دہلوی کے مرثیوں کے اقتباسات کی ضرورت تھی، وہ انھیں بھیجے گئے تھے، موصوف نے اپنی کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''ظہیر دہلوی کے مراثی کی تلاش مدتوں جاری رہی۔ پہلے تو لاہور میں ڈاکٹر صفدر حسین کو لکھا جنھوں نے پاکستان میں رثائی ادب کی تحقیق و احیا کے سلسلے میں نمایاں کام کیا تھا، لیکن وہ اللہ کو پیارے ہوگئے اور میں تقریباً مایوس ہوگیا۔ یکا یک لکھنؤ میں جناب ضمیر اختر نقوی سے ملاقات ہوئی، وہ بھی پاکستان میں مرثیوں پر بہت مفید کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ خوش خبری سنائی کہ وہاں اب ظہیر دہلوی کے مرثیوں کا کلیات دستیاب ہوگیا ہے جس میں انیس مرثیے ہیں اور ازراہ کرم انھوں نے چند نمونے بھی بھیجے'' (دہلوی مرثیہ گو، جلد دوم، صفحہ ۲۱۶)۔

ڈاکٹر مختار شمیم صاحب نے ۱۹۸۷ء میں بھوپال یونیورسٹی سے ''ظہیر دہلوی — حیات و فن'' کے موضوع پر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ اپنی کتاب میں اشاعت سے پہلے ظہیر دہلوی کے مرثیوں کا باب لکھنا چاہتے تھے۔ وہ مسلسل ۱۹۹۱ء تک مشفق خواجہ، یونس حسنی اور کرار نوری کو خطوط لکھتے رہے۔ ڈاکٹر مختار شمیم نے مئی، ۱۹۹۱ء کے ''کتاب نما'' دہلی میں ان حضرات سے اپیل بھی شائع کی کہ ضمیر اختر نقوی سے مرثیے لے کر مجھے بھیج دیجیے، لیکن کتنی حیرت کی بات ہے کہ یونس حسنی اور مشفق خواجہ نے مجھ سے ڈاکٹر مختار شمیم کے خطوط کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ کرار نوری تو انتقال فرما گئے، ان دو حضرات نے مجھ سے ذکر نہیں کیا اور ڈاکٹر مختار شمیم کا تحقیقی کام ادھورا رہ گیا۔ اگر مجھے بروقت اطلاع مل جاتی تو انھیں مرثیے بھیج دیے جاتے۔

ڈاکٹر مختار شمیم لکھتے ہیں۔

''یقیناً ظہیر دہلوی کے مرثیوں کی دریافت کا سہرا جناب ضمیر اختر نقوی کے سر ہے اور ارباب

ادب جناب علی جواد زیدی کے ممنون ہیں کہ ان کی وساطت سے ظہیر دہلوی کے مرثیوں کے چند نمونوں سے اردو دنیا روشناس ہوئی''(ظہیر دہلوی، حیات وفن، صفحہ ۳۸۷)۔

ظہیر دہلوی کی مرثیہ نگاری پر یہ مقالہ میں نے ۱۹۷۷ء میں تحریر کیا تھا۔ ان کی ''منقبت نگاری'' پر ایک تفصیلی مقالہ میری کتاب ''شعرائے اردو اور عشق علیؑ'' میں شامل ہے۔ دونوں مقالوں کو یک جا کر کے اب شائع کیا گیا ہے۔

ظہیر دہلوی کی مرثیہ نگاری کا ماحول اور ادبی فضا:

ظہیر دہلوی کے عہد میں دہلی کی مجالس عزا میں مرثیے پڑھے جاتے تھے، غالب فارسی مرثیے پڑھتے تھے۔ ایک مجلس میں غالب نے یہ مرثیہ پڑھا۔

رشک آیدم بہ ابر کہ در حد وسع اوست
بر خاک کربلائے معلیٰ گریستن

''مجھے بادل پر رشک آتا ہے کہ وہ بربنائے وسعت پوری زمین کربلا پر آنسو بہاتا ہے''۔

رفت انچہ رفت بایدم اکنون نگاہداشت
از بہر نور دیدۂ زہراؑ گریستن

''جو کچھ ہوا وہ ہوا، اب مجھ پر لازم ہے کہ جگر گوشۂ فاطمہ زہراؑ پر اشک افشانی کروں''

خود را ندیدزاں لب نوشین بکام خویش
زیبد بشوز نحستی دریا گریستن

''اے نہر فرات! تجھے اپنی اس بدبختی پر رونا چاہئے کہ تیرا پانی لب حسینؑ تک رسائی پانے سے محروم رہا''۔

مرد شفاعت وصلہ صبر و خون بہا
چیزے زکس نخواستہ الا گریستن

''حسین مظلوم نے اپنے خوں بہا، اپنے صبر اور یوم محشر شفاعت امت کے عوض کسی سے کچھ طلب نہ کیا، ہاں طلب کیا تو صرف یہ کہ میری بے کسی و مظلومی پر لوگ دو آنسو بہالیں''۔

مجلس میں بہت گریہ ہوا۔ یہ دہلی کی یادگار مجلس تھی۔ اسی وقت بارش شروع ہوگئی تو مفتی صدر

الدین آزردہ نے کہا کہ امام حسینؑ پر آسمان بھی آنسو بہا رہا ہے۔

دہلی کی مجلسوں میں میر مہدی مجروح، مرزا قربان بیگ سالک، غلام مولیٰ قلق، نواب زین العابدین، عارف دہلوی اور مرزا یوسف علی خاں عزیز دہلوی بھی تو تصنیف مرثیے و سلام پڑھتے تھے۔ قلعۂ معلیٰ میں بھی مجالسِ عزا منعقد ہوتی تھیں، خود بہادر شاہ ظفر بھی محرم میں مرثیے اور سلام کہہ کر مجالس پڑھتے تھے۔

راجستھان کے شہر الور میں ہندو راجا بھی عزادار تھا، وہاں بھی مجالس میں دہلی اور لکھنؤ کے مرثیہ نگار مجالس پڑھنے آتے تھے۔ ظہیر دہلوی کو دہلی اور الور میں مذہبی ماحول ملا اور ان کے بھائی انور دہلوی دونوں نے مرثیے کہے اور مجالس میں پڑھے۔

جے پور لکھنؤ کے راجا مہاراج رام سنگھ بھی حضرت امام حسینؑ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ خود ظہیر دہلوی جے پور کے محرم کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''محرم کی تعزیہ داری کے واسطے بارہ بیڑے فوج کے تھے۔ ان کو ڈھائی سو روپے تقسیم ہوتے تھے اور خاص تعزیہ داری جو حضور کی ہوتی تھی، اس کا صرف نیاز، نذر علاحدہ تھا اور بیڑے پیچھے پچاس جوان کی نوکری معاف تھی تعزیہ تیاری کے لئے'' (داستان غدر، صفحہ ۲۳۰)

جے پور میں سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کی قدر ہوتی تھی۔ وہاں کے ماحول میں ظہیر دہلوی بیس برس تک رہے اور انھوں نے بھی مرثیہ گوئی و عزاداری میں حصہ لیا۔ رام پور اور بریلی میں ذہین دہلوی جیسے مرثیہ گو سے ان کی دوستی مرثیہ لکھنے میں تحریک پیدا کرتی ہوگی، اس طرح انھیں مرثیہ گوئی کی ادبی فضا ہر جگہ میسر رہی اور انھوں نے عمدہ مرثیے تصنیف کیے۔

ڈاکٹر مختار شمیم لکھتے ہیں۔

''ظہیر دہلوی کو اہل بیت سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ اس کا اظہار جا بجا دیگر اصناف سخن میں بھی ہوا ہے، لیکن مرثیے کا میدان ان کی اس ارادت و عقیدت کے لئے بڑی وسعت رکھتا تھا۔ ظہیر دہلوی کے شاعرانہ مسلک کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ اپنے مذہبی جذبات کو فکر و فن کی آنچ دے کر اردو مرثیے کی نکھری ہوئی شکل میں پیش کر سکیں۔ محض مذہبی جذبات کی آئینہ داری کسی صنف کو ایک مقررہ سطح سے اس وقت تک بلند نہیں ہونے دیتی جب تک کہ اس میں تخلیقیت اور ادبیت کی حسن کاری شامل نہ ہو۔ ظہیر کے پیش نظر اردو مرثیے کی یہی صورت حال تھی۔ یہ تو نہیں کہ وہ انیس و دبیر کی

طرح اردو مرثیے میں کوئی نئی بات پیدا کر رہے تھے یا ان کے مرثیے اردو شاعری میں ایک نوع کی ترقی کا باعث تھے، البتہ انھوں نے اردو مرثیے کے ادبی معیار کو قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ظہیر کے پیش نظر انیس و دبیر کے مراثی تھے اور کسی حد تک ظہیر نے ان کی پیروی کو مقدم سمجھا ہے'' (ظہیر دہلوی ..... حیات وفن، صفحہ ۳۸۸)۔

ظہیر دہلوی کے کلیات میں تقریباً ۲۵ سلام بھی شامل ہیں۔ سلام کے ایک شعر میں انھوں نے اپنی شاعری اور ''حسن بیاں'' کو مداحِ شبیرؑ کا فیض کہا ہے۔

یہ حسن بیاں ہے جو مری طبع رواں میں
مداحِ شبیرؑ کا ہے فیض زباں میں

ظہیر دہلوی کو حضرت رسول اکرمؐ کے دونوں نواسوں سے اتنی محبت ہے کہ ان کے عشق میں فنا ہونا اپنی معراج سمجھتے ہیں۔

ہر دم یہ تمنا ہے ، ظہیرِ جگر فگار!
ہو جاؤں فنا عشقِ حسینؑ و حسنؑ میں

ظہیر دہلوی کے ''کلیات مراثی'' میں ۱۹ مرثیے ہیں جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) یارب! میری زباں ہو روانی میں سلسبیل

(تذکرۂ سرورِ عالم، ۲۴۵ بند، بحرِ مضارع)

۲) دستِ خدا لقب ہے جنابِ امیر کا

(درحالِ حضرت علیؑ، ۹۸ بند، بحرِ مضارع)

۳) ساقی! پلادے ساغرِ صہبائے لالہ فام

(درحالِ حضرت امام حسینؑ، ۵۵ بند، بحرِ مضارع)

۴) اے ذوالفقار دستِ یداللہ! المدد

(روانگی اہلِ حرم از کربلا، ۸۰ بند، بحرِ مضارع)

۵) جب دولتِ کونین سے دل شاد ہوا حرّ

(درحالِ حضرتِ حرّ، ۱۱۱ بند، بحرِ ہزج)

۶) جب درپئے ستم ہوئے یثرب میں اہلِ شر

(رخصتِ امام مدینے سے، ۴۶ بند، بحرِ مضارع)

۷) کیا اخترِ تابندہ ہیں زینب کے جگر بند

(درحالِ حضرتِ عون ومحمد، ۱۴۰ بند، بحرِ ہزج)

۸) ہے رن میں ہزبرِ اسداللہ کی آمد

(درحالِ حضرتِ عباس، ۹۵ بند، بحرِ ہزج)

۹) گلگونہ شفق جو ہوا رونمائے صبح

(درحالِ حضرتِ قاسم، ۹۵ بند، بحرِ مضارع)

۱۰) عباس علی بلبلِ بستانِ وفا ہے

(درحالِ حضرتِ عباس، ۸۷ بند، بحرِ ہزج)

۱۱) خاصانِ خدا مورِدِ آفات وبلا ہیں

(درحالِ حضرتِ علی اکبر، ۱۱۴ بند، بحرِ ہزج)

۱۲) فرزندِ نوجواں کی اجل ہے پدر کی موت

(درحالِ حضرتِ علی اصغر، ۵۵ بند، بحرِ مضارع)

۱۳) پہنچے لبِ فرات جو سلطانِ کربلا

(درحالِ حضرتِ امام حسین، ۸۰ بند، بحرِ مضارع)

۱۴) مطلع نہیں ہے

(روانگی اہلِ حرام از کربلا، ۴۶ بند، بحرِ مضارع)

۱۵) جب ہو چکے شہید امامِ فلک مقام

(حالِ شریں، ۷۰ بند، بحرِ مضارع)

۱۶) آمد ہے اہلِ بیت کی بازارِ شام میں

(روایتِ سفیرِ روم، ۶۷ بند، بحرِ مضارع)

۱۷) کافر کی نگہداشت میں آہوئے حرم ہیں

(ہند کی آمد زنداں میں، ۵۹ بند، بحرِ ہزج)

۱۸) فغاں فغاں! کہ دگرگونہ رنگِ عالم ہے

(درحالِ امامِ حسین، ۷۹ بند، بحرِ مجتث)

۱۹) جب رن میں بوستانِ امامت قلم ہوا

(درحالِ امامِ حسین، ۶۹ بند، بحرِ مضارع)

ظہیر دہلوی نے ۱۰ نعتیں تصنیف کی ہیں جو ان کے مختلف دواوین میں موجود ہیں۔ ان کی نعتوں میں دینی بصیرت اور مذہبی عقیدت کے ساتھ ہی ساتھ حسنِ کلام اور زبان و بیان کی لطافت کا احساس بھی موجود ہے۔ ظہیر دہلوی کا دل مودتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے سرشار تھا۔ انھوں نے ایک مکمل مرثیہ بھی حضرت رسولِ کریم کی مدح میں تصنیف کیا ہے۔ ان کے نعتیہ مرثیے کا نمونہ حسبِ ذیل ہے۔

حقا کہ وجہِ خلق وہ عالی جناب ہے کرسی و عرش و لوح و قلم فیض یاب ہے
آتش ہے یا کہ خاک ہے یا باد و آب ہے مصدر سبھوں کا نورِ رسالت مآب ہے

قطرے ہیں کائنات اسی بحرِ نور کے
جلوے ہیں رنگ رنگ میں اسی شمعِ طور کے

محبوبِ کردگار ہے مقصودِ کن فکاں تو بہترین خلق ہے، تو اشرف الزماں
تو مالکِ رقاب ہے، تو سرورِ جہاں سرتاجِ انبیاء ہے تو، اے شاہِ انس و جاں!

تیرے سبب سے خلق زمین و زماں ہوئے
مہر و سپہر و لوح و قلم سب عیاں ہوئے

اے بحرِ فیض! قبلۂ کونین! السلام اے وجہِ آفرینشِ دارین! السلام
فرماں روائے مسندِ قوسین! السلام جدِ بزرگوارِ امامین! السلام

اے مرحبا! بشوکت و جلالِ مصطفیؐ
صلوات بر محمدؐ و بر آلِ مصطفیؐ

ظہیر دہلوی نے ایک مکمل مرثیہ ۹۸ بند کا حضرت علی کے حالات پر مشتمل تصنیف کیا ہے جس کا مطلع ہے۔

دستِ خدا لقب ہے جنابِ امیرؑ کا

اس مرثیے میں ''واقعۂ غدیر'' کا تفصیلی بیان ہے۔

دستِ خدا لقب ہے جنابِ امیرؑ کا　　گنجینۂ مراد ہے دامن فقیر کا
قبضہ ہے دو جہاں پہ شہِ قلعہ گیر کا　　حقا کہ وہ وصی ہے بشیر و نذیر کا
مقصودِ کن ظہورِ رسالت مآب ہے
مختارِ کائنات علیؑ کی جناب ہے

طاعت خدا کی فرض اطاعت علیؑ کی ہے　　حق العباد کیا ہے؟ محبت علیؑ کی ہے
مردے کو جان دی ہے یہ طاقت علیؑ کی ہے　　قدرت کے کارخانے میں شہرت علیؑ کی ہے
ہم نام کردگار شہِ مشرقین ہے
بندوں کو دوستیِ علیؑ فرضِ عین ہے

سلطانِ مشرقین ہیں مقصودِ کن فکاں　　افضل ہیں کائنات سے پیغمبرِ زماں
مثلِ علی محال ہے لاریب و بے گماں　　ان سا نبی نہیں ہے تو ان سا وصی کہاں!
الفت علیؑ کی، چشمۂ فیضِ نجات ہے
کوثر ہے، سلسبیل ہے، آبِ حیات ہے

فضلِ خدا ہے سایۂ دامانِ مرتضیٰ　　جن و ملک ہیں تابع فرمانِ مرتضیٰ
اور بابِ خلد ہے درِ ایوانِ مرتضیٰ　　بندہ تو کیا، خدا ہے ثنا خوانِ مرتضیٰ
نامِ علیؑ سے زینتِ عرشِ عظیم ہے
ہم نام اسمِ ذاتِ علیؑ علیم ہے

مدح کے بعد غدیر خم کے واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

پھر بازوؤں کو حیدرِ صفدر کے تھام کر　　اتنا کیا بلند کہ سب کی پڑی نظر
زانوئے مصطفیٰؐ پہ کھڑے تھے علیؑ مگر　　گوہر فشاں تھے لعل لب سید البشر
دیکھو اسے کہ قبلۂ ایمان و دین ہے یہ
تھامو اسے کہ رشتۂ حبل المتین ہے یہ

مولا ہے آج سے مولا ہوں جس کا میں　　آقا علیؑ ہے اس کا کہ آقا ہوں جس کا میں
میرا وہ جانثار ہے شیدا ہوں جس کا میں　　حق اس کو جانتا ہے شناسا ہوں جس کا میں

دشمن جو ہیں علیؑ کے ، وہ دشمن نبیؐ کے ہیں
دشمن وہ ہیں خدا کے جو دشمن علیؑ کے ہیں

قرآن کی ایک آیۂ رحمت ہے مرتضٰی شمعِ حریم بزمِ ہدایت ہے مرتضٰی
دنیا میں دینِ حق کی حمایت ہے مرتضٰی نورِ نگاہِ چشمِ طریقت ہے مرتضٰی
رستہ ہے قربِ حق کا اسی بارگاہ سے
گمراہ وہ ہوا جو پھرا خضرِ راہ سے

بعد از مرے نہ ہوگی نبوت ، خدا گواہ! لیکن نہیں علیؑ کی امامت میں اشتباہ
ہاں ! پیروی علیؑ کی ہے تم سب کو سیدھی راہ جو منحرف ہے اس سے ، وہ منکر ہے روسیاہ
مصحف کی جان یہ ہے تو وہ اس کے ساتھ ہے
راہِ نجات مصحفِ ناطق کے ہاتھ ہے

مرثیہ گوئی کے لئے دعا:

ظہیر دہلوی نے ایک مرثیے میں مرثیہ گوئی کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا بھی کی ہے۔ وہ زبان میں فصاحت و بلاغت، بلندیٔ مضامین کے خواہش مند ہیں۔

یارب ! مری زباں ہو روانی میں سلسبیل بحرِ سخن رواں ہو مرا مثلِ رودِ نیل
بندش کے وقت ہوں مرے مشکل کشا کفیل مضمون نہ پست اور نہ الفاظ ہوں ثقیل
نازک خیالیوں میں بلاغت کھپاؤں میں
پھر زباں سے بحرِ فصاحت بہاؤں میں

ہر شعر اوج میں ہو نہ کچھ آسماں سے کم ہر مصرع بلند نہ ہو کہکشاں سے کم
تیزی میں تیغِ برق ہو میری زباں سے کم ہو نظمِ آسماں مری نظمِ بیاں سے کم
ہر بند مرثیے کا مرے لاجواب ہو
ہر صفحہ ماہتاب ، ورق آفتاب ہو

ظہیر دہلوی کے مرثیوں کی فضا لکھنوی مرثیے کی فضا ہے۔ مرثیہ لکھنؤ میں پھولا پھلا اور لکھنؤ سے حیدرآباد دکن، رام پور، عظیم آباد، امروہہ، مظفر نگر، اصغر آباد، شمس آباد اور راجستھان میں الور، جے

پور، بھرت پور، دھولپور، پھیر سرا اور آگرے پہنچا۔ اس میں لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت اور لکھنؤ کی زبان کا گہرا اثر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جذبے کی ہمہ گیری اور انسانی احساس کی آفاقیت بھی ہے۔ میر انیس نے مرثیے میں جو اصول وضوابط برتے ہیں، وہی مرثیے کی جان ہیں۔ جن شعرا نے ان اصولوں کی پاس داری کی، انھوں نے گویا مرثیہ گوئی کا حق ادا کیا۔ میر انیس نے اپنے مرثیوں میں غزل گوئی کو بھی جگہ دی۔ منظر نگاری بھی کی۔ واقعات کو اس طرح بیان کیا گویا تصویر دیکھ رہے ہوں، قدرتی مناظر کی بہار کو دکھایا۔

صبح کا منظر:

ظہیر دہلوی کے مرثیوں میں مرقع نگاری کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ انھوں نے واقعے کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ صبح کی آمد اور گرمی کا بیان ان کے مرثیوں کو لکھنؤ کی مرثیے سے قریب تر لے آتا ہے۔ کربلا میں صبح عاشور کا طلوع ہونا ایک اہم منظر ہے، کیونکہ یہ محض ایک صبح نہیں تھی بلکہ یہ صبح صبح نجات امت رسول اللہ تھی، یہ صبح صبح شہادت وحدانیت خدا تھی، یہ صبح صبح عبادت و تسبیح وتہلیل تھی۔ جیسی حمد وثنائے رب اس صبح کو ہوئی، ویسا اخلاص پھر کبھی دیکھنے میں نہ آیا یہی وجہ ہے کہ امام و رفقائے امام کے ساتھ فطرت کی ہر فرد محو مناجات و حمد تھی۔ ظہیر دہلوی نے اس صبح کا منظر یوں کھینچا ہے۔

گلگونۂ شفق جو ہوا رونمائے صبح   نوشاہِ روزگار نے پہنی قبائے صبح
گردونِ لاجورد پہ پھیلی ضیائے صبح   تاباں ہوا تجلی نور بقائے صبح
ہر شخص محو صنعت رب خلق ہوا
والشمس والضحیٰ کا جہاں میں سبق ہوا

پہنچا جو اختتام کو دور زمان شب   محمل کش غروب ہوا کاروان شب
الٹی سحر نے گیسوئے عنبر فشان شب   اٹھے خیام گاہ سے تسبیح خوان شب
لیلائے شب بہ حجلۂ مغرب نہاں ہوئی
سلمائے روز پردۂ شب سے عیاں ہوئی

وہ نور کا ظہور وہ گل رنگی سحر   وہ جھلملوں کواکب و سیماب گوں قمر

وہ زرد زرد چہرۂ مہتاب سر بسر   کچھ کچھ وہ اختروں کی جھپکتی ہوئی نظر
تھا خواب چشم عابد شب زندہ دار میں
تھی چشم نیم باز کواکب خمار میں

چھپنا وہ ماہتاب کا ، وہ صبح کا ظہور   کچھ کچھ وہ تیرگی سی ، وہ کچھ کچھ ضیائے نور
کھنچنا فلک پہ خطِ شعاعی کا دور دور   وہ شورِ نالہ ہائے جرس نغمۂ طیور
پڑتی ہوئیں وہ چہرۂ انجم پہ جھائیاں
سیمائے ماہتاب پہ اڑتی ہوائیاں

وہ صبح تھی کہ قدرت حق تھی ظہور پر   پیہم فلک سے نور کی بارش تھی نور پر
ترجیح نخل کو تھی نخلِ طور پر   حق حق کے زمزمے تھے زبان طیور پر
ممنون خاص و عام تھے لطف عمیم کے
نغمے تھے لب پہ حمد خدائے کریم کے

طلوع آفتاب:

نکلا جو قصرِ لعل سے خاور کا تاج دار   گل رنگیٔ شفق سے ہوا دشت لالہ زار
وہ صبح کی نمود ، وہ تاروں کا انتشار   وہ دشت سبز سبز ، وہ صحرا ، وہ جوئبار
قطرے تھے برگ گل پہ عجب آب و تاب کے
گویا چھلک رہے تھے کٹورے گلاب کے

آمد صبح:

خوش خوش نسیم صبح کا چلنا وہ سرد سرد   وہ پھولنا شفق کا تہ چرخ لاجورد
وہ صبح کا سماں ، وہ گل یاسمین و ورد   وہ شورِ رستخیز ، وہ ہنگامۂ نبرد
غرفے کھلے تھے جنت عنبر شمیم کے
ڈوبے ہوئے تھے عطر میں جھونکے نسیم کے

وہ نہر علقمہ کا کنارا ، وہ سبزہ زار   شادابیٔ نسیم ، وہ سردیٔ جوئبار
وہ نکہت صبا ، گلِ خود رو کی وہ بہار   دریا کی آب و تاب ، وہ موجوں کا انتشار

نکہت ہوائے دشت میں صحن چمن کی تھی
بو باس میں نسیم کے خوشبو دلھن کی تھی

گرمی کی شدت:

القصہ ہوئی رن میں حرارت جو نمودار — جنگل میں پدیدار ہوئے حشر کے آثار
تپتا تھا فلک اور زمیں تھی کرۂ نار — وہ دھوپ، وہ لو اور بگولے وہ شرر بار
گرتے تھے پرند اوج سے جل جل کے زمیں پر
اڑ اڑ کے شرر جاتے تھے افلاک بریں پر

پر مارنے کی، آہ! پرندوں کو نہ تھی تاب — شدت سے تمازت کی چرندے ہوئے بے تاب
اور ہانپتے تھے جا کے درندے بلب آب — بے تاب جو اک موج بھی تھی صورت سیماب
مرغان ہوا سائے میں پر ڈالے ہوئے تھے
اور دھوپ کی شدت سے ہرن کالے ہوئے تھے

وہ قہر کی گرمی، وہ عطش آب کا وہ کال — تھا خیمۂ شبیرؑ میں پیاسوں کا عجب حال
مچھلی کی طرح خاک پہ تھے لوٹتے اطفال — مرجھائے ہوئے غنچہ صفت پھول سے وہ گال
خیمے میں کئی بار سکینہ کو غش آیا
اور ساتھ ہی سلطان مدینہ کو غش آیا

علم کی تعریف:

مرثیہ نگاری میں علم کا ذکر ایک جزو لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے۔ کربلا میں لشکر امام حسینؑ کا علم حق وصداقت کا علم تھا، فوج خدا کا علم تھا، لہذا مرثیہ نگاروں کے یہاں اکثر مناظر میں علم نظر آتا ہے۔ ظہیر دہلوی نے بھی امام حسینؑ کے لشکر کے علم کی تعریف میں کہا۔

اللہ رے! شان علم سید والا — ہم پنجۂ خورشید ہے سر پنجہ علم کا
پر تو سے پھریرے کے بیاباں ہے سنہرا — پرچم ہے علم کا کہ شعاع ید بیضا
ہے ثبت کہ وہ مہر پر انوار یہی ہے
یعنی علم احمدؐ مختار یہی ہے

حضرتِ عباسؑ کی رخصت:

فرمایا شہِ دیں نے کہ "کیا کہتے ہو؟ بھائی! بھائی کے لئے موت ہے بھائی کی جدائی
ڈر تھا مجھے جس کا، وہی درپیش اب آئی تحریرِ مقدر نہیں جاتی ہے مٹائی
سمجھے تھے ہمیں گور و کفن دو گے، برادر!
معلوم ہوا پہلے جدا ہو گے، برادر!

بس جاؤ، کیا خالقِ اکبر کے حوالے شبیرؑ کو تم کر چلے خنجر کے حوالے
کیا خوب کیا داغِ برادر کے حوالے اب سر ہے مرا دشمنِ خود سر کے حوالے
افسوس! کہ بھائی نہ بھتیجا، نہ پسر ہو
دو لاکھ ستم گار ہوں اور ایک بشر ہو

لو جا کے ذرا اپنی سکینہ سے تو مل آؤ جاتے ہو جو کوثر کو تو مشکیزہ بھی لے جاؤ
کوثر کی سند ساقیِ کوثر کو تو دکھلاؤ ہم صبح سے روتے ہیں، ہمیں اور نہ رلواؤ
افسوس! کہ اس وقت میں منھ موڑ چلے تم
بھائی کی بڑے وقت کمر توڑ چلے تم

ساقی نامہ:

میر انیس اور مرزا دبیر کبھی کبھی مرثیوں میں چند بند "ساقی نامہ" کے بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ میر نفیس نے پہلی مرتبہ مرثیوں میں "ساقی نامہ" کے بندوں کی تعداد بڑھا دی، مشیر لکھنوی، پیارے صاحب رشید، میر عارف نے اس میں جدتیں پیدا کیں۔ پیارے صاحب رشید کے مرثیوں کا وصف ہی "ساقی نامہ" قرار پا گیا۔ ظہیر دہلوی کے عہد میں "ساقی نامہ" مرثیے کا اہم جزو سمجھا جانے لگا تھا، اس لئے انھوں نے غزل آمیز لہجے سے فائدہ اٹھا کر مرثیوں میں "ساقی نامہ" بھی شامل کیا۔ ظاہر ہے "ساقی نامہ" سے مرثیے میں تنوع پیدا ہوا۔

ساقی! پلا دے جام شرابِ طہور کا آیا زمانہ عشرت و عیش و سرور کا
پہنچا ہے وقت نورِ خدا کے ظہور کا مژدہ ہے مے کشوں کے لئے وصلِ حور کا
وہ مے پلا کہ جو نہ کسی پہ حرام ہو

زہادِ خشک مغز کی حرمت تمام ہو

وہ مے پلا کہ مفتی و قاضی کہیں حلال وہ مے پلا کہ زاہد و صوفی کے آئے حال
وہ مے پلا کہ شرع میں جائز ہے بے سوال وہ مے پلا کہ آبِ بقا جس کا ہے زلال
ہو دور جام ساقی کوثر کے ہاتھ سے
مل جائے ہاتھ شافع محشر کے ہاتھ سے

کوثر کی لہر لہر ہو موج شراب میں سو آفتاب ہوں قدحِ آفتاب میں
ہو نورِ معرفت دلِ خانہ خراب میں پیری میں وہ سرور ہو جیسے شباب میں
پی جاؤں جام مے لبِ ساغر کو چوم کر
ساقی کے پاؤں تھام لوں میں جھوم جھوم کر

کربلا کے مجاہدوں کی عظمت:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام حسینؑ کے رشتے دار و اصحاب و انصار کے دلوں میں امام حسینؑ کی محبت رچ بس گئی تھی۔ اس کی مثال تاریخ نہیں دے سکتی جس کا مظاہرہ میدان کربلا میں ہوا۔ ان کی وفا اور شجاعت کا چرچا دنیا میں یادگار ہے۔

ظہیر دہلوی نے مجاہدوں کی عظمت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ دو بند دیکھیے۔

اک ایک حق پرست و خداداں و حق شعار شیر و دلیر و صفدر و نامی و نام دار
مہر و مہر طلعت و بے مثل روزگار گل بوے و گل قبا و گل اندام و گل عذار
تقریر میں وہ لطف کہ گوش آشنا نہیں
باتوں میں وہ مزا کہ شکر میں مزا نہیں

اللہ رے! حسن و شان جوانانِ ہاشمی پروانہ جن کے حسن کا تھا حسن یوسفی
تھے ان میں انتخاب حسینی و حیدری رخشندہ ہر جبیں سے جمالِ محمدی
لختِ دلِ نبیؐ و علیؑ و بتولؑ تھے
جو پھول تھے، وہ گلشنِ زہراؑ کے پھول تھے

حضرت حرؑ کا کردار:

حضرت حرؑ جو امام حسینؑ کو کربلا میں گھیر کر لائے تھے وہ ہراول فوج حسینی بن گئے، دوزخ میں جاتے جاتے جنت کا راستہ اختیار کیا۔ حرؑ کا کردار معرکۂ کربلا میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی طرح ظہیرؔ دہلوی نے بھی حضرت حرؑ کے کردار کو نمایاں کرنے اور پیش کرنے میں فن شاعری کا کمال دکھایا ہے۔

جب دولت کونین سے دل شاد ہوا حرؑ　　اور کفر کی تقلید سے آزاد ہوا حرؑ
کیا مورد افضال خدا داد ہوا حرؑ　　جویائے حق و طالب ارشاد ہوا حرؑ
فردوس ملا راہ میں، نکلا تھا سقر کو
پہنچا ہے کہاں بھول کے، جاتا تھا کدھر کو

خضر رہ ایماں نے رہ راست دکھائی　　اور طالع مسعود نے کی راہ نمائی
توفیق سعادت نے کمر چست بندھائی　　جب روشنی شمع ہدایت نظر آئی
رستہ نہ ملا وادی حرماں کی طرف کو
ہر پھر کے پھرا قبلۂ ایماں کی طرف کو

کیا راہ ثواب آئی نظر کوئی خطا سے　　بھولا رہ بت خانہ، ملا جا کے خدا سے
پہنچا ہے کہاں یاوری بخت رسا سے　　جنت میں گیا جادۂ تسلیم و رضا سے
اک پر تو رحمت سے ہوا نار سے نوری
قربت ہوئی اسلام سے اور کفر سے دوری

آقا کی غلامی سے جو ممتاز ہوا حرؑ　　واللہ! دو عالم میں سرفراز ہوا حرؑ
آنکھیں جو کھلیں، دیدہ ور راز ہوا حرؑ　　خود اپنی خطا پر نظر انداز ہوا حرؑ
مقبول حق و مورد اکرام ہوا وہ
اور پیش رو لشکر اسلام ہوا وہ

حضرت عونؑ و محمدؑ کی مدح:

مرثیوں میں حضرت عونؑ و محمدؑ کے کردار کم سن مجاہدوں کے کردار ہیں کہ روز عاشور چھوٹے چھوٹے بچوں میں دین حق پر قربان ہونے کا عظیم جذبہ موجود تھا۔ ظہیرؔ دہلوی نے حضرت عونؑ و محمدؑ

کے حال کا مرثیہ نہایت شان دار لکھا ہے۔ جیرے کے چند بند حضرت عونؑ و محمدؑ کی مدح میں مندرجہ ذیل ہیں۔

کیا اختر تابندہ ہیں زینبؑ کے جگر بند — اللہ نے بخشے ہیں عجب نور کے فرزند
دانا ہیں، اولوالعزم ہیں، گل رو ہیں، خردمند — خوشنود ہے زہراؑ، اسد اللہ ہیں خورسند
اللہ کی قدرت ہے نمودار انھیں سے
اور حسنؑ کی ہے گرمیٔ بازار انھیں سے

نورِ نظرِ جعفرِ طیار ہیں دو چاند — لختِ جگرِ حیدرِ کرار ہیں دو چاند
اور زینبِؑ ناشاد کے دلدار ہیں دو چاند — یہ چاند نہیں، مہرِ پر انوار ہیں دو چاند
افلاکِ شرافت پہ مہِ برجِ شرف ہیں
بحرِ حسبِ نجابت کے یہی درِ نجف ہیں

دو مہرِ پر انوار کی تنویر ہیں دونو — قالب ہیں جدا، ایک ہی تصویر ہیں دونو
صاحبِ علم و صاحبِ شمشیر ہیں دونو — کیا نام خدا، صاحبِ توقیر ہیں دونو
ساونت ہیں، غازی ہیں، بہادر ہیں، جری ہیں
یہ جعفرِ طیار کے نورِ نظری ہیں

دو ماہ ہیں یا مہرِ پر انوار ہیں دونو — خوش قامت و خوش رو خوش اطوار ہیں دونو
غازی ہیں، نمازی ہیں، وفادار ہیں دونو — عابد ہیں، خدا دوست ہیں، ابرار ہیں دونو
حامد ہیں، مصلی ہیں، سعید ازلی ہیں
پروانۂ فرزندِ حسینؑ ابن علیؑ ہیں

حضرت عونؑ و محمدؑ جب میدان جنگ کی اجازت لے کر ماں سے رخصت ہوتے ہیں تو حضرت زینبؑ نے جن تیوروں سے انھیں رخصت کیا ہے، وہ محبت و شجاعت اور خاندانی وقار کے جذبات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ظہیر دہلوی نے "حضرت زینبؑ کی گفتگو اپنے بیٹوں سے" مرثیے کی مخصوص زبان میں نظم کی ہے۔

آئے ہو جواں ہونے کو تم، ہاں مرے شیرو! — اس اٹھتی جوانی کے میں قرباں مرے شیرو!

صدقے گئی ان شیروں پہ اماں ، مرے شیرو! ہاں ! آج نکالو مرے ارماں ، مرے شیرو!
بڑھ بڑھ کے ذرا ہاتھ تو شمشیر کے پھینکو
اژدر کی طرح فوج کی صف چیر کے پھینکو

گھوڑوں کی پھرت پھیر کے اس آن دکھاؤ ہاں صاحب ! دلدل کی ذرا شان دکھاؤ
ان ہاتھوں کے جوہر تو ، مری جان ! دکھاؤ اور توڑ کماؤں کے میں قربان ، دکھاؤ
زیروں سے ہوا کرتے ہیں سب شیر ہمیشہ
شیروں سے ہوا کرتے ہیں سب زیر ہمیشہ

اکبر کی غلامی کا شرف تم کو ملا ہے عباس نے برسوں تمہیں تعلیم کیا ہے
کس دن کیلئے تیروں کو کاندھوں پہ رکھا ہے تم جنگ کے کرتب جو دکھاؤ تو بجا ہے
سب حرب میں اور ضرب میں مشاق ہو ، بیٹا!
جراروں میں تم شہرۂ آفاق ہو ، بیٹا!

سب خوش ہوں کہ آواز یہ ہر سمت سے آئے نانا کے چلن آج نواسوں نے دکھائے
چن چن کے نموداروں کے جو رنگ اڑائے اور فوج مخالف کے علم چھین کے لائے
کیا خوب لڑے جعفر طیار کے پوتے
وہ آئے علم لے کے علمدار کے پوتے

حضرت عباسؑ کی مدح:

مرثیوں میں انسانی جوہر جن صفات سے عبارت ہے، ان میں ایک صفت شجاعت بھی ہے۔ شجاعت مرثیہ نگاروں کا خاص موضوع ہے۔ خاص طور سے حضرت عباسؑ کے مرثیوں کا آغاز ان کی شجاعت و دلیری کے ذکر سے ہوتا ہے۔ ظہیر دہلوی نے دو مرثیے حضرت عباسؑ کی مدح میں تصنیف کیے ہیں۔

عباسؑ علی جلیں بستان وفا ہے مہر شوکت و انوار و ضیا ہے
آئینۂ فضل و ہنر و صدق و صفا ہے سر چشمۂ جود و کرم لطف و سخا ہے
فرزند یداللہ ہے ، بازو ہے اخی کا

اور دستِ زبردست حسینؑ ابنِ علیؑ کا

عباسؑ علیؑ فخرِ شجاعانِ سلف ہے
لشکر کی ضیا، فوج کی شورن کا شرف ہے
شیرِ اسد اللہ ہے، فرزندِ خلف ہے
واللہ کہ وہ بحرِ کرم، درِ نجف ہے
یہ دستِ زبردست شہِ عقدہ کشا ہے
اس ہاتھ سے جو کام ہو، وہ کارِ خدا ہے

حضرتِ علی اکبرؑ کی مدح:

مرثیے کا اہم جزو کسی شہید کی میدانِ جنگ میں آمد ہے۔ ظہیر دہلوی نے حضرت علی اکبرؑ کا حال بہت اہتمام سے لکھا ہے۔ حضرت علی اکبرؑ ہم شبیہ مصطفیٰؐ ہیں۔ آپ کی شکل و صورت، رفتار، گفتار، حسن و جمال کی تصویر ظہیر دہلوی اس طرح پیش کرتے ہیں۔

چہرہ جو دمکتا ہے تو جنگل ہے درخشاں
کہتا ہے کوئی مہر تو کوئی مہِ کنعاں
گیسو جو کھلے ہیں تو مہکتا ہے بیاباں
کیا حسن مجسم ہے زہے قدرتِ یزداں
پڑھتے ہیں درود اہلِ فلک عرشِ بریں پر
غل صلِ علیٰ صلِ علیٰ کا ہے زمیں پر

یہ حسنِ حسیں نورِ محمدؐ کی ضیا ہے
آئینۂ رخ آئینۂ مہر نما ہے
اس پیکرِ نوری میں عجب حسن صفا ہے
سر تا بقدم طلعتِ محبوبِ خدا ہے
اس ماہِ دل افروز کی تنویر کو دیکھو!
حضرت کو نہ دیکھا ہو تو تصویر کو دیکھو!

اس روئے درخشندہ پہ صدقے کے سو بدر
اور گیسوئے شب رنگ پہ قرباں ہے شبِ قدر
گردش سے نگاہوں کی زمانے میں پڑے غدر
مژگاں کے تصور سے مشبک ہوں دل و صدر
اعجاز نما چشم کی بیمار ہے نرگس
رحمت کے کرشموں کی طلب گار ہے نرگس

حضرت علی اکبرؑ کے گھوڑے کی تعریف:

ظہیر دہلوی نے میر انیس اور مرزا دبیر کی تقلید میں گھوڑے کی تیز رفتاری اور چھل بل کا ذکر خاص طور سے کیا ہے حضرت علی اکبر کے گھوڑے عقاب کی تعریف وہ اس طرح نظم کرتے ہیں۔

بجلی ہے، چھلاوہ ہے، نسیم سحری ہے　　آہو ہے اچھل کود میں، شوخی میں پری ہے
ہے شیر کہیں اور کہیں کبک دری ہے　　ہے صاعقہ سرعت میں کہ نور نظری ہے
یہ رخش سبک تاز صبا ہے کہ ہما ہے
مہمیز کی لگ جائے ہوا بھی تو ہوا ہے

ماتا وہ کنوتی کا چنور، دم کا اٹھانا　　آنکھوں کا ابلنا، وہ دہانے کا چبانا
اور جھوم کے چلنا، وہ کلائی کا پھرانا　　کنڈی میں وہ تھنی کا وہ سینہ ملانا
اللہ رے! حسن فرس اکبر غازی
صدقے کیے اس رخش پہ سب ترکی و تازی

یوں اڑ کے وہ شب دیز جہندہ گیا رن سے　　جس طرح براق نبوی چرخ کہن سے
آوارہ ہوئی نکہت گل جیسے چمن سے　　یا طائر جاں اڑ گئے کفار کے تن سے
دھرتی پہ جھکا اور کبھی اوج پہ پہنچا
بادل کی طرح اڑ کے سر فوج پہ پہنچا

حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف:

حمایت حق میں بلند ہونے والی تلواروں کی تعریف میں اس کی شرر باری، چم خم، کاٹ، باڑھ کا ذکر مرثیہ نگاروں کا پسندیدہ موضوع ہے۔ ظہیر دہلوی نے حضرت علی کی تلوار ذوالفقار کے ساتھ حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف بھی بہت اچھی نظم کی ہے۔

ناگن تھی تڑپتی ہوئی جس مار سے نکلی　　اک برق غضب پہلوئے رہوار سے نکلی
مانند مہ نو کے شب تار سے نکلی　　اور روح ادھر قالب اشرار سے نکلی
نکلی جو یہ ناگن تو جگر کاٹتی نکلی
اعدائے پیمبر کا لہو چاٹتی نکلی

چن چن کے ہر اک موذی و بدذات کو کاٹا　　دس بیس کو کاٹا، کہیں چھ سات کو کاٹا

سب کفر و ضلالت کے نباتات کو کاٹا جب کام و زباں کاٹ چکی ، بات کو کاٹا
مسمار خطا کے خس و خاشاک کیے سب
رستے رہِ اسلام کے کیا پاک کیے سب

بے جاں کہیں رہوار تھے ، بیدم کہیں اسوار پیدل کہیں اسوار تھے ، خالی کہیں رہوار
تیغ اسداللہ سے کم اس کے نہ تھے وار دادا کی وہ تلوار تھی ، پوتے کی یہ تلوار
برش تھی نئی ، چال نئی ، ناز نیا تھا
ہر وار میں اک ناز کا انداز نیا تھا

شہادت اور بین:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ، جس کا ہر پہلو ہر صاحب دل کو ایک لمحہ فکر یہ دیتا ہے، دراصل حق وصداقت کے حضور میں یہ ایک ایسی قربانی تھی جس کے آگے وقت نے ہمیشہ سر تسلیم خم کیا ہے۔ اردو مرثیہ اسی حق وصداقت کی قربانی ومعرکہ کا ایک نقش ہے۔ شہادت مرثیے کا خاص جزو ہے جس میں مرثیہ گو شاعر کربلا کے مجاہدوں کی شہادت دکھاتا ہے۔شہادت کے بعد بین کا حصہ آتا ہے۔ مرثیے کے ان دونوں اجزا پر ناقص علم رکھنے والے ناقدین نے اعتراض کیے ہیں، لیکن انھیں اپنے مطالعے میں وسعت پیدا کرنا چاہیے کہ عرب کلچر کے مطابق مرثیوں میں یہ حصے حقیقی عرب کی تاریخ پیش کرتے ہیں جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کی شہادت پر ان کی بہن صفیہ نے بھائی کی لاش پر بین کیے تھے اور حضرت رسول اکرمؐ نے اس فعل کو احسن قرار دیا تھا۔خود حضرت رسول اکرمؐ حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفر طیار کی شہادت کی خبر سن کر آنسوؤں سے روئے تھے،حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؓ کی وفات پر بھی رسول اللہؐ نے سوگ رکھا تھا۔ جب حضرت رسول اکرمؐ کی وفات ہوئی تو حضرت فاطمہ زہراؑ نے آپ کی میت پر بین کیے، فریاد کی ، مرثیے کہے اور روتے روتے بے ہوش ہو گئیں۔ کربلا میں جوان فرزند حضرت علی اکبرؑ کی شہادت ماں ، باپ اور پھوپھی کے لئے مصائب کا ایک پہاڑ اور قیامت خیز تھی۔ امام حسینؑ نے بیٹے کی لاش پر روتے ہوئے کہا تھا بیٹا! اب تمہارے بعد اس دنیا پر خاک ہے"۔ پھر فرمایا:"میرے لال! آنکھوں کی روشنی تم لے گئے، مجھے اب نظر نہیں آتا"۔ یہ جملے تاریخ اور مقاتل میں موجود ہیں۔ظہیر دہلوی نے بھی لکھنوی مرثیہ نگاروں کی

یہ خون جسم سید لولاک ہے یہ خون
اور خون جسم پنجتن پاک ہے یہ خون"

حواشی:

۱) جگن ناتھ فیض نے "تذکرۂ گلزار سخن" میں مرثیت نواب مرزائی دہلوی بتائی ہے۔

۲) ظہیر دہلوی بہت اچھے خوش نویس تھے۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا مطلا و مرصع کلام پاک اور مرثیوں کی جلد میں نے دیکھی ہے جو کراچی میں ظہیر کے پرپوتے کے پاس ہے۔ یہ دونوں کتابیں خوش نویسی کے بہترین نمونے ہیں۔

۳) انور دہلوی، ظہیر دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے، ذوق کے شاگرد تھے۔ ۳۸ سال کی عمر میں بمقام جے پور انتقال ہوا۔ غزل، قصیدہ اور مرثیہ خوب کہتے تھے۔

۴) آغا ذہین مرثیہ گو میر ضمیر کے شاگرد تھے۔ ذہین نے تقریباً ۱۰۰ سے مرثیے تصنیف کیے وہ مرثیہ پڑھنے کے لئے دہلی لکھنؤ اور رام پور بھی بلوائے جاتے تھے۔ ان کے ۵۰ مرثیے میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ متعدد مرثیے کتب خانہ محمود آباد، رضا لائبریری رام پور کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ذہین کے بہت سے مرثیے نیر لکھنوی مرحوم کے پاس بھی تھے۔ تفصیلات میری کتاب "تاریخ مرثیہ نگاری" میں دیکھیے۔

آغا ذہینؔ کی مرثیہ گوئی

اور سلام نگاری

نام غلام حیدر تھا لیکن آغا ذہین کے نام سے مشہور تھے۔ ذہین کا ذکر کسی کتاب یا تذکرے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ ظہیر دہلوی کی کتاب "داستان غدر" میں چند سطریں ان سے متعلق ملتی ہیں۔ ظہیر دہلوی جب دہلی کی تباہی کے بعد وہاں سے مراد آباد ہوتے ہوئے بریلی پہنچے تو بریلی میں ایک دوست مرثیہ گو کے مکان پر قیام کیا۔ اس مہمان نواز نے وہ خاطر مدارات کی کہ بیان سے باہر ہے۔ ظہیر دہلوی چند روز بریلی میں آغا ذہین کے مکان پر رہے۔ ۱

نیر مسعود نے ماہ نامہ "فروغ" محرم نمبر میں ذہین کے ایک غیر مطبوعہ مرثیے سے چند بند شائع کرائے تھے۔ مرثیے پر ان کا یہ بیان درج تھا کہ "ذہین لکھنؤ کے قدیم مرثیہ گو شاعر تھے اور ان کے بہت سے مرثیے اب بھی ذخیرۂ مراثی میں موجود ہیں"۔ مظفر حسین رضوی نے ذہین کا مختصر سا تذکرہ کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ذہین ایک مرثیہ گو ہیں۔ نام معلوم نہ ہو سکا۔ رضا لائبریری رام پور میں مرثیہ موجود ہے۔ "جب ساجد نے ناموس امیر آتے ہیں"۔ ذہین کے مرثیے کا انداز روایتی ہے۔ بیان میں روانی، تسلسل اور کلام میں درد ہے۔ ۲"

مجھے جو مرثیے ذہین کے دستیاب ہوئے ان پر آغا ذہین لکھا ہوا ہے۔ یہ تمام مرثیے مجھے اعجاز عباس مرحوم سے ملے جو ان کے دادا تصدق عباس مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ تصدق عباس مرحوم بہادر شاہ ظفر کے یہاں قلعہ شاہی میں مرثیے کی مجالس پڑھا کرتے تھے۔ ذہین کے یہ مرثیے دہلی میں لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک مرثیہ آغا ذہین کے ہاتھ کا لکھا ہوا

ہے جس پر ۱۲۴۷ھ ۲۲ ربیع الثانی روز سہ شنبہ کی تاریخ درج ہے۔ اعجاز عباس مرحوم نے ایک مرثیہ آغا مؤمن کا مجھے دیا اور بتایا یہ آغا ذہین کے بھائی تھے۔ اسی زمانے میں عاکف سہارنپوری مرحوم نے اپنے دادا زاہد سہارنپوری (شاگرد امیر مینائی) کا ایک قلمی تذکرہ مرثیہ نگاروں کا مجھے عنایت کیا جس میں آغا ذہین کے تفصیلی حالات موجود تھے اور آغا ذہین کے مرثیوں اور سلاموں کی قلمی جلد بھی عنایت کی جس میں آغا ذہین کے بارہ مرثیے اور پانچ سلام موجود ہیں۔ عاکف مرحوم چاہتے تھے کہ میں ذہین پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کروں اور ان کے مرثیے شائع کر دیے جائیں۔ میں نے مضمون لکھا لیکن زاہد سہارنپوری کے بیانات میں جگہ جگہ جھول نظر آیا خصوصاً ذہین کے خاندان اور آباؤ اجداد کا تذکرہ قابل یقین نہیں ہے۔

علی جواد زیدی صاحب کی کتاب "دہلوی مرثیہ گو" میں آغا ذہین کے جو حالات درج ہیں وہ میں نے زاہد سہارنپوری کے قلمی تذکرے سے لکھ کر انہیں بھیج دیئے تھے۔ مگر میں جب آغا ذہین کے حالات میں نے لکھنے شروع کئے تو زاہد سہارنپوری کے بہت سے بیانات مجھے غیر مستند نظر آئے۔ فی الحال اس قلمی تذکرے کے علاوہ آغا ذہین کے حالات زندگی سے تعارف کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اس لئے انہیں حالات و واقعات کا تحقیقی تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

آغا ذہین کی ولادت :

اودھ کے وزیر اعظم معتمد الدولہ آغا میر اکتوبر ۱۸۳۱ء میں عہدہ وزارت سے معزول ہوئے اور لکھنؤ سے کانپور چلے گئے۔ یہ نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کا عہد تھا۔ آغا ذہین نے اسی عہد میں لکھنؤ کو خیرباد کہا۔۔۔۔۔۔ زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں۔۔۔۔ "آغا ذہین کی عمر اس وقت کوئی بیس برس کی ہوگی"۔۔۔۔ اس حساب سے آغا ذہین کی ولادت ۱۸۱۱ء قرار پاتی ہے۔

آغا ذہین کی وفات :

زاہد سہارنپوری نے آغا ذہین کے حالات زندگی ۱۹۱۰ء میں تحریر کئے ہیں۔ لکھتے ہیں: "تخمیناً ۳۵ سال انتقال کے ہوئے"۔ اس حساب سے آغا ذہین کی وفات کا سن ۱۸۷۵ء قرار پاتا ہے۔ تقریباً ۶۴ برس کی عمر پائی۔

آغا ذہین کے آباؤاجداد اور خاندان :

زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں : آغا ذہین، میرزا خانی کے بیٹے تھے جو دلی میں کوتوال تھے، جن کی طرف شاہ نصیر مرحوم نے اشارہ کیا ہے۔

نصیر الدین بے چارہ تو رستہ طوس کا لیتا
نہ ہوتے شحنۂ دہلی اگر یاں میرزا خانی

زاہد سہارنپوری دوسری جگہ یہ لکھتے ہیں کہ : "آغا ذہین کے بھائی آغا تمین اب تک رامپور میں ہیں"۔

زاہد سہارنپوری کے بیان میں یہاں سے تضاد شروع ہو گیا۔ دہلی کے میرزا جو کوتوال شہر تھے ان کا لکھنؤ میں قیام ثابت نہیں ہے، جبکہ زاہد سہارنپوری آغاز حالات زندگی میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ : "آغا ذہین لکھنؤ کے رہنے والے، آغا میر (معتمد الدولہ) کے رفیقوں میں تھے"۔ زاہد سہارنپوری کے بیان میں پھر تضاد پیدا ہو جاتا ہے لکھتے ہیں، آغا ذہین نے "میں نے تو پرورش اور تربیت دلی میں پائی"۔ دراصل زاہد سہارنپوری "میرزا خانی" کے خطاب یا عرفیت سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے، "آب حیات" میں انھیں میرزا خانی کا تذکرہ ہے، زاہد سہارنپوری نے انھیں کو آغا ذہین کا باپ تسلیم کر لیا۔

دراصل لکھنؤ میں نوازش حسین عرف میرزا خانی تک زاہد سہارنپوری کی نظر نہیں گئی، میرزا خانی نوازش کی خاندانی عرفیت "آغا صاحب" بھی تھی وہ کہتے ہیں

آغا نہ نوازش کو نوازش سے کہیں آپ
یہ ہے لقب بندہ تم آغا نہ سمجھنا

انھیں میرزا خانی کے بھتیجے آغا تمین تھے، امیر مینائی لکھتے ہیں :

تمین تخلص، میرزا معین الدین حیدر نام ابن میرزا تاج الدین حیدر، پچاس برس کی عمر ہے، متوطن لکھنؤ ہیں یہاں (رامپور) سرکار دولت مدار کے وظیفہ خواری سے سرفراز ہیں، اپنے چچا میرزا کلب حسین خاں عرف میرزا خانی نوازش کے شاگردوں میں ممتاز ہیں"۔[۳]

امیر مینائی سے یہاں سہو ہوا ہے انھوں نے دو شخصیتوں کو ملا دیا۔

(۱) میرزا کلب حسین خاں، (۲) میرزا خانی نوازش حسین خاں، "یہ دونوں بھائی ہیں"

سعادت خاں ناصر لکھتے ہیں: "الطاف کلب حسین خاں، شاعر بے تکلف، سخن اس کا صاف صاف، کلب حسین خاں تخلص الطاف، برادر خورد اور شاگرد بزرگ مرزا خانی نوازش"۔ یہ تین بھائی ہوئے۔

(۱) میرزا خانی آغا نوازش حسین خاں نوازش،

(۲) میرزا کلب حسین خاں الطاف،

(۳) میرزا تاج الدین حیدر۔

آغا ذہین، میرزا خانی آغا نوازش حسین خاں نوازش کے فرزند ہیں اور آغا غمین میرزا کلب حسین خاں الطاف کے فرزند ہیں، اس طرح آغا ذہین اور آغا غمین سگے چچازاد بھائی ہوئے۔

نوازش حسین خاں نوازش عرف عام میں مرزا خانی مشہور تھے۔ ان کے والد حسین علی خاں تھے اور دادا نواب ناصر خاں صوبہ دار کابل و پشاور و غزنی تھے۔ قوم مغل، نوازش اکبر آباد میں پیدا ہوئے، لکھنؤ میں نشو نما پائی۔

مصحفی نے لکھا ہے: "نوازش، جواں سال، مہذب الاخلاق، خوددین اور خوش ارتباط تھے سترہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا، میر سوز کا تتبع کرتے تھے اور اپنے کو ان کا شاگرد سمجھتے تھے۔ دو دیوان تصنیف کئے۔" (ریاض الفصحا) رجب علی بیگ سرور نے لکھا ہے "نوازش، قبلہ و کعبہ، خرد آگاہ و دانش آموز، یادگار جناب میر سوز، (متوفی ۱۲۱۳ھ) عرفی عصر، سعدی زماں اور رشک انوری (فسانہ عجائب)۔ سعادت خاں ناصر نے لکھا ہے: خدیو ملک سخن دانی، نوازش حسین خاں عرف مرزا خانی متخلص با تحمل، خلف الصدق حسین علی خاں ابن نواب ناصر خاں صوبہ دار کابل، تخلص نوازش شاعری کو اس پر نازش، شاگرد بلکہ قائم مقام میر سوز، بعد ان کی ملاقات سے کاسے کاسب بہر واندوز، اوابندی کا اختتام، نزاکت شعر خوانی ان پر تمام، اس سے مقر خاص و عام خود فرماتے تھے کہ میں نے ایک دن شیخ ناسخ سے اپنے باب میں پوچھا کہ آیا میں کیسا ہوں؟ شیخ صاحب نے کہا، میں قسم کھاتا ہوں اس پر کہ معاملات کے شعر جیسے تم کہتے ہو دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ ایک دن مولف سے کہنے لگے کہ ایک خدمت گار کہ ذرا صورت دار ہو نوکر رکھوا دو، میں نے گستاخانہ کہا کہ غرور اپنی صورت کا اسے کار و بار سے باز رکھے گا۔ حضرت ملامت کے دوستوں کے واسطے حقہ اپنے ہاتھ سے بھرنا پڑے گا۔ فرمایا یہ قبول ہے، صورت

روح فتوح ہوگا، چند روز سے بہ سبب خرید کرنے دیہات نیلام کے کانپور میں تشریف رکھتے ہیں، گاہے گاہے لکھنؤ میں بھی آجاتے ہیں، (خوش معرکہ زیبا)۔

میرزا خانی نوازش ۱۱۹۲ھ، مطابق ۱۷۷۸ء کے لگ بھگ متولد ہوئے اور ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں وفات پائی۔ تقریباً ۷۸ برس حیات رہے۔ نوازش پر اب تک تحقیقی کام نہیں ہوا، میری معلومات کی حد تک ان پر کوئی تحقیقی مضمون بھی نہیں لکھا گیا، حال ہی میں ان کے دیوان کا ایک ناقص نسخہ پٹنے سے شائع ہوا ہے۔ مشہور مرثیہ گو میاں دلگیر انہیں نوازش کے شاگرد تھے۔

یہی میرزا خانی نوازش جو (آغا صاحب) بھی کہے جاتے تھے، آغا ذہین کے والد ہیں۔

زاہد سہارنپوری نے لکھا ہے: "آغا ذہین مغل تھے" میرزا خانی نوازش کیلئے مصحفی نے "ریاض الفصحا" میں "قوم مغل" لکھا ہے۔ آغا ذہین مشہور مرثیہ گو دلگیر کے شاگرد تھے۔ زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں "آغا ذہین نے چھنو لال میاں دلگیر سے اصلاح لی"۔ مصحفی نے "ریاض الفصحا" میں "ذہین شاعر کو دلگیر کا شاگرد بتایا ہے جو مرثیہ اور سلام کہتا ہے عمر ۱۹ برس کی ہے"۔

مصحفی نے اسی جملے میں ذہین کو "قوم کا کھتری" لکھ دیا ہے، یہ غلطی مصحفی سے دلگیر کی قومیت کی وجہ سے ہوئی کہ وہ کھتری تھے، استاد کے ساتھ شاگرد کو بھی کھتری لکھ دیا۔ مصحفی نے ذہین کی غزل کے تین شعر درج کئے ہیں۔

زاہد سہارنپوری کے بیان کے مطابق ذہین نے تیس برس کی عمر میں لکھنؤ چھوڑ دیا، اس حساب سے کل چار برس ذہین دلگیر کے شاگرد رہے۔ نواب شمس آباد کے "دفتر مراثی" میں لکھا ہے کہ ذہین مرثیہ گو بریلی کے رہنے والے تھے اور میر ضمیر کے شاگرد ہیں۔

وزیر اعظم اودھ معتمد الدولہ آغا میر سے آغا ذہین کی دوستی:

زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں "آغا ذہین، غلام حیدر نام، لکھنؤ کے رہنے والے، آغا میر کے بے تکلف دوستوں میں تھے۔ آغا میر ایک طالب علم تھا جو اکثر اوقات حازم علی خاں گل فروش کی دکان پر بیٹھا رہتا تھا، چند احباب تھے جن کے آغا ذہین بھی تھے۔ نشست و برخاست رہتی تھی ایک روز آپس میں مآل کا تذکرہ ہوا سب نے اپنا اپنا حال دریافت کرنا شروع کیا، آغا میر نے اپنا حال اختتام کیا اس سے قسم جھیک کر کہا کہ اگر تم وزیر ہو جاؤ تم مجھے کیا انعام دو، آغا میر نے

چھوٹی سی ریاست دینے کا وعدہ کیا اس نے فوراً ایک کاغذ پر لکھوا لیا اب یہ سب ان کے یاران جلسہ حیران تھے اتفاق ایسا ہوا غازی الدین حیدر کے چلم بھرنے پر آغا میر نوکر ہو گئے انھوں نے حقہ بھر کر جو پیش کیا تو حقہ نے دھواں نہ دیا، غازی الدین حیدر نے پوچھا کہ حقہ دھواں کیوں نہیں دیتا آغا میر نے پاؤں پر گر کر عرض کیا کہ غلام سید ہے، ہاتھوں کو آگ لگ کر بجھ جاتی ہے، غازی الدین حیدر نے ہاتھ پکڑ کر برابر مسند پر کھینچ لیا اور مصاحب خاص مقرر کیا جب غازی الدین حیدر تخت نشین ہوئے تو آغا میر کو عہدہ وزارت سپرد کیا، انھوں نے اس رمال کو طلب کیا اور حسب وعدہ اس کو جائداد معقول دی، پھر اپنے پرانے دوست عازم علی خاں کو بلوایا جب ان کے پاس حکم پہنچا بے چارے کانپتے لرزتے پہنچے کہ دیکھئے کیا ہو، شاید اس زمانے کی بے تکلفی کا عوض لے لیکن جب دربار میں داخل ہوئے تو آغا میر تعظیم دالی کھڑے ہوئے اور پاس برابر میں بٹھا لیا اس کے بعد آغا زین کو بلوایا، اسی طرح ان کے استقبال کو اٹھے اور بغل گیر ہوئے پھر وہی یاران جلسہ موجود اور لطیفہ دل لگی چھیڑ چھاڑ شروع، جب محمد علی شاہ کا زمانہ آیا (زاہد سہارنپوری سے سہو ہوا ہے آغا میر نصیر الدین حیدر کے عہد میں معزول کئے گئے تھے) تو کسی قصور پر آغا میر سے عہدہ وزارت لے لیا گیا، اس وقت کانپور میں چلے آئے اور وہیں قیام کیا اور دوست رفیق آشنا سب پھر گئے۔ آغا زین نے جب حالت دیکھی وہ بھی بے چارے غمگین ہوئے لیکن کیا کریں اس روز سے ان کا تکمہ کھلا رہتا تھا تادم مرگ یہی کہا کئے کہ میاں وہ زمانہ ہی نہیں اب جو ہمارا تکمہ بند ہو"۔

زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں: "جب آغا موصوف لکھنؤ سے آرہے تھے فرخ آباد میں مشرف علی خاں کے مکان پر جو لکھنؤ کے رہنے والے تھے لیکن مدت سے یہاں سکونت دار تھے ٹھہرے، حاجی اکبر علی صاحب بھی اس زمانے میں وہیں تھے چونکہ مشرف علی خاں سے اتحاد تھا تو ان کی بھی وہیں نشست تھی آغا زین کی عمر اس وقت کوئی تیس برس ہوگی"۔

معتمد الدولہ آغا میر اکتوبر ۱۸۳۱ء میں معزول ہو کر کانپور چلے گئے یہ نصیر الدین حیدر بادشاہ کا عہد تھا ایک سال کے بعد ۷ مئی ۱۸۳۲ء کو آغا میر کا انتقال ہو گیا، قیاساً انھوں نے ساٹھ برس سے زائد عمر پائی ہوگی۔

او آغا زین اس وقت صرف تیس برس کے تھے، زاہد سہارنپوری کے بیانات میں تضادات بے انتہا ہیں، ساٹھ برس اور تیس برس کے دو دوست کیسے ہو سکتے ہیں پھر زاہد

سہارنپوری یہ بھی لکھتے ہیں۔ "آغا میر کا اور ان کا ایک عرصہ دراز سے مدت دراز تک ساتھ رہا اور اس میں کچھ شک نہیں آغا ذہین نے بیس برس کی عمر میں لکھنؤ چھوڑ دیا، ایک سال بعد معتمد الدولہ آغا میر نے انتقال کیا پھر دونوں کا ساتھ عرصہ دراز سے مدت دراز تک کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ معتمد الدولہ آغا میر کے عہد میں دلگیر، مرزا فصیح اور خلیق کی مرثیہ گوئی بام عروج پر تھی۔ یہ شعرا اپنے مرثیوں کے مقطعوں میں معتمد الدولہ آغا میر کے لئے خصوصی دعائیں مانگتے تھے۔

دلگیر کہتے ہیں

اب یہ دلگیر دعا کر تو بدرگاہ الہ
معتمد الدولہ بہادر رہے باعزت و جاہ

مرزا فصیح کہتے ہیں

دعائے معتمد الدولہ مجھ پہ واجب ہے
کہ میرا محسن و راحت رساں و صاحب ہے

میر خلیق کہتے ہیں

یعنی اے خالق جن و ملک و ارض و سما
شاد رکھ معتمد الدولہ کو دنیا میں سدا

آغا ذہین کے پچاس سے زائد مرثیے ہمارے کتب خانہ میں محفوظ ہیں کسی مرثیے میں معتمد الدولہ کے لئے دعا ہے اور نہ کسی قسم کا تذکرہ یہ دوستی عجیب تھی۔ زاہد سہارنپوری نے آغا ذہین کے حالات زندگی اپنے والد سے سنے تھے، "تذکرہ مرثیہ گویان" لکھتے وقت واقعات کی ترتیب ان کے حافظے میں محفوظ نہ رہ سکی ہوگی۔ معتمد الدولہ سے آغا ذہین کی دوستی ناقابل یقین ہے۔ آغا ذہین کے والد میرزا خانی کی دوستی قرین قیاس ہے۔ لیکن اس سلسلے میں زاہد سہارنپوری نے اشارہ تک نہیں کیا۔

آغا ذہین کی وضع قطع :

زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں : "تمباکو کھاتے تھے، منبر پر بیٹھے ہوئے ایک چٹکی بھر کر منہ میں ڈال لی اور پڑھنے لگے"۔ "جانور پالنے کا بہت شوق تھا اکثر جانور پلے رہتے تھے، جب وہ بازار میں جاتے تھے تو [illegible] سے ادھر ادھر [illegible] رہتے تھے"۔ "نماز بھی کبھی

کے قریبوں میں ہیں، حاجی اکبر علی صاحب بھی اس زمانہ میں وہیں تھے، چونکہ مشرف علی خاں سے اتحاد تھا تو ان کی بھی وہیں نشست تھی، آغا ذہین کی عمر اس وقت کوئی بیس برس کی ہوگی ایک روز مجلس جو ہوئی تو مشرف علی خاں نے کہا کہ صاحبزادے مجھے لکھنؤ چھوڑے ہوئے عرصہ ہوا، محاورات بھی شاید بھول گیا ہوں گا میں آج اپنا ایک مرثیہ پڑھوں گا تم سنتے رہنا جہاں خلاف محاورہ کوئی لفظ ہو ٹوک دینا جب مجلس شروع ہو گئی تو مشرف علی خاں نے اپنا نیا تصنیف کیا ہوا مرثیہ۔ "جب ختم ہوئی آل محمدؐ سے لڑائی" پڑھ چکے تو کہا بھائی کہیں تم نے مجھ کو ٹوکا نہیں، آغا صاحب نے فرمایا کہ کیا ٹوکتا یہ پرانا کسی استاد کا مرثیہ ہے میں نے بیسیوں دفعہ دیکھا ہے اور مجھے یاد بھی ہے یہ کہہ کر کل مرثیہ فرفر پڑھ کر سنا دیا اب وہ بے چارے حیران کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے میں نے ابھی تصنیف کیا ہے اور ان کو کس طرح یاد ہے آخر کہا کہ بھائی میں نے تو آج تک یہ مرثیہ دیکھا تک نہیں اور اپنا ہی سمجھ کر پڑھا اور پھر اگر کسی اور کا ہے تو میں پھاڑ ڈالوں گا مگر دل میں تردد کہ کل مرثیے کا توارد بھی نہیں ہو سکتا اسی فکر میں غلطاں پیچاں گھر آئے کھانا دانا سب بھول گئے جب آغا صاحب نے ان کی یہ کیفیت دیکھی کہ سرنگوں ایک طرف خاموش عالم سکوت میں ہیں تو ہنس پڑے اور کہا کہ صاحب آپ فکر کیوں کرتے ہیں آپ نے خوب مرثیہ لکھا ہے اور آپ ہی کا ہے میں نے خدا کی قسم یاد کر لیا تھا اس وقت ان کو گونہ اطمینان ہوا اور حاجی صاحب نے کہا کہ بھائی یہ لڑکا بلا کا ذہین ہے اور غضب کا حافظہ ہے خدا اس کی عمر دراز کرے سچ تو یہ ہے ہم اکھیا گئی ہے یہ" زاہد سہارنپوری نے مشرف علی خاں کی شخصیت پر مکمل روشنی نہیں ڈالی کہ یہ کون بزرگ مرثیہ گو ہیں۔

مشرف علی خاں لکھنؤ کے رہنے والے تھے، لکھنؤ سے دہلی چلے گئے تھے، مہدی علی خاں ذکی کے رشتہ دار تھے، مرثیہ گوئی میں مشہور تھے، بعض مرثیے ان کے اب تک مقبول ہیں اور پڑھے جاتے ہیں، ہمارے کتب خانے میں ان کے تیرہ مرثیے موجود ہیں۔

۱	جب بی بی کے چھٹے نوجواں سے گھر میں امام آئے	۳۷ بند	متقارب مقبوض اثلم شانزدہ رکنی
۲	جس گھڑی تہ پہ خیمے شہ والا کے ہوئے	۲۵ بند	رمل
۳	جب ختم ہوئی آل پیمبر سے لڑائی ر	۱۵ بند	ہزج
۴	جب بعد حسن صاحب قدرت ہوئے شبیر	۴۰ بند	ہزج

۵	جب پشت زیں سے مالک روئے زمیں گرا	۳۶ بند	مضارع
۶	جس وقت سر زیں سے جدا ہو گئے عباس	۴۶ بند	ہزج
۷	چاک جب تیغ شہادت کا گریباں ہوا	۴۳ بند	رمل
۸	خیمہ شاہ میں ہے رخصت عباس کی دھوم	۵۵ بند	رمل
۹	راوی لکھتا ہے بہت جلد کٹی قتل کی رات	۵۱ بند	رمل
۱۰	صغرا کو جدائی ہوئی جب سبط نبی سے	۵۷ بند	ہزج
۱۱	نماز شب کو اٹھے جب حسین قتل کی رات	۴۵ بند	مجتث
۱۲	قتل جب ہو گئے سب یاور و انصار امام	۴۳ بند	مجتث
۱۳	کوفے میں ورود حرم شیر خدا ہے	۴۷ بند	ہزج

آغا ذہین کی مقبولیت اور مرثیہ خوانی :

آغا ذہین کو لکھنؤ میں شہرت حاصل نہیں ہو سکی، لکھنؤ سے نکلے تو دہلی، سہارنپور، مرادآباد، فرخ آباد، شمس آباد میں قیام کیا اور آخر میں بریلی کو مستقر بنایا۔

سہارنپور کے قیام میں آغا ذہین اور زاہد سہارنپوری کے والد میں قریبی مراسم ہو گئے تھے، زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں۔

"والد ماجد ذکر کیا کرتے تھے جب یہ سہارنپور آئے تو میرے پاس اکثر آیا کرتے تھے ایک روز میں عشق کا یہ سلام

خبر مداح کی اے بادشاہ کربلا لینا
تم اپنے عشق کو نار جہنم سے بچا لینا

دیکھ رہا تھا انہوں نے مجھ سے وہ کاغذ لے لیا اور پڑھ کر ایک شعر پر صاد کر دیا اور کہا بہت اچھا لکھتا ہے شعر تو سب اچھے ہیں مگر یہ شعر خوب لکھا ہے

پسروں سے کہا صغرا نے بابا لے نہیں جاتے
تمہیں اپنی سواری میں نہیں کیوں بٹھا لینا

زاہد سہارنپوری نے ایک اور واقعہ سہارنپور کی ایک مجلس کا لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آغا ذہین عرصے تک سہارنپور میں رہے، وہ لکھتے ہیں : "ایک لکھنؤ کے صاحب

(دھر بروزن حر، بہ معنی ہمیشہ سے، دور سے، مہذب لکھنوی نے لکھا ہے لفظ "دھر" غیر فصیح رائج ہے)۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسی آغا صاحب کی زبان تھی پڑھنا بھی ویسا ہی تھا۔ بالکل یہ معلوم ہوتا تھا گویا باتیں کر رہے ہیں۔ احتیاط کہ اگر مطلب پورے دو مصرعوں میں ختم ہوتا تھا تو وہیں چپ رہتے تھے دیر کے بعد شعر تمام کرتے تھے۔

دہلی، غالب اور آغا ذہین :

زاہد سہارنپوری نے آغا ذہین کو لکھنو کا باشندہ لکھنے کے باوجود انہیں دہلوی ثابت کیا ہے۔ آغا ذہین کے مرثیوں اور سلاموں میں دلکش، فصیح اور خلیق کا رنگ ہے مرزا دبیر سے بھی وہ متاثر ہوئے ہیں لیکن زاہد سہارنپوری نے آغا ذہین کا یہ بیان تحریر کیا ہے۔

"آغا صاحب سے لوگوں نے ایک مرتبہ کہا کہ آپ کی زبان تو لکھنو کی نہیں معلوم ہوتی، آپ نے فرمایا کہ میں کب کہتا ہوں کہ میری زبان لکھنو کی ہے میں نے تو پرورش اور تربیت دلی میں پائی"۔ زاہد سہارنپوری نے آغا ذہین کو دہلوی شاعر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دہلی میں ان کے قیام اور دہلی کے واقعات کے سلسلے میں کچھ نہیں لکھا، ایک واقعہ مرزا غالب سے متعلق تحریر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آغا ذہین نے کچھ عرصے دہلی میں بھی قیام کیا، زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں

"ایک مرتبہ کا ذکر ہے میرزا خانی صاحب کے یہاں کسی تقریب میں کچھ لوگ جمع تھے خدا جانے محفل رقص تھی یا شاید مجلس عزا، اسی محفل میں مرزا غالب مرحوم بھی تھے۔ آغا ذہین منتظم و مہتمم تھے، ان کی وضع تو کچھ ایسی لچر سی تھی ہی بڑے بڑے پائچے مرہٹہ تھے انتظام میں پھر رہے تھے۔ مرزا غالب سے ضبط نہ ہو سکا جب یہ بار بار ان کے آگے نکلے انہوں نے کہا کہ میاں یہ نائی کا لون پانی مر بار تا ادھر ادھر پھر رہا ہے کچھ جانتے نہیں تھے، لوگوں نے کہا بابا مرزا صاحب یہ آغا ذہین ہیں مرزا خانی صاحب کے صاحبزادے ۔

میر مونس اور آغا ذہین :

میر مونس کے سوانح نگار مثلاً شاد عظیم آبادی اور عشرت لکھنوی وغیرہ کسی نے بھی میر مونس کے دہلی جانے کا ذکر نہیں کیا۔ زاہد سہارنپوری نے اپنے والد اور دادا کی

یادداشتوں سے حالات آغا ذہین قلمبند کئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ میر مونس بریلی آئے تھے اور وہاں آغا ذہین نے ان سے ملاقات کی تھی وہ لکھتے ہیں۔ "میر نواب مونس لکھنوی سے بریلی میں ملے تو کہا کہ بعضی دیر کو تو خدا جانے کیا ہوا کہ قدما کی زبان سے نفرت ہو گئی مگر تم ہرگز نہ چھوڑنا میں دیکھتا ہوں تمہارے بھائی انیس اور تمہاری زبان میں کچھ فرق ہے"۔

بریلی میں قیام اور آغا ذہین کی شادی :

زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں نوشتہ (۱۹۱۰ء) : "آغا ذہین مغل تھے، لکھنؤ سے بریلی آئے تو شیخ محمد احسن صاحب رئیس بریلی نے جو نہایت مہمان نواز اور شائق مجلس وذاکرین تھے اور تین سو روپے ماہوار کی آمدنی رکھتے تھے آغا ذہین کو ٹھہرالیا اور پھر کہیں جانے نہ دیا۔ قصبہ سنبھل میں مبارک علی کوئی شخص تھے ان کے یہاں کی ایک لڑکی سے شادی ہو گئی ان بیوی سے آغا ذہین کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جو اب تک بریلی میں موجود ہے جس کی شادی محمد افضل سے ہوئی۔ آغا ذہین کے بھائی آغا حسن اب تک رامپور میں ہیں"۔

بریلی میں آغا ذہین کے مکانات :

زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں ۔ "آغا ذہین مختلف مکانات میں رہے پہلے رحمت حسین خاں مہوہ کا مکان چند سال رہن لے لیا تھا عرصہ تک وہاں رہے، آخر میں شیخی ٹولہ میں خود مکان خرید لیا اصف علی خاں مہوہ کے یہاں رہے جو بالعلان شیعہ ہو گئے تھے، آغا ذہین نے وہیں انتقال کیا، تخمیناً ۳۵ سال انتقال کے ہوئے"۔ (نوشتہ ۱۹۱۰ء) گویا ۱۸۷۵ء میں انتقال ہوا۔

بریلی اور مراد آباد کی مجلسوں میں آغا ذہین کی مرثیہ خوانی :

زاہد سہارنپوری لکھتے ہیں ۔ "بریلی میں امان علی خاں رجب علی خاں رئیسان بریلی مہوہ کے یہاں مجالس ہوتی تھیں اور معمولی دھوم سے اٹھتی تھی جب آغا ذہین لکھنؤ سے آئے تو انہوں نے پڑھا تو گرویدہ ہو گئے، بانی اور مروج تحت اللفظ خوانی کے آغا ہوئے"۔ (نوشتہ ۱۹۱۰ء)

آغا ذہین کا ایک مرثیہ ہمارے کتب خانہ میں حضرت قاسمؑ کے حال کا موجود ہے جس پر تاریخ اور سن درج ہے، مرثیہ آغا ذہین کی تحریر میں ہے۔ "بست وچہارم ربیع الثانی

۱۲۷۷ھ روز سہ شنبہ وقت شب بپاس خاطر رجب علی خاں صاحب، مرثیے کا مطلع ہے۔

چرخ پر صبح کا تارا جو نمودار ہوا

۷ محرم کو مہندی کی مجلس پابندی سے پڑھنے کی وجہ سے آغا ذہین کے مرثیے حضرت قاسم کے حال میں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

زاہد سہارنپوری نے بریلی کی ایک اور مجلس کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ اس مجلس میں مرزا دبیر کے شاگرد جو حق بشیر لکھنؤ سے مرثیہ پڑھنے آتے تھے، "شیخ محمد جعفر صاحب برادر شیخ محمد احسن کے یہاں لکھنؤ سے ایک ذاکر بشیر تخلص آئے اور دعویٰ کیا کہ جس کو پڑھنا ہو مجھ سے پہلے پڑھ جائے میرے بعد کسی کا رنگ نہیں جمے گا اور خوب پڑھا بعد ازاں آغا ذہین منبر پر جا بیٹھے اور مجلس کو تہ وبالا کر دیا ایسے بند پڑھے کہ لوگوں نے سر ٹکرائے اور کئی دن تک ہر شخص کی زبان پر مجلس کا چرچا رہا"۔

زاہد سہارنپوری نے مراد آباد کی ایک مجلس کا ذکر بھی کیا ہے، لکھتے ہیں

"مراد آباد میں مرزا [illegible] بیگ صاحب کے یہاں بلائے گئے دو ذاکر لکھنؤ سے اور آگے آغا ذہین انہیں پسند آئے ان کو تو بانی مجلس نے کچھ نہ دیا آغا ذہین کو تین سو روپے دیئے۔ آغا ذہین نے ذاکرین مذکور کو دے دیئے کہ ان کو کیوں محروم کیا جاتا ہے مجھ کو ضرورت نہیں میں تو آزاد منش ہوں اس پر چار سو روپے ان کو بھی دیئے گئے"۔

آغا ذہین کی قبر:

"بریلی میں صندل خاں کے روضے کے قریب ایک تکیہ ہے آغا ذہین اسی میں دفن ہیں"۔ میر افضل حسن صاحب مرحوم اصل سنبھل کے تھے مدت سے بریلی میں رہنے لگے تھے وہ ان کے شاگرد ہوئے اور اسی رنگ میں پڑھتے تھے آغا ذہین کا ذخیرہ مراثی صدہا کا ہے"۔

آغا ذہین کے مرثیے:

آغا ذہین نے سو سے زیادہ مرثیے تصنیف کیے۔ ان کے پچاس سے زیادہ مرثیے میرے کتب خانے میں موجود ہیں اور تقریباً یہ تمام مرثیے غیر مطبوعہ ہیں۔ متعدد مرثیے رضا لائبریری رامپور، کتب خانہ محمود آباد، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی محفوظ ہیں۔

۸ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء درج ہے مہاراج کمار مرحوم نے یہ مرثیہ مجھے دکھایا تھا لیکن یہ بھی بیانیہ مرثیہ ہے، رزم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ مرثیہ شہزادی کونین بنت رسولؐ کی مدح میں ہے، مرثیے میں مرزا دبیر کا رنگ نمایاں ہے۔ کربلا کے شہیدوں پر آغا ذہین نے جو مرثیے تصنیف کئے ہیں ان میں آمد، جنگ، سراپا کے موضوع پر ایک یا دو بند سے زیادہ نہیں ہوتے رخصت اور شہادت پر زیادہ بند ہوتے ہیں۔

حضرت حر کی آمد

کیا تیار صف جنگ کو عباسؑ نے یاں — اپنے گھوڑے کو ادھر حر نے کیا گرم عناں
دی صدا ہاتف غیبی نے زہے عزت و شاں — اس کے مشتاق زیارت ہیں تمام اہل جناں

جانب گلشن فردوس بہادر آیا
صف نہ تیار ہوئی تھی کہ ادھر حر آیا

کر چکے صف کو جو تیار شہنشاہ حجاز — پھر یہ فرمایا کہ ہاں ہووے لڑائی آغاز
حر نے کی عرض کہ اے سرور دیں بندہ نواز — مجھ کو ہونے دو شہادت کے شرف سے ممتاز

الغرض پہلے ہراول ہوا لڑ کر ٹکڑے
باری باری ہوئے پھر اور دلاور ٹکڑے

حضرت حر امام حسینؑ کی خدمت میں

عرض کی حر نے بندھے ہاتھ نہ کیوں کر آتا — میں گنہگار تھا شاہا ترا مہمان نہ تھا
شہ نے فرمایا کہ ان باتوں کا اب ذکر نہ لا — اپنے گھر آیا گھر آنے میں ندامت ہے کیا

دل سے ہے صاف نہیں تجھ سے مکدر شبیرؑ
جانتا ہے تجھے بھائی کے برابر شبیرؑ

کر چکے حر پہ جو الطاف شہنشاہ مبیں — عرض کی حر نے جو آقا کی ہے ملک اے شہ دیں
اس میں حصہ ہے غلاموں کا شہا یا کہ نہیں — کہا سرور نے بہ جز کوثر و فردوس بریں

اور کیا ہے کہ نہیں جس میں تری شرکت ہے
حوض کوثر ہے ترا رہنے کو گھر جنت ہے

حضرت حر کے حال کے مرثیے میر انیس اور میر مونس نے جو رمل میں ایسے لکھ دیئے کہ تاریخ مرثیہ نگاری میں ایک مثال بن گئے۔ اس عہد کے نوجوان مرثیہ نگار ہوں یا کہن

رسیدہ بزرگ مرثیہ نگار انھوں نے میر انیس کی تقلید یا پیروی میں پہلے تو حضرت حر کے کردار کو تاریخ کربلا سے نہیں بلکہ "مرثیہ انیس" سے پہچانا اور جب مرثیہ لکھا تو کوشش یہی کی کہ بحر رمل میں حر کا حال لکھا جائے، بہت احتیاط کے باوجود آغا ذہین میر انیس کی لفظیات، تراکیب اور محاورات سے نہ بچ سکے چند اشعار سے اندازہ ہوگا کہ اس عہد میں میر انیس کے اثر سے بچنا محال تھا۔

میر انیس کہتے ہیں:

دولت دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب — بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتف غیب

بڑھ کے فرماتے تھے عباس زہے ہمت و جاہ — بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ

آغا ذہین کہتے ہیں:

مجھ کو واللہ چلی آتی ہے جنت کی ہوا — بارک اللہ کی نسیم مجھے آتی ہے صدا

میر انیس کہتے ہیں:

جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے — میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

آغا ذہین کہتے ہیں:

شاہ فرماتے تھے اب آتا ہے مہمان مرا — عاشق زار مرا تابع فرمان مرا

میر انیس کہتے ہیں:

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہیں — لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

آغا ذہین کہتے ہیں:

جاتا ہوں لینے کو دل میرا کھنچا جاتا ہے — میرا عاشق مرا مہمان چلا آتا ہے

میر انیس کہتے ہیں:

غضب اللہ کا شبیر کی ناراضی ہے — پنجتن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

آغا ذہین کہتے ہیں:

راضی جب وہ تو خدا راضی نبیؐ راضی ہے — فاطمہؑ راضی حسنؑ راضی علیؑ راضی ہے

میر انیس کہتے ہیں:

حر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ — دوڑ کر چوم لئے پائے شہ عرش سریر

شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر　　میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضا مند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو

مجھ کو عباس دلاور کے برابر ہے تو

آغاز ہین کہتے ہیں:

چلے مہمان کے لینے کو شہ بر دوسرا　　دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ہاتھوں کو باندھے ہے کھڑا

شاہ نے چاہا کہ لے چھاتی سے اس کو لپٹا　　قدم شاہ پہ حر آتے ہی اک بار گرا

پاؤں پر سے سر حر رو کے اٹھایا شہؑ نے

اپنے مہمان کو چھاتی سے لگایا شہؑ نے

اردو مرثیے میں زعفر جن کا موضوع:

قرآن میں بہتر واں سورہ ''سورۂ جن'' اور حدیثوں میں جنات کا ذکر، جنات کے وجود کو مستحکم بناتا ہے، عربی مرثیوں میں وہ مرثیے بھی مقاتل میں موجود ہیں جو جنوں نے واقعات کربلا پر شام اور کوفے کے راستوں میں پڑھے ہیں، فارسی مرثیے میں اور قدیم اردو مرثیے میں فرشتوں کے ساتھ ساتھ جنوں کا ذکر بھی ملتا ہے، ''زعفر جن'' کی روایت غالباً سب سے پہلے دلگیر اور مرزا فصیح نے متعارف کروائی، مرزا فصیح کی ملاقات جنوں سے ہوتی رہتی تھی سال میں دو مرتبہ وہ مکے سے لکھنو اور لکھنو سے مکے کا سفر کرتے تھے، کبھی کبھی وہ لکھنو سے ایران اور ترکی کے راستے یورپ سے ہو کر واپس عرب آیا کرتے تھے، صحراؤں اور جنگلوں میں عجیب و غریب واقعات مرزا فصیح کے مشاہدات میں آئے ہیں جو انہوں نے مرثیوں میں نظم کر دیئے ہیں، دلگیر کے مرثیوں میں دو مرثیے ''زعفر جن'' کے حالات پر مشتمل ہیں۔

نصرت ہوئی جب بادشہ جن و بشر کی۔　　بند ۱۶۶۔ جلد چہارم

بند راہ خط و پیغام اگر ہوتی ہے۔　　بند ۴۵۔ جلد دوم

مرزا دبیر نے ''زعفر جن'' کے واقعات پر سات مرثیے تصنیف کئے ہیں، خصوصاً یہ مرثیہ ان کا بہت مشہور ہے:

تسبیح امامت جو گری خاک شفا پر　　بند ۱۹۴۔ جلد سیزدھم دفتر ماتم

میر انیس نے تین مرثیے "زعفر جن" کے حال میں تصنیف کیے، خصوصاً یہ مرثیہ لاجواب ہے:

جب باغ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں۔ بند ۱۲۰۔ جلد چہارم

میر عشق کے مرثیے میں زعفر جن کی روایت کا نیا اسلوب مقبولیت کا سبب بن گیا:

عروج اے مرے پروردگار دے مجھ کو

میر عشق کی شہرت کا سبب آج بھی یہی مرثیہ ہے جو "زعفر جن" کے واقعات کی تفصیلات سے آگاہی کراتا ہے، بعد میں میر نفیس اور مرزا دبیر کے شاگرد رضا مدراسی نے بھی زعفر کے حال کے مرثیے لکھے، لیکن میر عشق کے مرثیے کے بعد کسی کا مرثیہ مشہور و معروف نہ ہو سکا، رضا مدراسی کا مرثیہ ہے:

اے موسیٰ خامہ سوے کوہ طور رواں ہو۔ بند ۱۳۰۔ جلد سوم "مرقع غم"

میر نفیس کا مرثیہ ہے:

خیر النساء کے باغ میں آمد خزاں کی ہے۔ بند ۹۲۔ "مطبوعہ مراثی نفیس"

اردو مرثیہ نگاروں کی اس روایت کو آغا ذہین نے بھی برقرار رکھا، انھوں نے "زعفر جن" کے حال کے تین مرثیے تصنیف کئے ہیں:

(۱) دوستو ماتم شبیرؑ عجب ماتم ہے۔ بند ۶۰۔

(۲) دوستو کون ہے ایسا جو خبر دار نہ ہو۔ بند ۶۳۔

(۳) جب سنا زعفر جن نے کہ ہے تنہا شبیرؑ۔ بند ۳۸۔

"زعفر جن" کے واقعات پر جو مرثیے تصنیف ہوئے ان میں دو طرح کے پلاٹ اپنائے گئے، تفصیلی واقعہ "جنگ بیر الالم" سے شروع ہو کر عاشور کے دن "زعفر جن" کی آمد اور واپسی اور دوبارہ کربلا میں آمد پر اختتام ہوتا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ زعفر جن عاشور کو دربار لگائے ہوئے جشن میں مصروف تھا کہ ایک جن نے آ کر اطلاع دی کہ کربلا میں حسینؑ ابن علیؑ نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے ہیں، اسی وقت زعفر نے تاج و تخت کو چھوڑا اور لشکر لیکر نجف ہوتا ہوا کربلا پہنچا، امام حسینؑ نے اس کی نصرت کو قبول نہیں کیا یہ کہہ کر کہ تو انہیں دیکھ سکتا ہے لیکن یہ تجھے نہیں دیکھ سکتے اس لئے مجھے تیری نصرت درکار نہیں ہے میں ان دشمنوں کو دھوکے سے نہیں قتل کرنا چاہتا تو واپس چلا جا، ہاں جب ٹھنڈا پانی پینا میری پیاس کو

یاد کرتا، زعفر مع لشکر واپس ہوا، زعفر کی ماں نے قسمیں دیکر دوبارہ اسے واپس بھیجا جب وہ کربلا میں آیا امام حسینؑ کی شہادت ہو چکی تھی، یہ دونوں پلاٹ دلگیر نے سب سے پہلے نظم کئے، آغا ذہین نے دلگیر سے متاثر ہو کر انھیں دونوں روایتوں کو اپنے مرثیوں کا مرکزی خیال بنایا ہے:

دوستوں ماتم شبیرؑ عجب ماتم ہے ـــ قوم جنات فرشتے کہ بنی آدم ہے
کون ہے وہ نہیں شبیرؑ کا جس کو غم ہے ـــ دونو عالم کا اسی حال میں اک عالم ہے
ایک غم ہے کہ میان دو جہاں ہوتا ہے
خاک اڑاتی ہے زمیں سر پہ فلک روتا ہے

زعفر جشن عید میں مصروف تھا کہ دربار میں ایک جن نے کربلا کے واقعات سنائے

بعد شبیرؑ کے گر خاک اڑائی تو کیا ـــ اٹھ گئے خلق سے ذلت بھی اٹھائی تو کیا
لڑ کے واں مرتا بھلا یاں اجل آئی تو کیا ـــ بعد محسن کے اٹھا لطف جدائی تو کیا
دست و بازو سے شجاعوں کے نہیں پھولتے ہیں
جو کہ اشرف ہیں احسان نہیں بھولتے ہیں

کہا زعفر نے یہ سچ ہے پہ ہوا ماجرا کیا ـــ کہا شبیر کو کس حال میں تو نے دیکھا
بولا جن پوچھتا کیا آنکھ سے چل دیکھ ذرا ـــ تیر بازو میں لگا گود میں زخمی بچہ
منہ سے حیدرؑ کے پسر کے تو میں شرمایا ہوں
ننھی اک لاش دھرے ہاتھوں پہ چھوڑ آیا ہوں

سن کے زعفر نے وہیں تاج زمیں پہ پٹکا ـــ باپ کو دیکھ کے بیٹے نے گریباں پھاڑا
کہا زعفر نے جنوں سے کہ ارادہ ہے کیا ـــ خانہ ساماں سے یہ کہہ دو مری مسند کو بڑھا
چتر شاہی نہیں کچھ دھوپ میں خوش آتا ہے
سر سے سایہ مرے آقا کا اٹھا جاتا ہے

دفعتاً ہو گئی چلنے کی جو ہل چل اک بار ـــ لیکے رہوار کو حاضر ہوا اک خدمت گار
کہا زعفر نے سواری سے کسے اب سروکار ـــ آج پیدل ہے کھڑا دوش محمدؐ کا سوار
سر بلندی نہیں سرکار علی میں مجھ کو
سر کھلے جانا ہے دربار علی میں مجھ کو

زعفر کربلا کے میدان میں پہنچتا ہے، لاشے بکھرے پڑے ہیں، انھیں لاشوں میں اسے ہمشکل

رسولؐ کا لاشہ نظر آیا:

دیکھتا پھرتا تھا میں سید ابرار کی شکل　　لاشوں میں لاشہ ہے اک احمد مختار کی شکل

فرات کے کنارے حضرت عباسؑ کا لاشہ نظر آیا:

پاس سے میں نے جو اس شیر کی صورت دیکھی　　آنکھوں میں پھر گیا بس نقشہ شیر احد کی

نیم وا چشم میں تھی گردش چشمان علی　　کج وہی ساخت وہی شان وہی آن وہی

وہی دستار کی کج اور وہی پیکر کی ہے
وضع اس سجے میں کچھ ساقی کوثر کی ہے

حضرت امام حسینؑ خیمے میں رخصت آخر کے لئے گئے ہیں، زعفر در خیمہ پر آتا ہے:

سر کو نہوڑا کے در خیمہ پہ زعفر آیا　　آئے تھے آخری رخصت کو یہاں شاہ ہدا

غل جو رونے کا سنا خیمے میں، زعفر تڑپا　　در سے آواز دی زعفر نے کہ فضہ فضہ

صبح کا بھولا ہوا یاں سر شام آیا ہے
کہہ دو آقا سے کہ ڈیوڑھی پہ غلام آیا ہے

امام حسینؑ خیمے سے برآمد ہوتے ہیں، زعفر دوڑ کر قدموں پر گرتا ہے اور پوچھتا ہے میں زعفر ہوں آپ نے مجھے پہچانا نہیں، امام حسینؑ فرماتے ہیں:

شہ نے فرمایا یہ کیا بات ہے جی میں آئی　　جان کر بھولتا ہے کوئی کسی کو بھائی

کیا کہوں آنکھوں سے دیتا نہیں کچھ دکھلائی　　جسم سے زور تو آنکھوں سے گئی بینائی

رو کے زعفر نے کہا اے شہ مضطر کب سے
شہ نے فرمایا کہ مارے گئے اکبرؑ جب سے

زعفر نصرت کی خواہش رکھتا تھا وہ اجازت طلب کرتا ہے کہ اگر آپ اذن جہاد دیں تو اعدا کو میں قتل کروں۔

بولا زعفر میں اس امید پہ آیا تھا یہاں　　آج ان قدموں پہ ہوں گا مع لشکر قرباں

کہا سرور نے ملائک ابھی آئے تھے ہاں　　چھیں دی بندے نے امداد خداوند جہاں

حکم کے عکس بھلا بندے سے کب ہوتا ہے
ذکر امداد نہ کر ترک ادب ہوتا ہے

امام حسینؑ نے زعفر کو لڑنے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ تو لشکر کو لیکر واپس جا، زعفر نے کہا کہ

میں لشکر کو واپس کئے دیتا ہوں لیکن مجھے یہاں ٹھرنے کی اجازت دے دیجئے۔ امام حسینؑ نے فرمایا:

حال تو ظاہر و باطن کا ہے سب مجھ پہ کھلا میں نے مانا نہ گیا تو یہاں بالفرض رہا
میرا گھر جلتا ہوا آنکھ سے دیکھے گا کیا سر کھلے خیمے سے یاں نکلے گی بنت زہراؑ
پیٹے گی جب کہ سکینہؑ تجھے تاب آئیگی
بن بنا کر مری محنت یہ بگڑ جائیگی

مرثیہ اس بند پر ختم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ سے زعفر مل کر روتا ہوا رخصت ہوتا ہے:

کہتا تھا یہ ابھی زعفر کہ جو اک شور ہوا دیکھ کر چاروں طرف عرض کی آقا یہ کیا
پونچھ کر اشک کہا شاہ نے اب یاں سے جا نہیں سنتا کہ چلی آتی ہے روتی زہراؑ
جاکہ سر پیٹتے جنت سے پیمبرؐ آئے
نام سنتے کا نہ لے ساقی کاثر آئے

(مقطع)

یہ سخن سن کے پھرا پیٹتا واں سے زعفر ملے شبیرؑ سے آ کر علیؑ و پیغمبرؐ
اے ذہین اب یہ دعا مانگ کہ رب اکبر صدقہ حیدرؑ کا عطا کر مرا مطلب داور
جو مرے دل میں ہے یارب وہ پورا ہو جائے
منہ در اندازوں کا دنیا ہی میں تیرا ہو جائے

آغا ذہین زبان و بیان کی خوبیوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے، واقعات کو نظم کرتے ہوئے مرثیے کو طویل کرتے جاتے تھے جذبات نگاری اور واقعات کی جزئیات نگاری پر ان کی خصوصی توجہ ہوتی تھی، لفظ کے استعمال پر انہیں عبور نہیں تھا۔ مرثیوں کا اسلوب یہ بتاتا ہے کہ وہ دہلی اور لکھنؤ سے دور قیام پذیر رہے اور یہی دو شہر زبانوں کے مرکز تھے، آغا ذہین ان دونوں شہروں میں زیادہ دن نہیں رہ سکے اور ایسے شہروں میں زیادہ قیام رہا جہاں دیہاتی زبان بولی جاتی تھی، وہاں کی بولیاں ان کے مرثیے پر اثر انداز ہوئی ہیں۔

آغا ذہین کی سلام نگاری:

سلام اردو کی قدیم صنف سخن ہے، میر انیس اور مرزا دبیر کے عہد میں سلام کا ارتقا ہوا اور یہ روایت احسن طریقے سے رائج ہوئی کہ مرثیے سے پہلے رباعیات کے بعد سلام کے چند شعر پڑھ دیئے جائیں۔ لکھنؤ میں ادب کے سنہرے دور میں آئے دن مشاعرے ہوتے

غزل کی طرح مشہور ہوتی اور مشاعرے کے بعد مشہور شعراء کے اشعار شہر میں اسی زمین میں گونجنے لگتے، مرثیہ نگار شاعر چونکہ مشاعروں میں شریک نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ مشہور مشاعروں کی طرح میں سلام کہہ کر رکھ لیتا تھا جب محرم آتا تو وہ غزل گو شاعروں پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے قوافی کا استعمال اور زبان و بیان کے جوہر دکھا کر داد و تحسین حاصل کرتا تھا۔

آغا ذہین کے سلام بھی غزلیہ طرحوں میں ہیں لیکن مرثیت کا پہلو نمایاں ہے، اگرچہ بیان و زبان کی ناہمواری نظر آتی ہے، آغا ذہین کے سلاموں میں ترقی یافتہ اشعار نہیں ملتے، قدیم رثائی فضاان کے سلاموں کی خصوصیت ہے، آغا ذہین کے سلام خاصی تعداد میں قلمی بیاضوں میں محفوظ ہیں اور تقریباً غیر مطبوعہ ہیں، عرصہ ہوا مطبع یوسفی دہلی سے مرثیہ گو شاعروں کے مجموعہ سلام "بزم ماتم" میں آغا ذہین کے پندرہ سلام شائع ہوئے تھے۔ مطبوعہ غیر مطبوعہ سلاموں کا انتخاب درج ذیل ہے۔

انتخاب سلام

رائگاں آنسو نہ مجرائی ہمارے جائیں گے
بن کے موتی تربت سرور پہ وارے جائیں گے

جو محبان علیؑ ہیں ہوں گے وہ ہی جنتی
اور مخالف شاہ کے دوزخ میں سارے جائیں گے

مومنین جس طرح پیتے ہیں یہاں آب سبیل
اس طرح محشر میں کوثر کے کنارے جائیں گے

روز عاشورہ یہی کہتے تھے رو رو کر ملک
عرش پر عرش معلی کے ستارے جائیں گے

پوچھتی ہر بار تھی زینبؑ شہ دیں سے یہی
صدقے ہونے آپ پر کب میرے پیارے جائیں گے

فخر کرتے ہیں ذہین اس کا کہ روز حشر کو
ہم غلامان علیؑ کہہ کر پکارے جائیں گے

مجرائی آنسو ضریح شہ پہ وارا چاہئے
بزم سرور میں گریباں پارا پارا چاہئے

کہتی تھی زہراؑ کہ سوئے گا یہاں میرا حسینؑ
سر کے بالوں سے زمیں یاں کی بہارا چاہئے

جب کہا عباسؑ نے مرتے ہیں بچے پیاس سے
بولے شہ امر خدا میں دم نہ مارا چاہئے

دیکھ کر اصغرؑ کو بولا کوئی دیدو اس کو آب
حرملہ کہنے لگا تیر اس کو مارا چاہئے

بولے شہ ملکے ہوئے بھائی کٹا کر اپنے ہاتھ
چل کے سر سے بوجھ امت کا اتارا چاہئے

بیٹے سے حرنے کہا زخموں سے کر تن لالہ زار
گر تجھے گلزار جنت کا نظارا چاہئے

تیرا کھلا کر شہا کس پاس جاوے اب ذہین
بے سہارا ہوں شہا تیرا سہارا چاہئے

مجرئی جب کہ مجھے ماہ عزا یاد آیا
گریہ سال گزشتہ کا مزا یاد آیا

ہچکی جب آتی تو یہ فاطمہؑ صغراؑ کہتی
پیٹنا رونا مرا بابا کو کیا یاد آیا

کردیا اصغرؑ ششماہہ تک امت پہ نثار
جب کہ شبیرؑ کو فرمان خدا یاد آیا

ہاتھ سے پانی کو عباسؑ علیؑ نے پھینکا
جب سکینہؑ کا انہیں خشک گلا یاد آیا

گیا دربار میں ظالم کے جو سر اکبرؑ کا
سارے حضار کو محبوب خدا یاد آیا

دل میرا روضہ جنت میں لگے گا نہ ذہین
گر مجھے واں در شاہ شہدا یاد آیا

مجرئی بانو کو کیا رتبہ و توقیر ملا
بیٹا اکبرؑ ملا شوہر اسے شبیرؑ ملا

حرؑ کو جنت کی طرف لے گیا رومال بتولؑ
تھا وہ رومال اسے کاغذ جاگیر ملا

کہا عابدؑ نے ملا خانہ، جنت سب کو
وائے قسمت کہ مجھے خانہ زنجیر ملا

گئے جنت کو گلے جب سے لگانے والے
پھر گلے کوئی نہ جز طوق گلوگیر ملا

کیا ہے پروا تجھے خاک درشہ ہاتھ آئی
اے ذہین خاک میں اب نسخہ اکسیر ملا

سلامی ماتم سرورؑ بھی کیا سوز نہانی ہے
کہ ٹھنڈی آہ میں آنکھوں سے بہتا گرم پانی ہے

کہا زہراؑ نے مقتل میں یہ اس کی لاش ہے بابا
کہ جس کے واسطے پیسی ہے چکی خاک چھانی ہے

کہا عباسؑ نے اعدائے دیں کب جیتے بچے ہیں
نہیں تیغ آزمائی آج قسمت آزمائی ہے

کہا زینبؑ نے کیوں تم نے زمیں لی مول اے بھائی
کہا سرورؑ نے اس جنگل میں اک بستی بسانی ہے

ذہین مدت سے منت ہے اسے چل کر اتار آنا
مزار شہؑ پہ اشکوں کی مجھے چادر چڑھانی ہے

لاتا ہے رنگ مجرئی دوراں نئے نئے
دکھلائے اہلبیت کو زنداں نئے نئے

صغراؑ وطن میں کہتی تھی بابا کی خیر ہو
میں دیکھتی ہوں خواب پریشاں نئے نئے

کشتی میں ناؤ ڈوبی ترائی میں گھر جلا
آل نبیؐ پہ آئے ہیں طوفاں نئے نئے

پیدا ہوا امام سے اس طرح سے امام
قرآں سے جیسے لکھتے ہیں قرآں نئے نئے

مسدود ہے ذہین دکان متاع نیک
اہل سخن نئے ہیں سخن داں نئے نئے

ہرگز نہیں کوئی مرا حاشا نہیں کوئی
مجرائی جزاب آپ کے شاہا نہیں کوئی

شہ نے کہا اللہ سے سب شاد سدا رہے   بچہ تیری راہ میں مچلا نہیں کوئی
شہ نے کہا سید پہ ترس بھی نہیں کھاتے   اعدا میں نصارا نہیں ترسا نہیں کوئی
یہ کہتے ہوئے خیمے سے عابدؔ نکل آئے   سینہ تو ہے باقی ابھی نیزہ نہیں کوئی
گھوڑا جو رکا شہ نے کہا پوچھو تو بھائی   یاں مار یہ نام اور تو صحرا نہیں کوئی
اب تفرقہ انداز بھی نکلی ہے ذہینؔ قوم   جز ایک دراندازی کے دھندا نہیں کوئی

آخر میں بطور نمونہ آغا ذہین کی ایک تضمین اور دو رباعیاں درج ذیل ہیں :

"تضمین"

جب رفیقوں نے فدا کی شہ پہ جاں   رہ گئے تنہا شہ کون و مکاں
طعن سے کہنے لگا ابن سناں   اب بھی ہے حامی کوئی شہ بولے ہاں
راہ اس کی دیکھتا ہوں دیر سے   جس نے سلماں کو چھڑایا شیر سے

"رباعیات"

جس گھڑی مسلمؑ بیکس کا خیال آتا ہے   صاحب درد کو افسوس کمال آتا ہے
سر تو نیزہ پہ چڑھا لاش پڑی گلیوں میں   ایلچی پر کہیں ایسا بھی زوال آتا ہے

تر چشم ہو دامن تو نہ بر تر لے جائیں   رو کر صدف چشم سے گوہر لے جائیں
ملتا ہے یہاں متاع بے دام ذہینؔ   خالی لائے ہیں گود بھر کر لے جائیں

حواشی :

۱ : داستان غدر۔ ص ۱۸۳۔
۲ : اردو مرثیہ۔ ص ۱۷۲۔
۳ : انتخاب یادگار۔ ص ۲۷۳۔
۴ : تذکرہ مرثیہ گویاں (قلمی) از زاہد سہارنپوری۔
۵ : بزم ماتم۔
۶ : مراثیٔ مشرف (قلمی، کتب خانہ ضمیر اختر نقوی)۔
۷ : مراثیٔ ذہین (قلمی، کتب خانہ ضمیر اختر نقوی)

محمد حسین محزوںؔ دہلوی

کا غیر مطبوعہ مرثیہ

محمد حسین محزوںؔ کا اصلی وطن دہلی تھا۔ اِلہ آباد میں آ کر مقیم ہوئے اس لئے اِلہ آبادی مشہور ہو گئے۔ (تذکرۂ میر حسنؔ)

اُن کے تفصیلی حالات احمد امر اللہ اِلہ آبادی نے تحریر کیے ہیں:

محزوںؔ کا نام سید محمد حسین موسوی تھا۔ وہ ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسل میں تھے۔ ان کے والد سید محمد اسمٰعیل تھے۔ اُن کے آبائے کرام شہر اورنگ آباد کے رئیسوں میں تھے اور خاص و عام کے سردار تھے۔

محزوںؔ ابھی کم سن بچے ہی تھے کہ اُن کے والد کا انتقال ہو گیا، ان کے بڑے بھائی سید ابوالحسن اپنے باپ کی مسند پر بیٹھے اور اُن کو سایۂ شفقت میں لے لیا۔

دہلی میں قیام

محزوںؔ ابھی گیارہ سال کے تھے کہ تحصیل علوم کے شوق میں گھر سے نکل پڑے اور شوریدہ حالی میں دہلی پہنچے، ان کے بھائی سید ابوالحسن جنھیں محزوںؔ سے بہت محبت تھی، آبائی ریاست چھوڑ کر محزوںؔ کے پیچھے روانہ ہوئے۔ ہر شہر میں جہاں کسب علوم کے لئے ٹھہرے اُن کے بڑے بھائی نے کوئی ملازمت اختیار کر لی اور آمدنی محزوںؔ کی ضروریات پر اس طرح خرچ کی کہ ضروریات زندگی میں انھیں بالکل پریشانی نہیں ہوئی۔

تحصیل علوم

محزوںؔ نے بندر سورت اور دہلی اور مختلف شہروں کے عالموں سے کتب درس پڑھیں اچانک تحصیل علم سے دل برداشتہ ہو گئے، پھر الہ آباد میں گنگا کے کنارے مکان بنا کر

وہیں مقیم ہو گئے۔ باقی ساری عمر ریاضت اور عبادت میں بسر کی، محزوںؔ کا قیام الہ آباد میں تھا کہ اتفاقاً ان کی ملاقات سرآمد علمائے مصر مولانا برکت الہ آبادی سے ہوئی، مولانا کو جب ان کی جودت طبیعت اور وحدت فکر کا پتہ چلا تو تحصیل علم کی ترغیب دی، محزوںؔ بھی ان کی محبت کا شکار تھے، تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور باقی کتابیں ان کی خدمت میں پڑھیں۔ بعد میں مولانا برکت الہ آبادی کے ساتھ الہ آباد سے آنولہ چلے گئے۔ ان دنوں نواب نجیب خاں روہیلہ کی قدر دانی کی وجہ سے آنولہ میں علما اور فضلا جمع تھے۔ وہیں تعلیم ختم کی۔ پھر استاد کے حکم سے وہاں سے الہ آباد آئے۔

محزوںؔ تمام اصناف علوم کے ماہر اور چھپے ہوئے اسرار کے لوح محفوظ تھے۔

درس و تدریس اور الہ آباد میں مستقل قیام

قطب العارفین شاہ غلام قطب الدین مصیبؔ الہ آبادی سے محزوںؔ کو بڑی عقیدت تھی اس محبت و عقیدت کی وجہ سے دائرۂ اجمل کے باب کلاں کے بالا خانے پر استقامت کی اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد دوستوں کے مشورے سے دائرے کے متصل ایک مکان خرید لیا اور بڑی خوبصورتی اور آراستگی سے اُسے تیار کیا اور اسی شغل میں سولہ سال الہ آبادی میں گزار دیئے۔ سوائے تدریس و تعلیم اور فکر تصنیف و تالیف کے اور کوئی کام نہیں کیا۔

بہت سے طالب علم ان کی وجہ سے دل کی مراد کو پہنچے اور اکثر ناقص ان کے مدرسے میں کامل بنے۔ اُن کے خداداد علم و فضل اور طالع و اقبال کی وجہ سے الہ آباد کے لوگ ان سے رجوع کرتے تھے۔

محزوںؔ کے بڑے بھائی سید ابوالحسن الہ آبادی

محزوںؔ نے کبھی کسی کے سامنے دست التجا نہیں پھیلایا اور کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ اُن کے بڑے بھائی ہمیشہ ان کی ضروریات کے کفیل رہے وہ جو کچھ زور بازو سے پیدا کرتے محزوںؔ کی نذر کر دیتے اور تمام حوائج سے بے نیاز رکھتے اس جاہ و ثروت اور رشد و رفعت کے باوجود دونوں بھائی کنوارے رہے اور ہمیشہ باہم اور بے ہمہ رہے اور ہر ایک سے بڑی تواضع اور انکساری سے پیش آتے۔

بھائی کی وفات کا صدمہ

۱۱۸۳ھ میں ان کے بڑے بھائی کافروں کے ہاتھوں شہید ہو گئے، اُن کی لاش الٰہ آباد لائی گئی اور دہلی سے متصل مقبرے میں مدفون ہوئے۔ اس حادثے کے بعد محزوںؔ بہت غمزدہ رہنے لگے اور باقی عمر کبھی خوش نہ ہوئے اور اپنے تخلص کے مطابق ہمیشہ محزوں و مغموم رہے۔

تخلص کی وجہ تسمیہ

محزوںؔ کی خدمت میں ایک بار مولف تذکرہ کے بھائی خیر الدین محمد متخلص بہ مسرت گئے۔ آپ نے ان کا تخلص معلوم کر کے اسے اس لئے ناپسند کیا کہ جو نام رکھا جائے اس کا اثر آدمی کی شخصیت پر پڑتا ہے۔ انھوں نے جسارت کر کے کہا پھر حضور نے کیوں محزوںؔ تخلص اپنے لئے پسند کیا۔ انھوں نے اس کا جو جواب دیا اس سے عزاداری امام حسین علیہ السّلام کی طرف واضح اشارا ملتا ہے۔ انھوں نے کہا میرا یہ تخلص اس اقتضا سے ہے کہ نام آسمان سے اترتے ہیں اور یہی میری تقدیر میں ہے اس لئے کہ میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے میرا نام غلام حسین تجویز کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضور کا غلام اپنے مولا (حضرت امام حسین علیہ السّلام) کے مصائب کی یاد میں ہر وقت مغموم و محزوں رہے گا۔ اس لئے غلام حسین محزوںؔ میرا نام تقدیر کے موافق رکھا گیا ہے اور اس حزن واندوہ کو اپنے لئے روز نجات کا ذخیرہ سمجھتا ہوں۔ (تذکرہ مسرت افزا)

غلام حسین محزوںؔ الٰہ آبادی مولوی سید محمد حسین ("غلام حسین دہلوی"۔ عشقی) موسوی سید تھے اور مولوی محمد برکت کے شاگرد تھے۔ علی ابراہیم ان سے الٰہ آباد میں ملے۔ اورنگ آباد کے رہنے والے تھے اور تحصیل علم کو ہندوستان آئے تھے۔ ۱۱۸۵ء میں ۴۱ برس کی عمر میں الٰہ آباد میں انتقال کیا۔ (شورشؔ)، (یادگار شعرا، از اسپرنگر)

محزوںؔ الٰہ آبادی مولوی سید محمد حسین موسوی سادات میں سے ہیں۔ (۶ شعر)، (تذکرہ گلشن سخن)

مولوی سید محمد حسین سادات موسوی سے اور مولوی برکت مرحوم کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ ایک مدت سے ترک وطن کر کے الٰہ آباد میں مقیم ہیں۔ راقم نے ان کو دیکھا تھا۔ نہایت سنجیدہ، گرم جوش، خوش تقریر اور بردبار پایا۔ فارسی اور ریختہ گوئی میں طبیعت

موزوں تھی۔ (۱۰ شعر)، (تذکرہ گلزار ابراہیم)، تذکرہ گلشن و گلزار، تالیف مبتلا و خلیق، مرتبہ شاہ عطا الرحمن عطا کاکوی، ص ۱۰۶)
میر حسن لکھتے ہیں:

غلام حسین، محزوں الہ آبادی ثم دہلوی، محزوں، مولوی غلام حسین المتخلص بہ محزوں، الہ آبادی، عالم بے نظیر و فاضل خوش تقریر، مبارز میدان دلائل، چابک سوار عرصۂ فضائل، شاعر فارسی بود، بندہ باوے ملاقات نہ کردہ، لیکن اکثر از زبان یاران آں و یار وصف آں بزرگوار شنیدہ۔ در اوائل چندے ریختہ ہم گفتہ، طبع دردمند داشت، از کلامش ظاہر مست، اصلش از شاہ جہاں آباد بود، برائے تحصیل علم دراں شہر آمدہ، استقامت نمود، از بس کہ مدت ماند، مشہور بہ الہ آبادی شد، از مدتے جاں بہ آفریں سپرد، رحمۃ اللہ۔ (تذکرہ شعرائے اردو)

محزوں مولوی سید محمد حسین محزوں، سید موسوی، یہ سب سے نامور مرید محمد برکت کے تھے۔ اپنا وطن اغلب ہے دہلی کو چھوڑ کر الہ آباد میں رہے علی ابراہیم ان کو جانتے تھے وہ کہتے ہیں کہ وہ زندہ دل سنجیدہ آدمی تھے، وہ اچھی طرح سے اپنے شعر پڑھتے تھے، فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔ (طبقات شعرائے ہند، کریم الدین، ص ۲۱۶)

محزوں تخلص مولوی سید محمد حسین، مقیم الہ آباد، شاگرد مولوی محمد برکت، معاصر سودا۔ (سخن شعرا، عبد الغفور نساخ، ص ۴۱۹)

محزوں کی وفات

آخر الامر اس دائمی سوزش سے کہ جو ان میں پیدا ہو گئی تھی۔ تپ محرق میں مبتلا ہو گئے اور اس مرض میں ۱۹، ماہ ذی الحجہ ۱۱۸۵ھ میں انتقال کیا۔ حویلی سے متصل مقبرے میں اپنے بھائی کے قریب مدفون ہوئے۔ وقتِ وفات ان کا سن شریف چالیس سال تھا۔ شاہ محمد اجمل الہ آبادی نے تاریخ وفات نکالی "وائے غم حسین"۔

محزوں کا کلام

محزوں نے فارسی میں مثنویات و قصائد نظم کئے۔ شاگردوں کی درخواست پر اردو شعر بھی کہتے تھے۔ غزلوں کے اشعار مسرت افزا، گلزار ابراہیم، تذکرہ میر حسن وغیرہ میں موجود ہیں۔

زمیں پر مت پٹک اس کو نہ ہے یہ سنگ و نہ سِل ہے
ارے او بے مروّت یہ کسی کم بخت کا دل ہے

محفلِ عشق میں دل جس کا جلا ہووے گا | گریۂ شمع پہ ہر گز نہ ہنسا ہووے گا
نامہ بر کی نہیں تقصیر جو خط کھو آیا | میری قسمت میں کچھ ایسا ہی لکھا ہووے گا
میرے مرنے کی خبر سن کے لگاؤں کہنے | کیا عجب ہے کہ بہانہ ہی کیا ہووے گا
میں تو ہنستے ہوئے تلوار لگائی تھی اسے | کیا ہنسی سے مری یارو وہ موا ہووے گا

سونے نہ دے گا حشر میں یہ بے قرار دل
کہتا رہے گا حشر تلک یار یار دل

صنم اگرچہ میں بختِ سیاہ رکھتا ہوں | بہر نمط تری زلفوں سے راہ رکھتا ہوں
ترے فراق میں پھرتا ہوں دربدر پیارے | بغل میں اپنی دلِ داد خواہ رکھتا ہوں
اک عمر روتے ہی روتے گزر گئی میری | میں اپنی چشم کے مردم گواہ رکھتا ہوں
مجھے یہ تو بھی ستاتے ہیں دم میں سو سو بار | کوئی یہ پوچھے کہ میں کیا گناہ رکھتا ہوں
اک عمر ہو گئی سنگیں دلاں سے اے محزوںؔ | بسانِ رشتۂ تسبیح راہ رکھتا ہوں

خامے کا جگر تڑکا سنتے ہی مری باتیں | اب کیونکے لکھوں قاصد اس دل کی حکایاتیں
اس گلشنِ ہستی میں انصاف نہیں یارو | جس غنچہ دہن سیتی کرتا ہوں ملاقاتیں
شبنم کی طرح رو رو میں حال سناتا ہوں | وہ گل کے نمط ہنس ہنس ٹالے ہے مری باتیں

نہ کچھ انصاف یار میں ہے گا | نہ یہ دل اختیار میں ہے گا
رمہ کرتے ہیں آہوانِ حرم | کیا مرے اس غبار میں ہے گا
مژدہ صیدِ حرم کو ہو کہ صنم | آج قصدِ شکار میں ہے گا
وہ جہاں در کنار ہیں محزوںؔ | جس گھڑی وہ کنار میں ہے گا

گر نہ ہوتی یہ گرفتاری اوہامے چند
حسرتِ وصل میں مر جاتے یہ ناکامے چند

کل جو میں سیر کیا شیخ کی محفل کے تئیں
کچھ نہ دیکھا وہاں جز دعویٰ الہامے چند

جس کے تئیں جبہ و دستار وہ کہتے ہیں گے
فی الحقیقت جو میں دیکھا تھا وہ ہیں دامے چند

اہل میخانہ مجھے تب تو بہت یاد آئے
گرچہ ظاہر میں ہیں وے مجمع بدنامے چند

ان کو کچھ کام نہیں نیک و بد عالم سے
ہر کسی کے تئیں دیتے ہیں وہاں جامے چند

تب کہا دل نے کہ اب چل کے وہیں گر رہیئے
جو اسی طرح گزر جاوے یہ ایامے چند

دیکھ گردش کو تری چشم کے پیمانے کی
مجھ کو خواہش نہ رہی جام و مے خانے کی

جب سے صورت نے تری زلف کا کوچہ دیکھا
راہ بھولی ہے مجھے کعبہ و بت خانے کی

کبھی گرتا تھا قدم پر کبھی ہوتا تھا نثار
کیا بھلی موت ہوئی رات کو پروانے کی

میں تو کہتا تھا یہ پیارے مجھے کم دے تو شراب
آج ہے مجھ کو قسم ساتھ ترے آنے کی

میں تو مدہوش ہوں اور تو بھی نپٹ بے خود ہے
اب میاں کس سے طرح پوچھئے گھر جانے کی

آب ہو جاوے گا پتھر سا اگر دل ہوگا
تجھ سیتی آئینہ کیا خاک مقابل ہوگا

سر پٹک کر کے میں مر جاؤں گا مانند حباب
ایک پردہ بھی اگر یار کا حائل ہوگا

تب کہا میں نے کہ اے یار تری الفت میں
جان دینے کے سوا کیا مجھے حاصل ہوگا

میں ترے طور کے تئیں دیکھ کے کہتا تھا صنم
کوئی دن میں یہی لڑکا مرا قاتل ہوگا

کل کہا یار نے یوں مجھ سے کہ سن اے محزوں
آہ تو کل مرے ہاتھوں سیتی بسمل ہوگا

رونے کو اثر ہوہے، کہتے ہیں یہ ہیں باتیں
اک دن بھی نہ یار آیا، روتے ہی گئیں راتیں

با دیدۂ تر میں ہوں با سوزِ جگر میں ہوں
سرگرم سفر میں ہوں جوں شمعِ سحر میں ہوں

جب تیر ترا آیا دل اور جگر بولے
اے تیر ادھر میں ہوں اے تیر ادھر میں ہوں

ہستی کے گلستاں میں الفت کے بیاباں میں
منظور نظر میں ہوں ہم چشمِ گہر میں ہوں

زاہد تو یہ کہتا ہے، تدبیر ہے اور میں ہوں
آنے دو بہار اب کے زنجیر ہے اور میں ہوں

تنگ ہے مجھ کو نہ جامے سے نہ عریانی سے
عشق میں عمر مری کٹ گئی آسانی سے

اب مرے خون کا دعویٰ نہ کرے گا کوئی
جو تو ڈرتا ہے میاں اپنی ہی نادانی سے

صبح دم باغ سے شبنم تو یہی کہہ کے چلی
کوئی اتنا کہے اس بلبلِ دیوانی سے

میرے رونے کے اوپر گل تو کھڑے ہنستے ہیں
رحم کب تجھ پہ کریں گے یہ غزل خوانی سے

تو کمر باندھ کے جس دن مرے گھر آتا ہے
مجھ کو اس طور سے پیارے ترے ڈر آتا ہے

یار جب مجھ سے تو کہتا ہے میں گھر جاتا ہوں
مجھ کو تیری ہی قسم دل مرا بھر آتا ہے

زنگ ہستی نہ گئی آئینۂ دل سے مرے
ورنہ وہ یار تو ہر جا پہ نظر آتا ہے

عیب وہ دیر میں کیا جا کے کریں گے محزوںؔ
ہم کو افسوس اسی بات اوپر آتا ہے

میرے سینے کے قفس میں دلِ بیتاب کہاں
جس جگہ آگ لگی ہے وہاں سیماب کہاں

جو بلا آوے گی میں اس کو سہوں گا لیکن
اے صنم تیری جدائی کی مجھے تاب کہاں

خونِ دل صاف ملے وہ بھی غنیمت ہے مجھے
ورنہ میخانۂ ہستی میں مئے ناب کہاں

تجھ کے تئیں صاحب کے ہجراں میں پڑا رہتا ہوں
ورنہ محزوںؔ شبِ فرقت میں مجھے خواب کہاں

آج کل موت بھی مجھ پاس نہیں آتی ہے
یار تو یار اجل بھی مجھے ترساتی ہے

رو برو اس صفِ مژگاں کے بہت جاتا ہے
کیا دوانے، تری پتھر کی جگر چھاتی ہے

دار الشفا تلک مجھے یک بار لے چلو
یعنی گلی میں اس کی یہ بیمار لے چلو

منزل میں خوف اور شبِ تاریک راہ دور
میں کس سے اب کہوں کہ مرا یار لے چلو

جو یار تھے گزر گئے دریائے عشق سے
میں کہہ رہا کہ مجھ کو ذرا پار لے چلو

سن اے قاصد کہ تجھ کو بھی ذرا آگاہ کرتا ہوں
کہ میں کس کس طرح مکتوب کو کوتاہ کرتا ہوں

ذرا اس بیت میں لکھتا ہوں اپنا حال دل تو بھی
بجائے مصرعِ ثانی میں بیٹھا آہ کرتا ہوں

کیا مزہ مجھ کو ملا عشق میں مرتے مرتے
جی گیا سر کو ترے پاؤں پہ دھرتے دھرتے

میکدے میں مجھے قطرہ بھی نہ دیتا تھا کوئی
عمر گزری تھی مجھے منتیں کرتے کرتے

ایک دن میں نے بھی میخانہ میں جرأت کر کے　　جام و شیشے کو لیا ہاتھ میں ڈرتے ڈرتے
واں تری چشم کی گردش جو مجھے یاد آئی　　گر گیا جام مرے ہاتھ سے بھرتے بھرتے

لہو مجھ میں کہاں فصاد جو نشتر چبھوتا ہے　　مرے احوال پہ نشتر بھی اس کا خون روتا ہے
مری آنکھوں سے دریا خون کا امڈا خدا حافظ　　یہ آدھی رات ہے ہر کوئی اپنے گھر میں سوتا ہے
عجب احوال محزوںؔ کا سنا میں نے کہ راہوں میں　　دل اپنا پھینک دیتا ہے اور آپ ہی بیٹھ روتا ہے

ہمارے کتب خانے میں ایک قلمی بیاض میں محزوںؔ کا قدیم مرثیہ موجود ہے جو اب تک میں شائع نہیں ہوا۔

محمد حسین محزوںؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ

(۱)
نور سے یارو زمین کربلا معمور ہے　　خاک سے خاک شفا اشرف زمیں مشہور ہے
اور زیارت واں کی ہر مخلوق کو منظور ہے　　دفن جو میت ہوا اس میں معصیت سے دور ہے

کیوں نہ افضل مرتبے میں مثل بیت اللہ ہو
جس زمیں کا مشتری شبیرؑ عالی جاہ ہو

(۲)
یوں روایت ہے عزیزو بعد قتل شاہ دیں　　دفن کر گئے اپنے اپنے کشتے وہ شامی لعیں
یا عزیز و اقربا نعش امام المتقیں　　رہ گئے میدان میں بے دفن بر روئے زمیں

قید میں تھا قافلہ سجادؑ بے تقصیر تھا
دفن کرتا کون لاشہ حضرت شبیرؑ کا

(۳)
فاصلے پر واں سے اولاد اسد کے تھے مکاں　　گوشہ زد ان کی ہوئی جا کر خبر یہ ناگہاں
یعنی سردار مدینہ لے کے اپنا کارواں　　سب کٹا مارا پڑا ہے کربلا کے درمیاں

بے کفن بے گور ان کے لاشے ہیں میدان میں
دفن کرتا نہیں انھیں کوئی جنگل ویران میں

(۴)
لاشۂ سبط نبی پر ترس کوئی کھاتا نہیں　　واسطے ان کے کفن گھر سے کوئی لاتا نہیں
دور سے روتے ہیں سب نزدیک کوئی جاتا نہیں　　دفن کرنے خوف حاکم سے کوئی آتا نہیں

قتل کر ڈالے گا حاکم اس کو اس کی آل کو
جو کرے گا دفن آ کر فاطمہؑ کے لال کو

۵

ان کے اولاد اسد یہ ماجرا سے شاہ دیں — دل میں روئے خوف حاکم سے ہوئے خانہ نشیں
بیٹھ اپنے گھر میں سب کہنے لگے وہ دل حزیں — ہے پڑا ہے گور مرشد زادۂ روح الامیں

ہے سبھوں کو گرچہ یہ منزل سفر در پیش ہے
پر کریں کیا خوف حاکم سے خطر در پیش ہے

۶

گر تیاری کیجئے گنج شہیداں کی ابھی — شام سے آتی ہیں غارت کے لئے فوج شقی
ان کی عورتوں نے ان سے بات یہ جس دم سنی — اپنے مردوں کو یہ تب طعنہ ہر ایک دینے لگی

خطرۂ جان اپنے اپنے دل میں تم سب لاتے ہو
فاطمہ بی بی پیاروں کو نہیں گڑواتے ہو

۷

اوڑھتے ہم سب ہیں چادریں تم بھی چادریں اوڑھ لو — پگڑیاں تم باندھتے ہو ہم سبھوں کو باندھ دو
دفن کرنے جاتے ہیں ہم فاطمہ کے لال کو — ہم سبھوں کے قتل کا اندیشہ تم سب مت کرو

ہم سبھوں کی جان ایسے کام پر ہو جائے گی
سایہ دامن میں اپنے فاطمہ بٹھلائے گی

۸

یہ سعادت دو جہاں کی ہاتھ سے کس طرح دیں — آج کیوں کر اپنے اپنے گھر میں ہم سب چھپ رہیں
خوف حاکم تم کو ہے اور خوف محشر سے نہیں — خوش نصیبی ہم سبھوں کی دفن ہم ان کو کریں

مر رہیں یا رہ رہیں جائیں گے اس کام پر
لاکھ جاں سے صدقے ہوں گے فاطمہ کے نام پر

۹

عورتوں نے مردوں کو غیرت دلائی جس گھڑی — کھا کے غیرت مرداں کے نکلے تب گھر سے سبھی
جتنے اس بستی میں تھے جو جو شرافت سب نے کی — اور زمینداروں کی فوج اس طرح بس طے کر چلی

قافلہ مردوں کا آگے آگے روتا جاتا تھا
عورتوں کا قافلہ بھی پیچھے پیچھے آتا تھا

۱۰

کہتے سب تھے فاطمہ کے لال کو کفنائیں گے — خاک پر ہے چاند زہرا کا اسے گڑوائیں گے
شہ کا ماتم ہو [illegible] تو گڑوائیں گے — یہ سعادت آج حاصل کر کے ہم سب آ جائیں گے

خوف کچھ ہم کو نہیں ہے اب امیر شام سے
ہم سبھوں کی مغفرت ہووے گی ایسے کام سے

یہ بیاں کرتے ہوئے سب وارد میداں ہوئے — خاک بر سر اشک ریزاں سینہ سوزاں ہوئے
دیکھ کر لاشے شہیدوں کے بھی گریاں ہوئے — جاں بلب خود وہ کماں بانالہ و افغاں ہوئے

(۱۱)

کون تھا ایسے کس کو واں کس میں ہوا س و ہوش تھا
اشک تھے آنکھوں میں اور ماتم کا دل پر جوش تھا

لاشہ شبیر کا کس طرح سے لگتا پتہ — سر کٹے لاشوں کا سوتا دشت میں تھا قافلہ
کرتے تھے جو جو زراعت واں قریب کربلا — ان سے اولاد اسد کہنے لگی باصد بکا

(۱۲)

اے زمیندارو سنو کرتے جو ہم تقریر ہیں
تم بتادو ڈھونڈتے ہم لاشہ شبیر ہیں

سن کے وہ اہل زراعت بولے بادرد و بکا — ہم نہیں پہچانتے کس طرح دیں تم کو پتہ
ہاں مگر وہ قبلہ رو جو ایک لاشہ ہے پڑا — غیب کے اسرار اس سے دیکھتے ہیں برملا

(۱۳)

کیا کریں مجبور ہیں روتے ہیں ہم سب دور سے
اور زمیں ہوتی ہے روشن شب کو اس کے نور سے

تین دن سے شیر ایک دیتا ہے چوکی آن کر — اس کے رونے کی صدا سنتے ہیں ہم سب نوحہ گر
دھوپ سارے دن نہیں آتی ہے اس کی لاش پر — شب کو ایک کالی عماری آتی ہے ہم کو نظر

(۱۴)

ایک بی بی ہے اترتی اس میں سے یہ کرتی بین
میں تجھے رونے کو آئی ہوں مرے بیکس حسین

ہے یقیں ہم کو یہی ہے لاشہ شاہ زماں — کیا بیاں ہم سب کریں اس شاہ کی اب خوبیاں
اس زمیں پر اترا جب وہ لے کے اپنا کارواں — کی خریداری زمیں کی پھر دی قیمت گراں

(۱۵)

تھی خوشی ہم سب کو اس جنگل میں آبادی ہوئی
یہ خبر ہم کو نہ تھی جو خانہ بربادی ہوئی

سارا لشکر کھیت آیا اس مسافر کا یہاں — حلق نازک پر ہوا اس شاہ کے خنجر رواں
لٹ گئی ناموس اس کی اس زمیں کے درمیاں — قید میں ہے ایک جو وارث بچا ہے ہم جہاں

(۱۶)

دیکھئے پاوے رہائی کب وہ قیدی شام سے
ہم کو ہے معلوم سب آغاز اور انجام سے

(۲۹)
یوں زمینداروں نے عابدؑ سے کیا جس دم بیاں ۔۔۔ تب لگے فرمانے ان سے عابدؑ نوحہ کناں
اپنے حق پر میں تھا شاکر حق تھا مجھ پر مہرباں ۔۔۔ کارسازی میں ہے سب کی کارسازِ دو جہاں
میں تو آیا دفن کرنے لاش اس میدان میں
میرے بدلے قید ہے روح الا میں زندان میں

(۳۰)
اے زمیندارو! کہوں جبرئیل کا کیا ماجرا ۔۔۔ کی رفاقت اس نے میری آکے دررنج و بلا
طوقِ آہن جو کئی من کا گلے میں میرے تھا ۔۔۔ طوق وہ جبرئیل نے پہنیں میری صورت ہوا
قید میں بیٹھا ہوا وہ خادم شبیرؑ ہے
میری خاطر پہنی اس نے پاؤں میں زنجیر ہے

(۳۱)
کہکے یہ غائب ہوئے جس دم امام ابن امام ۔۔۔ روئی اولادِ اسد اور تھے زمیندار اس مقام
جو مصیبت گزری واں سجادؑ پر در ملک شام ۔۔۔ کیا تمام اس کو لکھے مخزوںؔ کہ ہے وہ ناتمام
آرزو ہے مجھ کو حاصل ہو زیارت شاہ کی
دیکھوں تربت جا کے میں سبطِ رسول اللہؐ کی

حواشی

مسرت افزا ۔۔۔ احمد امر اللہ الہ آبادی
تذکرہ شعرائے اردو ۔۔۔ میر حسن
گلزار ابراہیم ۔۔۔ علی ابراہیم خاں
تذکرہ ہندی ۔۔۔ مصحفی
عیار الشعرا ۔۔۔ خوب چند ذکا
عمدۂ منتخبہ ۔۔۔ اعظم الدولہ سرور
مجموعۂ نغز ۔۔۔ میر قدرت اللہ قاسم
گلشن بے خار ۔۔۔ مصطفےٰ خاں شیفتہ
تاریخ ادب ہندوستانی ۔۔۔ گارساں دتاسی
بزم سخن ۔۔۔ علی حسن خاں
بہار بے خزاں ۔۔۔ احمد حسین سحر
گلستانِ بے خزاں ۔۔۔ قطب الدین باطن
طبقات الشعرائے ہند ۔۔۔ کریم الدین
سراپا سخن ۔۔۔ سید محسن علی
یادگار شعرا ۔۔۔ اسپرنگر
گلشن ہمیشہ بہار ۔۔۔ نصر اللہ خویشگی
گلستانِ سخن ۔۔۔ مرزا قادر بخش
سخن شعرا ۔۔۔ عبدالغفور نساخ
قلمی بیاض مراثی ۔۔۔ کتب خانہ ضمیر اختر نقوی

میر متقیؔ دہلوی کی مرثیہ گوئی

میر متقیؔ، دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد میر جواد علی خاں ہادیؔ دہلوی مشہور شاعر تھے، میر متقیؔ فن شاعری میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔

میر متقیؔ کے والد میر جواد علی خاں ہادیؔ دہلوی عرف عام میں میر ہادیؔ کے نام سے مشہور تھے، دلی میں مصحفیؔ کے یہاں اکثر آیا کرتے تھے۔ نواب عماد الملک غازی الدین خاں کے لشکر کے کوتوال تھے۔ انھوں نے ایک ردیف وار دیوان کے علاوہ جو انواع سخن سے پُر ہے، بہت سے علوم مثلاً صرف ونحو، فقہ و فرائض، عروض و قافیہ وغیرہ پر رسالے منظوم لکھے ہیں، اس کے علاوہ اپنا ایک چھوٹا سا دیوان غیر منقوط اور اسی طرح ایک منقوط دیوان جمع کیا ہے، ۱۲۱۵ھ میں ہادیؔ دہلوی نے انتقال کیا ("عیار الشعرا" از خوب چند ذکاؔ، "تذکرۂ ہندی" از مصحفیؔ، "عمدۂ منتخبہ" از اعظم الدولہ سرورؔ، "مجموعۂ نغز" از قدرت اللہ قاسمؔ، "یادگار شعرا" از اسپرنگر) مبتلاؔ نے "طبقات سخن" میں ہادیؔ دہلوی کا نام میر جواد علی لکھا ہے۔ مصحفیؔ نے اُن کے خاندان کی تعریف میں انھیں سید صحیح النسب بتایا ہے۔ (تذکرۂ ہندی)

میر متقیؔ نامور باپ کے بیٹے تھے، ایک مشاق تیر انداز، عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا تصوف کی طرف مائل تھے۔ اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے، شاہ غلام علی کے مرید تھے تصوف کی کتابیں انھیں سے پڑھی تھیں، ملنسار، خلیق، متواضع، مودب شخص تھے، شاعری میں بھی اچھا دخل تھا، قلمی بیاضوں میں اُن کے مرثیے بھی موجود ہیں۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مرثیے بھی خوب لکھتے تھے۔ عمدۂ منتخبہ، مجموعۂ نغز، یادگار شعرا اور سخن شعرا میں میر متقیؔ کے مختصر حالات ملتے ہیں۔

اعظم الدولہ سرورؔ لکھتے ہیں:

"متقیؔ تخلص "میر متقیؔ، خلف الرشید میر جواد علی خاں ہادیؔ تخلص کہ شاعر قدیمی ریختہ گو است، در حرف الہا انشاء اللہ تعالیٰ ذکر ایشاں خواہد گزشت، جوانے بہ اصلاح و تقویٰ و ورع متصف و وارستہ مزاج، مرید شاہ غلام علی، کہ یکے از مشائخ

کبار دار الخلافہ و خلیفہء حضرت میرزا جان جاناں مظہر مرقوم است، از چندے لباس دنیاداری را ترک نمودہ، و ملتبس بہ لباس فقر گشتہ، مسائل صوفیہ و دیگر کتب عربی و فارسی بہ قدر ضرورت از شہد غلام علی موصوف خواندہ، بہ سبب موزونی طبع گاہ گاہے طرف ریختہ گوئی مائل می شود، تخلص درد آلودہ عاشقانہ است و در تیر اندازی ہم مہارتے دارد، بسیار یار باش و خلیق و متواضع و مودب است۔"
(عمدۂ منتخبہ)

قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں

"تخلص میر متقی خلف الصدق میر جواد علی خاں ہادی است مدے از مدتے ترک لباس کردہ بہ لباس مقید گشتہ آزادانہ ایام بسری بردہ دستگاہ رسی دستے دارد و در تیر اندازی دستے گاہے بہ مدد موزونی طبع شعر ریختہ از فکر می تراود و از نظر والد ماجد خود میگذراند"۔ (مجموعہ نغز)

میر متقی کی غزل کے چار شعر تذکروں میں ملتے ہیں

کیوں نہ اے زلف رہے حال پریشاں میرا   دل ہے سودا میں ترے بے سر و ساماں میرا

کس طرح اس کو کرے گا تو رفو اے ناصح   چاک پر چاک ہوا اب تو گریباں میرا

متقی خوبیٔ شمشاد ابھی ہو پامال
آن نکلے جو کبھو سرو خراماں میرا

نعش ہماری پہ تو مجمعٔ یاراں ہوا
پہ دل پُر درد کا کوئی نہ درماں ہوا

میر متقی کا ایک مربع مرثیہ ایک قدیم "بیاضِ مراثی" میں ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔ آغاز کے بند غائب ہیں۔ مقطع تک ۲۳ بند ہیں۔ مرثیہ خوشخط لکھا ہوا ہے لیکن متن میں املے کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں بہت سے مصرعے واضح نہیں ہیں۔

مرثیے میں ایک مشہور روایت کو منظوم کیا گیا ہے جب مدینے میں زہری نام کے ایک شخص کے یہاں مجلس میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام شریک ہوئے اور آپ فرش عزا پر بیٹھنے کے بجائے دروازے کے پاس تشریف فرما ہوئے۔

میر متقی نے پوری مجلس کا منظر بیان کیا ہے اور ذاکر نے جو کچھ مجلس میں پڑھا تھا اسے بھی بیان کیا ہے۔

میر متقی دہلوی کے غیر مطبوعہ مرثیے سے اقتباس

الغرض عصا پکڑ کر ہاتھ میں وہ ناتواں — جا گرا بابا کے قدموں پہ بچشم خونچکاں
اور لگا یوں عرض کرنے اے شہ لب تشنگاں — وہ جو دفتر ہے شہیدوں کا اُسے دیکھو ذرا

اکبر و اصغر کی لکھوا دی ہے جنت پہ برات — عابد بیمار کی رکھتے ہو یوں سست بات
ہاتھ میں پکڑو قلم اے بادشاہ نیک ذات — نقد جاں کرتا ہوں میں تسلیم از روئے رضا

عابدین کا سن بیاں وہ قبلۂ دنیا و دیں — چوم سر کہنے لگا اے میرے زین العابدین
تو تو اپنا سر کٹا رن بیچ از شمشیر کیں — تجھ سے بڑھنا ہے نبی کے خانداں کا سلسلہ

اس قدر کر لیو کہ جب توں ہاتھ میں لیجو مہار — کھینچیو اونٹوں کوں جاوے گا براہ خاردار
دیکھ کانٹے پاؤں کے اس دم بچشم اشکبار — مت میاں کیجو امامت کا کوئی تو مدعا

جس طرح دادا نے سر اوپر اٹھائے تھے ستم — جو چچا بولا نہ چالا جب دیا تھا اس کو سم
جس طرح میں مارتا ہرگز نہیں اس وقت دم — تو بھی راضی برقضا رہ آگے جو حق کی رضا

میری بہنوں کو جا میری تو سمجھو اے بچے — ماں کی خدمت بیچ حاضر رہیو دل اور جان سے
وہ جو ہے بیوہ تو ہاتھ اس کے سر پہ پھیرے — دم بدم دیجیو دلاسا اے میرے زین العبا

اور جو یہ پیاری ہے بادیدۂ گریاں ہے — جانتا ہے تو جو یہ میری سکینہ جان ہے
مرنے جاتا ہوں پہ اس بچی میں میرا دھیان ہے — یہ امانت میری رکھیو اپنی چھاتی سے لگا

تھا ابھی یہ بات کہتا جو ہوا وقت زوال — رن میں یوں بولی قضا اے حیدر صفدر کے لال
تجھ بنا اجڑا پڑا ہے عرصۂ قتل و قتال — آشنائی سے جو ہوئے معمور دشت کربلا

وہ صدا سُن کر لگا فرمانے اے عابدؔ میرے — اب میری الوداع سونپا خدا کو میں تجھے
یہ وصیت کر کے سرورؔ قتل گہہ پر جب گئے — کیا کہوں آخر ہوا سر اُس کا سجدے میں جدا

مار کے آلِ رسولؐ اللہ کوں وہ نابکار — دوڑے غارت کے خیمہ اوپر سب ایک بار
لوٹ کر کے عابدینؔ کے ہاتھ میں جب دی مہار — اُٹھ چلا لاچار ہو شدّت سے تپ کی کانپتا

جس گھڑی مقتل پہ پہنچا وہ پدر کا نوحہ گر — دیکھے کیا بھائی چچا سب تربتر ہیں خاک پر
بابا کی لاش اوپر جس دم گئی اُس کی نظر — کہتے ہی ندا آپلی اُس لاش کے اوپر گرا

کانپتا تھا تپ سے اور کہتا تھا یوں رو رو اُسے — تم تو خیمے میں ابھی مجھ کو وصیت کرتے تھے
کیوں نہیں اس وقت اُٹھ کے مجھ سے تم ہو بولتے — قتل گہہ کے آنے تک بابا جی تم کو کیا ہوا

رو چکا جب باپ کے لاشے پہ وہ عابدؔ امام — اُٹھ چلا لاچار آگے کر کے لاشے کوں سلام
کاٹ کر ڈگر راہ کے پہنچا وہ جب در شہرِ شام — حادثہ ایک اور اس کے سر پہ زنداں میں پڑا

بابا کا سر دیکھ جب بی بی سکینہؔ مر گئی — اپنی چھاتی سے لگا میت بہن کی ہر گھڑی
یوں پکارا اے بہن تو تھی امانت باپ کی — اب پدر کی لاش کوں کیا جا کے منہ دکھلاؤں گا

الغرض جب سن چکا یہ مرثیہ وہ سوگوار — اس قدر رو رو کے پیٹا جو ہوا غش ایک بار
ایک دم کے بعد کیا دیکھے وہاں وہ خانہ دار — اپنی مسند پہ نہیں وہ حضرت زین العبا

ہائے جس مظلوم کے سر پہ یہ گزرا ہو غضب — وہ نہ روئے تو کہو پھر کون روئے روز و شب
یاد آتے ہیں اسے جب اپنے سب رنج و تعب — رو رو غش ہوتا ہے وہ فرزند شاہ کربلا

غش کے اوپر گئی جب اس بچارے کی نگاہ — دیکھے کیا اس جا کھڑا ہے وہ امام دیں پناہ
اور ہر یک غش کوں دستِ مبارک سے وہ شاہ — جنت کرتا ہے زراہ لطف احسان و عطا

دیکھ کر وہ شکل صاحب خانہ کے اُڑ گئے حواس ذرتے ڈرتے پاس آکر کرنے لگا یوں التماس
اے امام دین و دنیا بادشاہ حق شناس کیوں معذب کرتے ہو ہم سب کو در روز جزا

حضرت زین العبا کہنے لگے رو رو اسے یہ میرے بابا کی مجلس ہے کہوں کیا میں تجھے
ہیں کھڑے اس مجلس ماتم میں خدمت کے لئے جد میرا دادا میرا دادی میری خیر النساء

اپنے بیٹے کے عزاداروں کو ہے اے نیک نام ساقی کوثر پلاتا پھرتا ہے پانی کا جام
پونچھتی پھرتی ہیں آنسو دختر خیر الانام مصطفٰے دیتے ہیں تم سب رونے والوں کو دعا

اے عزاداران شاہ تشنہ لب سن لو یہ بات یہ وہ مجلس ہے جو اس مجلس میں سب کی برأت
مغفرت کی ملتی ہے ہر ایک کو اس جا برات بندے سے آزاد تک اور شاہ سے لے تا گدا

جب نبیؐ و علیؑ گریہ خاطر رودیں اس گھڑی میں جو اُن کا خوردہ ہوں کیونکر کروں اس دم کی
قدر اس مجلس کی میں ہوں جانتا اے متقیؔ عرش و کرسی کے فرشتے یہاں کھڑے ہیں جا بجا

حواشی

١ عیار الشعرا از خوب چند ذکاؔ
٢ تذکرۂ ہندی از مصحفیؔ
٣ عمدۂ منتخبہ از اعظم الدولہ سرورؔ
٤ مجموعہ نغز از قدرت اللہ قاسمؔ
٥ یادگار شعرا از اسپرنگر
٦ طبقات سخن از مبتلاؔ
٧ قلمی بیاض مراثی از کتب خانہ ضمیر اختر نقوی

شاہ اکبر دہلوی کی مرثیہ نگاری

اکبر دہلوی، عرف میں مرزا بچھو اور بچھو میاں مشہور تھے، دہلی کے باشندے اور انتہا درجے کے ظریف تھے، مزاج میں شوخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، محمد شاہ بادشاہ دہلی کے نقیبوں میں شامل تھے اس کے بعد مرزا سلیمان شکوہ کے خواصوں میں داخل ہو گئے تھے، ان دنوں میں شاہ کمال ان سے ملے تھے سرور "عمدۂ منتخبہ" میں لکھتے ہیں کہ اکبر دہلوی اپنے مکان پر مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے۔ مصحفی نے "تذکرۂ ہندی گویاں" میں لکھا ہے کہ جب مصحفی ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء میں دہلی پہنچے تو سب سے پہلے اکبر دہلوی نے اُن کی شاگردی اختیار کی اور مصحفی کے یہاں کے مشاعرے میں شریک ہوتے رہے مگر کچھ مدت اصلاح لینے کے بعد شاہ حاتم دہلوی کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے اور رموز شعر و سخن سے کماحقہ واقفیت حاصل کی، قدرت اللہ قاسم دہلوی "مجموعۂ نغز" میں لکھتے ہیں کہ ان کی شوخ مزاجی و خوش طبعی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ دوسروں کے اشعار اپنے نام سے پڑھ دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے، ان کے کلام کا اندازہ وہی ہے جو اس زمانے میں عام تھا۔ اکبر دہلوی کے دیوان کا سراغ اب تک کسی کتب خانے سے نہیں ملا۔ ان کے ایک قصے کا پتا چلتا ہے جس میں ایک افیونی کا ذکر ہے اس کا مخطوطہ انڈیا آفس لندن میں ہے۔ فہرست نگار نے اس کے مصنف کا نام مرزا بچھو بیگ اکبر لکھا ہے۔ خیال ہے کہ یہ مثنوی ہے۔

کریم الدین نے "طبقات شعرائے ہند" میں لکھا ہے :-

"اکبر تخلص ایک شخص کا عوام سے حاجی شاہ اکبر جو کہ مشہور ہے بچھو نام سے ہے، مصحفی کہتے ہیں یہ شخص دہلوی خوش طبع رنگیلا اور پسندیدہ آدمی تھا، نقیبوں میں حضور پرنور یعنی محمد شاہ کے نوکروں میں منسلک تھا، شاگرد شیخ ظہور الدین حاتم مشہور مصنف اشعارات صوفیانہ کی صحبت سے اُس نے بڑا فائدہ دینداری اور اصلاح شعر کا اٹھایا، شاہ حاتم کے اچھے

شاگردوں میں سے ہے، جبکہ مصحفی نے مشاعرہ دہلی میں مقرر کیا تھا اکبر دہلوی نے اول اپنے شعر پیش کیئے تھے، شوخ طبع اس درجے کا ہے کہ اشعار اساتذۂ مشہور کے اپنے نام سے پڑھنے میں کچھ پروا نہیں کرتا، چنانچہ چاشنی اس کے کلام سے ظاہر ہے، اکبر دہلوی صاحب دیوان ہے، شاعری قدما کے طرز پر ہے، کنایہ اور شکل تشبیہات سے مملو اشعار مصحفی کو پسند آئے"

اسپرنگر نے "یادگار شعرا" میں لکھا ہے:۔

"اکبر، شاہ بجھو یا میاں، شاگرد حاتم، جب تک دہلی میں رہے مشاعرہ کرتے رہے (تذکرہ سرور) جب تک مصحفی دہلی میں تھے، وہ اکبر دہلوی کی نظمیں صحیح کرتے تھے۔ اکبر دہلوی نے ایک دیوان لکھا ہے، اس کا طرز پرانا ہے اور ذو معنی الفاظ سے خراب ہو گیا ہے"۔

نساخ نے "سخن شعرا" میں یہی بیان دُھرایا ہے:۔

"اکبر، مرزا بجھو دہلوی شاگرد حاتم بڑے ظریف تھے"۔

ناصر نے "خوش معرکہ زیبا" میں غلطی سے انھیں "شیخ" لکھ دیا ہے، شاعری کی تعریف کی ہے اور انھیں "خوش سخنور" لکھا ہے۔

تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ وہ "مرزا" تھے، لیکن "شاہ" اُن کے نام کا جزو ہے، کریم الدین کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ وہ "حاجی" بھی تھے۔ کسی تذکرہ نگار نے ان کی مرثیہ نگاری کا ذکر نہیں کیا۔ کریم الدین نے لفظ "دینداری" لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر دہلوی نے مرثیہ نگاری کا فن بھی شاہ حاتم دہلوی سے حاصل کیا ہوگا۔

سید یوسف حسین وصفؔ نوگانوی نے مرثیہ گو شعرا کے تذکرے میں جو قلمی ہے "حزنیہ نگاری" میں اکبر دہلوی کی مرثیہ نگاری کا ذکر کیا ہے اور ایک مرثیے سے دو بند بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ یوسف حسین وصفؔ لکھتے ہیں:۔

"اکبر دہلوی، بجھو ان کا لقب پڑ گیا تھا۔ مزاج میں شوخی، طراری تھی، لطیفہ گوئی کی طرف میلان تھا، شاہی ملازم تھے، پہلے مصحفی امروہوی سے مشق سخن کی پھر کلام شاہ حاتم کو دکھانے لگے اور کلام میں خوبی پیدا کی۔ (حزنیہ نگاری قلمی)

یوسف حسین وصفؔ نے جس مرثیے سے انتخاب کیا ہے اس مرثیے کا مطلع ہے

قافلہ اہل حرم کا جب مدینے کو پھرا

یہ مرثیہ اکبر دہلوی کا قلمی ہمارے کتب خانے میں موجود ہے، ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ میں اکبر دہلوی کے چار مرثیے قلمی ہیں، یہ مرثیے شمس آباد کے ذخیرے سے مسعود حسن ادیبؔ کو حاصل ہوئے تھے اب یہ مرثیے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہیں، اکبر دہلوی کے چاروں مرثیوں کے مطلع اور تعداد بند مندرجہ ذیل ہے :۔

۱۔ کہیں بانوؑ اے نیک خو میرے اصغرؑ ۴۵ بند قریب مسدس مکفوف

۲۔ جب قتل گہہ میں قافلہ آیا لٹا ہوا ۵۰ بند مربع مضارع

۳۔ زہراؑ کہتی عدن سے آئی پیارے ۴۳ بند مربع قریب مسدس مکفوف

۴۔ قافلہ اہل حرم کا جب مدینے کو پھرا ۵۵ بند مربع رمل

مرثیہ

مطلع :۔ ” قافلہ اہل حرم کا جب مدینے کو پھرا “

(بحر رمل مثمن مقصور محذوف)

۱ تم بھی اپنے اونٹ بٹھلاؤ کہ آج اس جا رہیں
خیمۂ شاہِ شہیداں ہم یہاں برپا کریں
اُمّ سلمٰی پاس بھی یاں سے کسی کو بھیج دیں
تا خبر ہو سب کو آیا بیکسوں کا قافلہ

۲ یہ کہا اور عابدینؑ نے کر کے اس جا کو قیام
اہلبیتِ مصطفےؐ کو لا اُتارا در خیام
جوُن سے خیمے میں تھے شبیرؑ رہتے صبح و شام
اس کو اہلبیت کی نظروں سے تھا پنہاں کیا

۳ خیمہ بھی اُجڑا ہوا ایستاد ہے بے شاہ کا
واں جو مسند پر نہ دیکھا وہ محبّ اللہ کا
ایک شعلہ ایسا بنا زین العبا کی آہ کا
جس دھویں نے آسمانِ رب کو نیلا کیا

۴ مسندِ خالی پر اپنے منھ کو دھر کر ایک بار
یاد کر بابا کو پھر تو ایسا رویا زار زار
جس کے رونے سے ہوا شرمندہ ابرِ نو بہار
کیونکہ وہ تنہائی ہے اور پھر رہا رونا سدا

۵ دیکھ کر زین العبا کو بانوؒ روتی تھی کھڑی
اس طرح آنسو تھے جاری جیسے ساون کی جھڑی
اتنے میں جا کر نظر زینبؑ کی مسند پر پڑی
ہائے بھائی جان کہہ کر گر پڑی اور غش کیا

۶ دیکھی جوں بابا کی مسند روئی قاسمؑ کی دولھن
گاہ تکیے سے لپٹ کر رو کے یوں بولی سخن
جاؤں اس مسند کے میں قربان یا شاہِ زمن
جوں سکینہؑ کاش کہ مجھ کو بھی تم لیتے بلا

۷ جیوں خبر پہنچی مدینے میں کہ آئے اہلِ بیت
پر نہیں معلوم ہے کچھ ماجرائے اہلِ بیت
گھر سنوارا اپنا ہر یک نے برائے اہلِ بیت
تھے بنی ہاشم جتے سب بیٹے آنے پیشوا

۸ فاطمہ صغراؑ کو جب پہنچی خبر اے مومناں
یعنی آیا کربلا سے باپ کا سب کارواں
بولی اے نانی شتابی لے چل اب مجھ کو وہاں
شہر سے باہر اترنے کا نہ سمجھی مدعا

۹ اُمِّ سلمیٰ لے اسے جب شہر سے باہر گئی
وہاں جو صغراؑ کی نظر اس سونے لشکر پر پڑی
خیمہ سونا دیکھ کوئی جاتی لڑکی مر گئی
ہوش جب آیا تو دیکھا روتے سب کو برملا

۱۰ پھر جو اس دُکھیا نے باندھا اپنے دل میں یہ خیال
میرا بھائی مرد جہاں دیدہ ہے سروڑ کی مثال
دیر جب گذری کیا بھائی سے رو رو یہ سوال
میں تم اوپر تصدّق اے میرے زین العبا

۱۱ کیا تمھیں یہ کہہ دیا تھا مجھ باہر مقام
مجھ سے کہہ وہ کس جگہ اُترا میرا بابا امام
ہائے وہ اب تک نہ آیا بلکہ ہوئے آئی شام
کیا مگر کوئی در انھوں نے اور پسند کر لیا

۱۲ اب جو بابا میرا اس جا سے کتنی دور ہے
جس کی دوری سے میرے دل میں پڑا ناسور ہے
خیمے اندر کس کی اب فریاد ہے اور شور ہے
کیا کوئی اصحاب واں بابا کا ہے مارا پڑا

۱۳ دل میں تھا جس دم دیکھوں گی قافلہ سالار کو
یعنی اپنے باپ ابن حیدرِ کرّارؔ کو
یوں گلا اپنا سناؤں گی میں اس غمخوار کو
تم نے مجھ کو پاس اپنے کیوں نہ بلا کر رکھا

۱۴ آخرش ملی نہ سکینہ جو بہن سے ہے چھُٹی
اس کو اپنے ساتھ لے گئے پر خبر میری نہ لی
ایک طرف تپ دوسرے خواہش تمھارے وصل کی
بارے جلدی بھیجو ورنہ میں کہاں اور تم کجا

۱۵ پھر میں کہتی تھی جو ابّا یہاں گھر میں آویں گے
• تب میرے ملنے کی خاطر ہاتھ وہ پھیلاویں گے
مجھ بہن روتی سے اُن کو لوگ جب ملواویں گے
تب بلائیں لے کہوں گی مرحبا صد مرحبا

۱۶ پھر چچا عباسؑ کے میں لگ گلے سے روؤں گی
آنسوؤں سے اپنے میں ان کا گریباں دھوؤں گی
دیکھنے والوں کا ہوش اس طرح سے جب کھوؤں گی
تب تو جانیں گے بھتیجی کا ہے یہ پیارا چچا

۱۷ کربلا میں بیاہ کر دولھن کو لے آئے جو تھے
بھائی قاسمؑ سے گلا خواہر کرے گی دیکھیو
سب گلا جب کر چکیں گے تب کہوں گی نیگ دو
دیکھئے اس کا جواب، اب مجھ کو وہ دیتے ہیں کیا

۱۸ پھر یہ نیت ہے کہ جب میں بھائی اصغرؑ سے ملوں
اور میں ناشاد اُس کو گود میں جب اپنے لوں
گر نہیں مال دولت جان کو صدقے کروں
یہ ارادہ میرے دل میں اب مصمم ہے بڑا

۱۹ اس طرح سے درد کی باتیں وہ دُکھیا سوگوار
رو رو کہتی تھی جی سے اپنے ہو کر بے قرار
درد سے اس کے ہوا اپنا بیگانہ اشک بار
کیوں کہ وہ باتیں نہ تھیں، تھا درد و غم کا مرثیہ

۲۰ دیکھتی کیا ہے کہ خیمہ ہے پہ وہ سرورؑ نہیں
قاسمؑ و عباسؑ اور بھائی علی اکبرؑ نہیں
پھر جو اپنی ماں کو دیکھا گود میں اصغرؑ نہیں
ناک میں نتھ بھی نہیں اور خاک سے منھ ہے بھرا

۲۱ رو رو اماں کے گلے سے لگ کر یوں کرتی تھی بین
کیا ہوا اب تک نہیں آیا میرا بابا حسینؑ
گود خالی ہے تمہاری کیا ہوا وہ نورِ عین
یا کسی کی تم نے فرزندی میں اصغرؑ کو دیا

۲۲ اے اماں خط مرا بابا نے پڑھا تھا یا نہیں
سُن کر سب احوال کچھ کہا تھا یا نہیں
پھر وہ مضمون بھائیوں نے بھی سُنا تھا یا نہیں
مجھ کو بتلاؤ انھوں نے کچھ کہا تو نہیں تھا

۲۳ ماں نے رو رو کر کہا بیٹی سُن اب مجھ سے بیاں
جب ترے بھائی چچا ڈوبے لہو کے درمیاں
تیرا خط پہنچا یہاں سے بروز تشنہ لباں
جس گھڑی اس کا نہ کوئی مونس و غم خوار تھا

۲۴ ساربان نے خط تیرے بابا کو جیوں لا کر دیا
اس کو پڑھ کر اپنی آنکھوں سے لگا کر رو دیا
اس تحمل والے نے صبر اپنا اُس دم کھو دیا
اور طرف لاشوں کے آکر پھر وہ مضموں سب پڑھا

۲۵ پھر ترے بابا کو تنہا واں جو پایا ہائے ہائے
تن سے اس کا ایک باری سر کٹانا ہائے ہائے
پھر اس اُمّت نے ہمارا گھر لوٹا ہئے ہائے
یاں تلک آنے کا سب احوال صغرؔا سے کہا

۲۶ سُن کر یہ سب ماجرا اک بار وہ رہ گئی خموش
پھر جو اس دُکھیا کے دل میں آیا اک الفت کا جوش
بولی رو رو یہ سخن اور کچھ نہ بھایا اس کو ہوش
یعنی نہ رہی تاب، ہے رُخِ مدینہ بھی کیا

۲۷ فاطمہ صغرؔا کو جب دیکھا کہ بیخود ہے کمال
ماں نے رخساروں سے پونچھے اس کے آنسو لال لال
ہوش جب آیا تو بولی اماں سے ہو کر نڈھال
ہاں اماں قافلہ سالارِ لشکر کیا ہوا

۲۸ اک طرف تو اذن ملنے والوں کی عجب ہے دھوم دھام
اک طرف زین العبؑا بھائی امام ابنِ امام
اک طرف تھا فاطمہ صغرؑا کے سر پر اژدھام
اپنے بھائی کے زبوں احوال پر رو روکر کہا

۲۹ شہر کے جتنے تھے مرد اور زن وہاں روتے ہوئے
اہل بیتِ مصطفٰےؐ کو پھر مدینے لے گئے
مو پریشاں، خاک بر سر سب گریباں چاک تھے
تربتِ خیرالورا پر پہلے جا ماتم کیا

۳۰ پھر سُنایا عابدیں نے یہ نواسے کا پیام
یعنی بابا نے تمہیں ہے کہہ دیا بعد از سلام
کہ میرے نانا تیری اُمت نہ آئی میرے کام
باوجود آں کہ میں نے اُن کی خاطر سر دیا

۳۱ کہہ چکا پیغام سارا جب کہ زین العابدینؑ
جد کی تربت سے یہ نکلی ایک آوازِ حزیں
کہ میرے زین العبؑا اس بات کو تو کر یقیں
ایسے نانا کا نواسہ جیسے کہ شبیرؑ سا

۳۲ اس کے بابا نے ہی میرے دین کو دے کر رواج
تا قیامت کر دیا جاری مرا دنیا میں راج
اب شہادت کا خلف نے اُس کے پایا تخت و تاج
جب اٹھائی خاکساری تب ملا یہ مرتبا

۳۳ پھر وہاں سے ماں کے روضے میں ہوا سب کا گذر
تھا جنوں کے نوحے سے ارض و سما میں الحذر
کربلا کا ماجرا جب کہہ چکا وہ سر بسر
تب حسنؑ کے روضے آکر بھائی کا مرنا کہا

۳۴ آگے ان کا حال مجھ سے ہو نہیں سکتا بیاں
جن کے غم سے تھرتھراتی ہے میرے منھ میں زباں
ہے تہی دست تو اگر اکبرؔ در ہر دو جہاں
داد رس تیرا ہے وہ شاہ شہید کربلا

اکبر کا یہ مرثیہ ذخیرۂ مسعود حسن ادیب میں ہے۔ نمبر ۲۶۰ا ھ ہے۔

مرثیہ

کہیں بانوؑ اے نیک خو میرے اصغرؑ　　کچھ اپنے تو دل کی کہو میرے اصغرؑ
تو جاگ اتنا نہ سو میرے اصغرؑ　　ماں صدقے تجھ پر سے ہو میرے اصغرؑ
تیرا چُپکا رہنا گوارہ نہیں ہے
جو ہو نہ تیری آئے تو چارا نہیں ہے

سُلاؤں تک اپنی اماں سے تو بولو　　یہ ہچکی ہے کیسی گرہ دل سے کھولو
جو مرتے ہو تو ماں سے رخصت تو ہولو　　اٹھو میرے اصغرؑ اٹھو میرے اصغرؑ
تھی اب تک تو اماں سے وہ گرم جوشی
یکایک تمھیں آگئی کیوں خموشی

نہ کروٹ ہو لیتے نہ ہنکار دی ہے　　نہ کل سے خبر اپنی اماں کی لی ہے
یہ تم جاگتے ہو کہ آپ کو خواب لگی ہے　　جواب اپنی اماں کو دو میرے اصغرؑ
لیا دودھ کا بھی نہ مجھ کو اشارہ
نہ پھر ماں مجھے کہہ کے تم نے پکارا

خادم علی خادم دہلوی کے غیر مطبوعہ مرثیے

شیخ خادم علی نام تھا اور خادم تخلص۔ تقریباً دس تذکروں میں ان کا نام خادم علی لکھا ہے۔ سرور اور قاسم نے انھیں "شیخ" کہا ہے لیکن شیفتہ، باطن، کریم الدین اور عشقی نے خادم کے نام کے ساتھ "خان" کا اضافہ کیا ہے۔ ان کے اصلی وطن کے سلسلے میں [illegible] کی قلمی بیاض میں مرادآباد درج ہے۔ عشقی نے انھیں پنجاب کا لکھا ہے۔ قاسم، ناطق، سرور، کریم الدین، اسپرنگر، نساخ نے ان کا وطن "کیتھل" بتایا ہے۔ خادم ملازمت کے سلسلے میں کچھ عرصے فرخ آباد میں رہے۔ فرخ آباد کے قیام کی وجہ سے آخر تذکرہ نگاروں نے خادم کو فرخ آبادی سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ خادم دلی کے رہنے والے تھے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی تھی۔

خوب چند ذکا لکھتے ہیں:

"خادم کا وطن کیتھل تھا لیکن انھوں نے دلی میں پرورش پائی تھی۔ ان کے چچا کو نواب بنگش کے یہاں سے پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ خادم نواب مظفر جنگ کے یہاں ملازم ہیں اور سو روپے تنخواہ پاتے ہیں۔" (عیار الشعرا) قدرت اللہ قاسم نے خادم کی تنخواہ روپے ماہانہ بتائی ہے۔ (مجموعہ نغز)

شیفتہ لکھتے ہیں:

"خادم، نواب ناصر جنگ بنگش کے استاد تھے جو فرخ آباد شہر کے حکام میں سے تھے اور اس لئے خادم شہر میں معتبر سمجھے جاتے تھے۔" (گلشن بے خار)

باطن لکھتے ہیں:

"خادمؔ، ساکن فرخ آباد، نواب ناصر جنگ بخش کے استاد، ان کے نمک بندی کا شور حلاوت، فارسی میں یہ زور"۔ (گلستانِ بے خزاں)

خادمؔ کی قابلیت اور شاعرانہ مرتبہ

کریم الدین لکھتے ہیں:

"بہت قابل تھے........ انشا پردازی میں بہت حوصلہ رکھتے تھے خط نسخ اور نستعلیق اور شفیعہ اور تعلیق اور شکستہ میں دست قدرت حاصل تھی"۔ (طبقات الشعرائے ہند)

خادم نے فارسی اور اردو میں شاعری کی اور دونوں زبانوں کا دیوان موجود تھا۔

کریم الدین لکھتے ہیں:

"ایک دیوان فارسی اور دیوان ریختہ دونوں رکھتے ہیں"۔ (طبقات الشعرائے ہند)

اسپرنگر لکھتے ہیں:

"انھوں نے اردو اور فارسی کے دیوان لکھے ہیں"۔ (یادگار شعرا)

سعادت یار خاں ناصرؔ لکھتے ہیں:

"فکر صحیح، طبیعت سالم، خادم علی تخلص خادمؔ"۔ (خوش معرکۂ زیبا)

سیّد علی حسن خاں لکھتے ہیں

"خادمؔ، حافظ قرآن بھی تھے"۔ (صبح گلشن)

قدرت اللہ قاسمؔ لکھتے ہیں

"دیوان اُردو اور فارسی دونوں دیوان ردیف وار مرتب کیے ہیں"۔ (مجموعۂ نغز)

خادمؔ، میر تقی میرؔ کے شاگرد تھے

کریم الدین لکھتے ہیں:

"اشعار اپنے نظر فیض اثر سخن سنج بے نظیر محمد تقی میرؔ کے سے گزارتے تھے"۔ (طبقات الشعرائے ہند)

ناسخ لکھتے ہیں

"شاگرد میر تقی میرؔ، دہلی میں تربیت پائی تھی، بیشتر خطوط میں دخل رکھتے تھے۔ صاحب دیوان گزرے"۔ (سخن شعرا)

ڈاکٹر صفدر آہ لکھتے ہیں :

"صغیر بلگرامی نے 'جلوۂ خضر' میں انھیں میر کا شاگرد بتایا ہے، بڑے اچھے خطاط تھے"۔ (میر اور میریات، ص ۱۹۴)

خادم، کے عادات و اطوار

تذکرہ نگاروں نے خادم کے اخلاقیات کی بہت تعریف کی ہے۔ قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں :

"مرد قابل، خلیق و مہربان و شفیق و متواضع و نیک اختلاط مودب و کرم ارتباط واقع شدہ"۔ (مجموعہ نغز)

خادم کی غزلوں سے انتخاب

ہمیں کار دنیا سے کیا کام آیا مگر ایک لینا ترا نام آیا

ہو غریق رحمت پروردگار آج ساقی کا پیالا ہو گیا
ہائے رے غفلت ترا خانہ خراب قافلہ جاتا رہا میں سو گیا

آگے تو تھی ہی برسر پیچش کمند زلف پیچھے پڑی ہے کاہے کو کاکل بلا کی طرح

عاشق ہوا ہوں ایک قد بالا بلند پر صد آفریں ہے میری بھی عالی پسند پر
ہے عزم اُس مکاں کا دل ناتواں کو آہ جس جا نہیں مجال کہ مارے پرند پر
چھاتی پہ اُس کی یاد میں پھرتا ہے سانپ سا
ہے گو کھروکی لہر جو اس سینہ بند پر

فصل خزاں میں عندلیب مرگئی گل کے ہجر میں غسل اب اُس کو باغباں دیجیو تو گلاب سے
بند ہوا نہ صبح تک دیدۂ ماہ پھر ذرا رات کہیں جو کھل گیا یار کا منھ نقاب سے

سی پارۂ دل میرا کرتی ہے وہ زلف ابتر سچ ہے ہندو کے آگے کیا تعظیم ہو مصحف کی

کتب خانہ شمس آباد کی قلمی بیاض "ذخیرۂ ذاکری" میں لکھا ہے کہ:

"شیخ خادم علی، مراد آباد کے رہنے والے تھے، شاگردِ احسانؔ زمانہ، آصف الدولہ بہادر میں سرکار راجہ جھاؤلال میں بہ منزلۂ ذاکران ملازم تھے"۔

خیال یہ ہے کہ وہ غزل میں میر تقی میرؔ کے اور مرثیے میں احسانؔ کے شاگرد تھے۔ شمس آباد، فرخ آباد میں ہے، قریبی اطلاع زیادہ مستند سمجھی جائے گی۔ لکھنؤ میں مرثیے کا ارتقا خادمؔ کے لئے ملازمت کا سبب بن گیا۔ انھوں نے بہت زیادہ تعداد میں مرثیے اور سلام تصنیف کئے۔ قلمی بیاضوں میں ان کے مرثیے خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کے قلمی مرثیے علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ میں اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

ہمارے ذاتی کتب خانہ میں اُن کے تقریباً ۱۴ مرثیے غیر مطبوعہ قلمی صورت میں موجود ہیں جن کی تفصیلات حسب ذیل ہے:

خادمؔ کے مرثیے

	مطلع	بند	بحر
	ا		
۱	ایک دن شبیرؑ کا جھولا جھلاتی تھی بتولؑ	۳۷	رمل مثمن مقصور
۲	اک کتاب معتبر میں یہ روایت ہے لکھی	۴۰	رمل مثمن مقصور
	ب		
۳	بعد شہادت حسینؑ کہتے تھے زین عابدینؑ	۴۱	رجز مثمن مطوی مخبون
	پ		
۴	پایا جب عباسؑ نے یارو لوائے حسینؑ	۳۵	بسیط مثمن مطوی
	ج		
۵	جب آئی رات شہادت کی تب حسینؑ امام	۴۵	مجتث
۶	جہاز آل احمدؐ کا رہا جب ناخدا تنہا	۴۱	ہزج مثمن سالم
۷	جو دوست دوست سے اے دوستو جدا ہوئے	۳۰	مجتث
	ح		
۸	حسینی فوج سے غازی جو رن میں سر نکالے تھا	۳۴	ہزج مثمن سالم

ر

۹ رہا جو زینِ عبا شاہ بیکساں تنہا ۴۴ مجتث

س

۱۰ سوار جب ہوا گھوڑے پہ شاہ عرش مقام ۲۹ مجتث

ع

۱۱ عرض کی عباسؑ نے کہ یا حضرت امام ۴۳

ق

۱۲ قاسم بزار رخصت ہو کر جب میداں کی طرف چلا متقارب اثرم اثلم مقبوض شانزدہ رکنی

گ

۱۳ گودی میں ماں کی بی بی سکینہؑ جو سو گئی ۴۱ مضارع

و

۱۴ وہ جو جو صف تھا حسینؑ کا نہ تو دیدہ نہ شنیدہ ہے ۳۶ کامل مثمن سالم

مرثیوں سے انتخاب

بعد شہادت حسینؑ کہتے تھے زین عابدینؑ میرے پدر کی لاش کو گور نہیں کفن نہیں
اہل حرم برہنہ سر کرتے ہیں نالۂ حزیں میرا یہ حال ہے کہ ہوں ضعف سے مرگ کے قریں

یک دل و خیل آرزو دل بہ چہ مدعا دہم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

جب آئی رات شہادت کی تب حسینؑ امام قضا سے سن کے شہادت کا کربلا میں پیام
خدا کی یاد میں کرنے لگا وہ رات تمام قریب صبح کے فرما اٹھا یہ رو رو کلام

کہ اے عزیزو میری تم سے صبح رخصت ہے
یہ رات ہے جو ملاقات کی غنیمت ہے

الٰہی جس گھڑی وقت شہادت آ پہنچے قدم حسینؑ کا راہ رضا سے ٹک نہ ڈگے
پدر کا ورثہ پسر کو ملا یہ خلق کہے جہاں میں تا دم محشر یہ یادگار رہے

علیؑ کی طرح سے سر کو کٹا امام حسینؑ
علیؑ کے ورثہ کا وارث ہوا امام حسینؑ

جو کاٹنے لگے خنجر سے میرا سر قاتل — تو لوہو دیکھ نہ گھبرا دے مجھ شہید کا دل
جو امتحان میں ثابت رہوں تو ہو واصل — ہو مجھ کو رتبہ شہادت کا جو کہیں حاصل

خدا کی راہ میں شبیرؑ نے کٹایا سر
ہوئی ہے ختم شہادت حسینؑ کے اوپر

گودی میں ماں کی بی بی سکینہؑ جو سو گئی — لوہو بھری حسینؑ کی صورت نظر پڑی
بے اختیار بیٹی پدر کے گلے ملی — گردن کو دیکھا کٹ کے ہے تن سے جدا ہوئی

اس کٹ گئے گلے سے ہے سیلاب خوں رواں
دریائے خوں میں ڈوب گیا ہے گا بابا جاں

زخموں کے مارے سارا بدن چور چور ہے — لوہو میں تر بتر وہ محمدؐ کا نور ہے
بہنے کا خوں کی اُس کے بدن سے وفور ہے — بے سر کھڑا وہ حیدرؑ صفدر کا پور ہے

ٹکڑے ہوا ہے زخموں سے شبیرؑ کا بدن
سر کٹ کے تن نیارا ہوا اور سر سے تن

کُرتے سے لوہو پونچھ سکینہؑ نے رو کہا — اے بابا جان حال تمھارا یہ کیا ہوا
احمدؐ کا بوسہ گاہ تھا یہ نازنیں گلا — کس طرح اس پہ خنجر فولاد ہے چلا

اے بابا آج شکل تیری کیوں بدل گئی
دیکھی تھی جو تمھاری وہ صورت نہیں رہی

وہ جو حوصلہ تھا حسینؑ کا نہ تو دید ہے نہ شنید ہے — کہا دیکھ آئینہ تیغ کا مجھے حسن ناز کی دید ہے
جو لہو گلے سے رواں ہوئے تو وہ عاشقوں کو یہ عید ہے — جو نثار سجدے میں سر کرے وہ امام ہے وہ شہید ہے

جو کہا حسینؑ نے زباں سے وہی بات کرکے دکھا دیا
ہو رضا پہ راضی لٹا کے سر رہِ حق میں گھر بھی لٹا دیا

سلام

لبِ سلام اس پہ جو ہے نام و نشاں شبیرؑ کا — بے گنہ پابند ظالم نے کیا زنجیر کا
طوق گردن میں پہنایا اس ولی اللہ کے — یہ رکھا پاس ادب امت نے بر حق پیر کا

مہدی علی خاں عاشق دہلوی
کا ایک ہندی مرثیہ

مہدی علی خاں عاشق دہلوی کا تعلق دہلی کے ایک ممتاز گھرانے سے تھا۔ وہ دہلی کے مشہور امیر و رئیس نواب علی مردان خاں (م ۱۰۶۷ھ) کے نواسوں میں تھے[1]۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ ہر شخص سے خوش خلقی سے پیش آتے اور خلوص و محبت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ان کا شمار شعرا اور ذی علم حضرات اور ارباب ذوق میں ہوتا تھا۔

عاشق دہلوی کی وضع داری ضرب المثل تھی۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کے زمانے میں ان کے گھر پر دو برس تک ہر جمعہ کو باقاعدہ مشاعرہ ہوتا رہا۔ اس میں شہر کے تمام معزز اور مشہور شعرا شریک ہوتے تھے[2]۔ خوب چند ذکا دہلوی اور اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں سرور بھی ان مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ عاشق دہلوی نے بڑی سے بڑی پریشانی کے عالم میں بھی ان مشاعروں کو کبھی موقوف نہیں کیا۔ حد یہ ہے کہ صبح کو مرحوم بیٹے کا ماتم کیا اور ظہر کے بعد مشاعرہ منعقد کیا[3]۔

قدرت اللہ قاسم دہلوی نے اپنا تذکرہ "مجموعۂ نغز" ۱۲۲۱ھ میں مکمل کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ عاشق دہلوی کی وفات کو چار سال ہوئے[4]۔ گویا ان کی وفات ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۷ھ کے لگ بھگ ہوئی چاہیے۔

عاشق دہلوی اردو اور فارسی دونوں ہی زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اردو کے تین اور فارسی کے دو دیوان مرتب کیے تھے۔ "حملۂ حیدری" جیسی ضخیم کتاب کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ چند مثنویاں بھی تصنیف کی ہیں۔ ان میں یوسف زلیخا، حملۂ حیدری، لیلیٰ مجنوں، خسرو شیریں وغیرہ اردو میں نظم کی ہیں[5]۔ "شاہنامہ" کو بھی اردو میں منتقل

کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ اسپرنگر نے ایک اور مثنوی کا بھی ذکر کیا ہے جس میں لکھنؤ کا بیان تھا۔ ایک تذکرہ ان شاعروں کا لکھا تھا جو ان کے گھر کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے[۶]۔ سرورؔ لکھتے ہیں کہ نظم میں ان کے کوئی دو لاکھ شعر میری نظر سے گزرے ہوں گے۔ عاشقؔ دہلوی کا کلام مرثیہ، سلام وغیرہ بلکہ سارے اصناف شاعری پر مشتمل تھا[۷]۔

عاشقؔ دہلوی مضمون آفریں شاعر تھے۔ شعر میں محاورات اور روزمرہ خوب نظم کرتے تھے زبان بہت اچھی تھی[۸]۔ غزلوں کے بعض اشعار تذکرہ نویسوں نے نقل کیے ہیں۔

میر قدرت اللہ قاسمؔ دہلوی نے بھی تفصیل سے عاشقؔ دہلوی کے حالات اپنے تذکرے "مجموعۂ نغز" میں تحریر کیے ہیں۔

مہدی علی خاں مرحوم است وے مردے بود از خاندان عالی شان نواب غفران مآب علی مردان خان بغایت نیک ذات ونہایت ستودہ صفات خوش خلق شیریں گفتار کشادہ رو نیکو کردار متواضع یارباش مہذب پاکیزہ معاش متصف باوصاف حمیدہ متخلق بہ اخلاق پسندیدہ بہرکس بمواسا پیش می آمد وبہر یک از در مدارا می درآمد ظن غالب بلکہ یقین واثق کہ از وے غیر کمینہ بے حیا وسفیہ بے سروپا بد نخواہد بود خیال شعر گوئی خلیے در کاخ دماغش جاداشت سہ دیوان ریختہ و دو دیوان فارسی از وے بر صفحہ روزگار ثبت افتادہ وبیرون ازیں حملۂ حیدری و یوسف زلیخا ولیلی مجنوں وخسرو شیریں بزبان ریختہ در رشتہ نظم کشیدہ وعزم بالجزم نظم شاہنامہ پیش نہاد خاطر عاطر داشت اما "عمر وفا نہ" کرد مخلص کلام نوعے از انواع شعر نیست کہ وے موزوں نہ کردہ قریب دوازدہ سال بلاناغہ روز جمعہ بانعقاد مجلس مشاعرہ بخانہ خود پرداخت و بیچ مانع قوی بل اقوی موقوف نہ ساخت حتی کہ صبح فاتحہ سیوم فرزند ارجمند خود نمودہ وبعد ظہر مجلس مراختہ منعقد فرمود قلم حقایق رقم از تحریر خصوصیاتش بسر نمی آمد زبان فصاحت بیان در تحریر اوصاف مختصر وے بقصور اعتراف می نماید عرصہ چار سال است کہ داغ جدائی بر دل کلفت منزل دوستاں جانی گذاشتہ وبگلزار جاوداں بہار فردوس جناں خرامیدہ خدائش رحمت کناد دہ بیت از زادہائے طبعش دریں جا اتفاق تسطیر افتاد منہ عفی عنہ۔

عاشقؔ دہلوی کے حالات کے سلسلے میں نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرورؔ اپنے تذکرے "عمدۂ منتخبہ" میں لکھتے ہیں:

عاشقؔ تخلص، مہدی علی خان مرحوم، از نبایر نواب علی مردان خان مغفور، شخصے از

خاندان بزرگ، بہ اخلاق حمیدہ موصوف و بہ خوش خلقی مشہور و معروف۔ باہرکس اخلاق و محبت مرعی می داشت۔ مرد عاقل و دانا و شاعر و متواضع و مودب و علیم بود۔ تصانیفش قریب دو لکھ بیت بہ نظر راقم در آمدہ۔ مشتمل بر سہ دیوان ریختہ و دو دیوانِ فارسی و حملۂ حیدری بہ زبانِ ہندی۔ و دیگر مثنویات متعددہ۔ الغرض کہ ہمہ اقسام اشعار مثل سلام، مرثیہ وغیرہ موزوں کردہ۔ عجب آشنائے باصفا بود۔ در خانہ اش مجلس مشاعرہ تامدت دو سال بلاناغہ روز جمعہ منعقد می شد۔ تمام موزوں طبعان شہر شریک (ورق ۱۸۷ ب) محفل مسطور می گشتند۔ مولف ہم مدام در آں جامی رفت۔ قریب دو سال منقضی شدہ کہ پیانۂ عمر آں بے خوارۂ مصطبۂ شاعری ساقی اجل لبریز نمود۔ جنت بریں نصیبش باد:

دن تو جوں توں کے کٹا رات پھر آئی سر پہ   آفت تازہ جدائی مرے اللّٰہ سر پہ

یہ برگ گل نہیں ہیں زمیں پر جھڑے ہوئے   بلبل کے لخت دل ہیں زمیں پر پڑے ہوئے

یقیں ہے کب ہمارا لیکے ماتم آپ رو وینگے   مثال شمع اپنی خاک پر ہم آپ رو دیں گے

کشتۂ عشق کی کچھ سب سے ہے تصویر جدا   سر جدا ہاتھ جدا پاؤں کی زنجیر جدا

چمن میں کل جو وہ رعنا جواں دوچار ہوا   کہا جو گل اوسے میں نے گلے کا ہار ہوا

پوچھ مت کیا تری دوری سے مرا حال ہوا   مختصر قصہ کہ جینا مجھے جنجال ہوا

ابر آیا ہے آفتاب چھپا   ساقیا مت شراب ناب چھپا

گو آہ میں اپنی نہیں تاثیر سردست   پر ہے یہ بساط اپنی میں یک تیر سردست

ہو آبرو ہماری جب اہل نظر کے بیچ   جوں مردمک وہ یار رہے چشم تر کے بیچ

دل پہ برق چمکتی ہے گھر آئے بادل　　ساقیا دور قدح کر کہ پھر آئے بادل

وحشت جنوں میں کنعاں اب شور ہے ہمارا　　پھر نا خراب و خستہ مشہور ہے ہمارا

سر عشق نے جگر سے اب شعلہ وار کھینچا　　اس آتش دروں نے آخر شرار کھینچا

کار بستہ کو نہیں چاہئے زر کی کنجی　　قفل مطلب کو ہے بس آہ سحر کی کنجی

کاکل ہے دام، زلف بلا، یک نہ شد دو شد　　پھندے میں دب پھنسے تو بلا ایک نہ شد دو شد

عاشق دہلوی دہلی کے مرثیہ نگاروں میں میر تقی میر اور مرزا سودا کے ہم عصر ہیں، ان کے مرثیے کے رنگ کو اسی عہد میں دیکھنا چاہئے ، ہمارے کتب خانہ میں ان کا ایک قلمی نایاب مرثیہ موجود ہے۔ علی جواد زیدی نے اپنی کتاب "دہلوی مرثیہ گو" میں عاشق دہلوی کے مرثیے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ مجھے ان کا مرثیہ نہیں ملا۔ میں نے یہ مرثیہ علی جواد زیدی کو بھیج دیا تھا انھوں نے "العلم" میں شائع کیا تھا۔

مرثیہ

— ۱ —

لے کے جواہر جوہری نکلا گنج کارن ایمان کے
لعل و زمرد ذکر مولا موتی ہیرے عرفان کے
نیلم سطر ہیں بسم اللہ یاقوت تھے آیت قرآن کے
دام درم سب کلمہ طیب بھرے خزانے سبحان کے

قیمت اندر دیجے دغا ظالم کر گم سان
گراں ہو کر جان کے لینو اکی جان ہائے

--﴿ ۲ ﴾--

پونجی لے کر نام خدا کی نگر نگر سب پھرتا تھا
کوٹھی بنی ہے ہر جا مسجد مال عبادت کرتا تھا
پونجی گھاٹے والی کھویا واکی مدد سون پھرتا تھا
بچنگ قرآن سر کو کٹا کے واہو بے ہو کرتا تھا

دین کی دکان پر چور پڑے سب ٹوٹ
نایک جی کو مار کر ٹانڈا لینو لوٹ ہائے

--﴿ ۳ ﴾--

اذان نماز و حج و روزہ جنس یہ پونجی لاثانی
مُہرِ نبوت اُس پر چھاپا آنکھ محبت جو دانی
ورد وظیفہ سانچی جواہر اسکی رقم ہے کئی بھاری
عشق خدا کا بھاری دھروت اور نام خدا کی پونجی تھی

لوٹے ایسا قافلہ لوگ اچانک گھاٹ
کاٹے سیس حسینؑ کا ٹانڈا بارا باٹ ہائے

--﴿ ۴ ﴾--

چاشت تہجد کی چوکی سے لیوا دیوے جنس زکوٰۃ
ڈیرا تنبو مکہ مدینہ ساتھ کا توشہ صوم و صلوٰۃ
جائے نمازی فرش بچھونا اور نمازی فوجیں ساتھ
حج و عمرہ منزل منزل راستہ سیدھا راہ نجات

قضا رضا تسلیم کا خزانہ لوٹے ہاتھوں ہاتھ
فوج میں غل لاگ گئے دعا میں دونوں ہاتھ ہائے

۵

ڈاہیں ڈاہیں زینبؑ روتی بن میں تھی دکھیاری رے
کون ستایا پوچھا واکو دیکھ کے اسکی زاری رے
کون بتاؤں تجھ کو ماتا بول تو بتیاں ساری رے
غارت کس کا ہو گیا ٹانڈا کون تھا وہ بیپاری رے

تب تو زینبؑ یوں کہے توڑ کے سگری کیس
دیس مدینہ چھوڑ کے آئے ہم پردیس ہائے

۶

باٹ ہٹاؤ نیچی سُن لے موت کا جب بازار پھرا
تیغ و تبر اور بھالا برچھی مال دکانوں پر تھا دھرا
جنس جو پونجی لائے بھائی کوئی نہ پوچھا اسکو ذرا
بیرن مورا سیس دے اپنا راضی ہو بیا گھرا

جھوٹے وہ دلّال سب کھوٹا کر بیوپار
ناحق اس کو مار کے لے گئے سیس اتار ہائے

۷

نگر مدینہ چھوڑ پنچ کو بیرن مورا آیا تھا
بیوپار کی پونجی لیوا دیوے قضا رضا لدوایا تھا
جنس کی سگری کھیپ بھرا بیداد نگر میں آیا تھا
اعمال کا سارا مال و متاع اور صبر و توکّل لایا تھا

ظالم وا کی کھیپ کو لُوٹے شبخوں مار
رو کر سگری لُٹ گئی ڈوب گیو بیوپار ہائے

۸

فرض و نوافل سنّت واجب رہتی کُھری اس سے بھری
پانچوں وقت نمازیں پڑھتے اسکے سبب سے ہے وہ بڑی
بحث حدیث اور مصحف پی کلمہ طیب پر چھٹی
نقدی جو پر کائی ہوئی تھی ہے سو عبادت مولائی

دیں یہ جس کے پاس تھا کھپا ہے وہ ہیہات
نبیؐ کے گھر کی جنس سب لُوٹے ہاتھوں ہاتھ ہائے

۹

قسم و جواہر پرکھے کوئی لختِ زمرّد ابن حسنؑ
جسکی جھلک یاقوت کی تختی اکبرؑ بانوؑ کا ہے رتن
اصغرؑ دانا موتی کا سو تیر سے باندھا اس کا دہن
موتی کی چمک ہے ہری جیسے ڈانک کا مقنعہ منھ پہ کفن

لڑکے جو تھے پیٹ کے دُکھ میں سب کے ساتھ
سکینہؑ بے کس لاڈلی سیّد اس کی ذات ہائے

۱۰

پوچھے جو کوئی پکھاج جو مجھ سے عابدؑ کو ہے دیکھے ذرا
ایسا وہ بیمار تما ہے تب سے منھ اس کا پیلا
سارا جواہر خانہ بھاری سنگ ستم سے چور ہوا
لعل جو پوچھو لعل نبیؐ کا باپ علیؑ اور ماں زہرؑا

بولے کس کے روبرو زینبؑ دُکھ کے بین
زہرؑا کا یہ پوت ہے نام امام حسینؑ ہائے

۱۱

قاسمؑ اور عباسؑ بہادر لعل و زمرّد حق کی قسم
ہیرا موتی اکبرؑ و اصغرؑ ہو گیا جن پر ظلم و ستم
سر کو کٹا فیروزہ ہوا کہتے ہیں اسے فیروزہ بہم
داغ و جگر پر نیلم جیسے فاطمہؑ کبرا تھی نیلم
زہراؑ کا یہ نورتن لوٹے ڈاکا ڈال
نبیؐ علیؑ کے لعل سب ہوئے ہیں رن میں لال ہائے

۱۲

بھائی مسافر سوتے رن میں ظالم ہم کو گھیرے ہیں
ستا ستا کے گھر سب لوٹے اور جلائے ڈیرے ہیں
نام کو جیتا نہ رہا اور مر گئے وارث میرے ہیں
زخمی کر کر تیغ تبر سے گلے پہ خنجر پھیرے ہیں
سگری یہ سیدانیاں کھلے ہیں سر کے بال
جنگل جنگل کوک پھریں گلے میں کفنی ڈال ہائے

۱۳

زینبؑ بیکس دیکھے رن میں بھائی ہے بے سیس کہاں
لاشے اوپر سر کو پیٹے پھاڑ گریباں تنگ زباں
بولے بیرن رن میں سوتے سر کو کٹا لہو لہاں
دیس بیگانہ لوگ پرائے کوئی نہ وارث ہے اب یہاں
عابدؑ اک وارث رہا سو وہ ہے بیمار
وار کے ہم نہ پار گئے آن پھنسی بیچ دھار ہائے

۱۴

دلہن دیکھے دولھا اپنا رن میں بے سر ہوتا ہے
لاش زمیں پر ٹکڑے ٹکڑے برچھی پر سر سوتا ہے
میت اوپر بولے صاحب رو رو صاحب یونہی ہوتا ہے
دولہن گھر دولھا رن میں جان کوئی یوں کھوتا ہے
تم تو جیتے نا پھرے لڑائی رن سے جیت
گھر مولا کے آگ لگی ہو گئی الٹی ریت ہائے

۱۵

قاسم تم گھر میں اپنے ہے ہے کیسی لائے دلہن
چھوڑ کے لاشہ قیدی ہو کر روتی ہر اک جائے دلہن
دولھا دولھا کہہ کر بن میں کہاں تلک چلائے دلہن
ڈیرے جل گئے خیمے لٹ گئے کتنا اب دکھ پائے دلہن
دلہن جاتی قید میں بہن گلے سے لاگ
من کی من میں رہ گئی جل گئے میرے بھاگ ہائے

۱۶

بانوؑ دیکھے بچہ اپنا گردن کو بھی ڈال پڑا
تیر گلے کو چھوڑ کے نکلا زخمی ہو بے حال پڑا
بولیں مجھ کو جینا اصغرؑ بن جنجال پڑا
ہے ہے میرا لعل سا بیٹا لہو میں ہے لال پڑا
گود میری خالی ہوئی لو جھولا ہے سنسان
ماں سے تم لاکو گئے دادی کے مہمان ہائے

۱۷

دکھیا تیری اماں اصغرؑ قیدی ہو کر شام چلی
ڈال گلے میں کفنی کالی منھ پر اپنے خاک ملی
گودی اُجڑی بن میں موری مانگ ستم سے رن میں جلی
لال کفن سے سوئے بیٹا تیر لگا گردن ہے ڈھلی
بیٹا مارے تم پڑے ٹوٹی میری آس
اماں سے تم روٹھ کہ گئے خدا کے پاس ہائے

۱۸

اکبرؑ کو دیکھ رن میں بولا بانوؑ کا مہ پارا ہے
جیسے نبیؐ کی صورت اس کو ناحق ظالم مارا ہے
پھیر گلے کے اوپر خنجر سر کو تن سے اُتارا ہے
ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لاشہ بھرا لہو میں سارا ہے
بھری جوانی میں ہوا لہو سے مکھڑا لال
صورت جیسے چاند کی مکھ پر بکھرے بال ہائے

۱۹

دیکھ چچا کو بولی سکینہؑ لاشہ بھولا بھالا ہے
ناحق اس کو ظلم و ستم سے مار کسی نے ڈالا ہے
بازو کٹ گئے چھاتی اندر لاگا اسکے بھالا ہے
لوگو میرے بابا جی کا علم اُٹھانے والا ہے
جنگل میں ہے سر کٹا نہیں ہے کوئی پاس
شیر خدا کا شیر ہے چچا علی عباسؑ ہائے

--۲۰--

پوچھے جب کوئی زینبؑ بولے نبیؐ ہمارا نانا ہے
ناناجی کی اُمت کا رن دُکھ یہ ہم کو پانا ہے
بھوکے پیاسے بچے میرے پانی ہے نہ کھانا ہے
اب تو لُوٹے مارے ہو کر شام نگر کو جانا ہے
بہنا ہیں ہم حسینؑ کی چھوٹے یہ معصوم
علیؑ کی ہم ہیں بیٹیاں زینبؑ اور کلثومؑ ہائے

--۲۱--

شاہِ شہیداں تیری قسم ہے دم میں تیرا بھرتا ہوں
تیرا لے کر نام ہمیشہ سر کو زمیں پر دھرتا ہوں
فدوی کمتر بندہ ہو کے غم میں ہمیشہ رہتا ہوں
یاد جب آتی تیری غربت ماتم تیرا کرتا ہوں
عاشقؔ تم ہی داد رس تم سے مجھ کو کام
دونوں جہاں کی لاج مری رکھو بارہ امام ہائے

حواشی

۱۔ سراپا سخن، ص ۷۰۔
۲۔ خم خانۂ جاوید، جلد ۵، ص ۵۳۶۔
۳۔ مجموعۂ نغز، ص ۳۷۹۔
۴۔ مجموعۂ نغز، ص ۳۷۹۔
۵۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں، ص ۴۰۳۔
۶۔ یادگار شعرا، ص ۱۳۷۔
۷۔ عمدۂ منتخبہ، ص ۴۳۲۔
۸۔ خم خانۂ جاوید، جلد ۵، ص ۵۴۶۔

خواجہ احسن اللہ بیاںؔ دہلوی

کے دو۲ غیر مطبوعہ مرثیے

(شاگرد مظہر جانِ جاناں دہلوی)

بیاںؔ دہلوی کا نام تذکرہ نگاروں نے احسن اللہ بتایا ہے، بعض تذکروں میں احسن الدین بھی لکھا ہے۔ ان کے اجداد کشمیری تھے۔ ان کا خاندان کشمیر سے آکر آگرے میں آباد ہوگیا تھا۔ بیاںؔ دہلوی اکبر آباد ہی میں پیدا ہوئے بعد میں دہلی چلے گئے۔ قیام الدین حیرتؔ اکبر آبادی لکھتے ہیں۔ وطن اکبر آباد تھا لیکن مدتیں گزریں کہ انھوں نے دلی کو وطن بنا لیا، دلی میں لاہوری دروازے کی مسجد سرہندی میں رہتے تھے اور دہلوی کہلاتے تھے۔ (مقالات الشعرا)

بیاںؔ دہلوی کی نشو نما اور تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی، قدرت اللہ قاسمؔ مولف، مجموعہ نغز ان کے بچپن کے دوست اور ہم عمر تھے، بیاںؔ دہلوی اور قدرت اللہ قاسم دونوں ساتھ ساتھ پڑھتے ہوئے سبق دہرایا کرتے تھے اور تقریباً بلا ناغہ دونوں کی ملاقات ہوتی تھی (مجموعۂ نغز) بیاںؔ دہلوی ۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ حسن صورت و سیرت دونوں دولتیں ملی تھیں، عاشق مزاج اور شیریں زبان تھے، ابتدائے جوانی میں ایک مطربہ سے عشق ہو گیا تھا لیکن عنایت الٰہی شامل حال ہوئی اور اس کی جدائی میں ان خیالات سے درگزرے، توبہ کی اور زہد و تقویٰ کا راستہ اختیار کر کے ترک دنیا کیا۔ راہ تصوف اختیار کرنے کے بعد مولانا شاہ فخر الدین دہلوی سے مرید ہو گئے۔ شاعری میں مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔ بیاںؔ دہلوی فرماتے ہیں۔

جب سے شاگرد ہوا حضرت مظہرؔ کا بیاںؔ

کیا شاگردی کا اقرار سب استادوں نے

اشرف علی فغاںؔ دہلوی کے مصاحبت میں فکر معاش سے بے نیاز رہے لیکن جب احمد شاہ کی معزولی کے بعد یہ صحبت درہم برہم ہو گئی تو معاشی بدحالی کا شکار ہوئے، آخر کار حالات سے

مجبور ہوکر حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں جاکر آصف جاہ ثانی نظام علی خاں کی سرکار میں فراغت و عزت کی زندگی بسر کی۔ صفر ۱۲۱۳ھ / جولائی ۱۷۹۸ء میں حیدرآباد دکن میں وفات پائی، شہر ہی میں ندی کے دکن جانب مدفن ہے۔ وقت وفات ان کی عمر تقریباً ۷۳ برس تھی، بیاںؔ دہلوی کے شاگرد رائے گلاب چند ہمدمؔ نے قطعہ تاریخ وفات میں یہ مادہ ء تاریخ نظم کیا :-

"استاد از جہاں رفت" ۱۲۱۳ھ

بیاںؔ دہلوی نے اردو اور فارسی دونوں ہی زبانوں میں شاعری کی ہے، فارسی اشعار کا انتخاب "مقالات الشعرا" میں درج ہے۔ مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، قطعہ، رباعی، غزل، سبھی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ سبھی تذکرہ نگار اُن کے شاعرانہ فن کی داد دیتے نظر آتے ہیں، اسد علی یکتاؔ نے لکھا ہے کہ "اُن کا دیوان اول سے آخر تک انتخاب ہے (دستور الفصاحت) اعظم الدولہ سرورؔ نے انھیں "مشاق، خوش فکر، مربوط گو اور صحیح البیان کہا ہے۔ (عمدۂ منتخبہ) گردیزی لکھتے ہیں "فہم اور فراست سے بہرہ مند ہیں، ان کی طبیعت معانی ایجاد ہے۔ (تذکرۂ ریختہ گویاں) قائمؔ چاند پوری لکھتے ہیں "اشعار کی صحبت میں ہنگامہ آرا و فن میں کامل ہیں۔ (مخزن نکات) لچھمی نرائن شفیقؔ لکھتے ہیں "بڑے معنی طراز اور بلند اندیشہ تھے"۔ (چمنستان شعرا) میر حسنؔ لکھتے ہیں "شاعر عذب البیان (بلند شاعری)، خوش گو، نمکین کلام اور شیریں بیاں" تھے۔" (تذکرۂ شعرائے اردو) مرزا علی لطفؔ لکھتے ہیں "عاشق مزاج شیریں زبان، سخنور، خوش بیان تھے"۔ (گلشن ہند) ابوالحسن امراللہ الہ آبادی لکھتے ہیں۔ "بہت خوب شعر کہتے تھے اور حسن صورت و حسن سیرت میں مشہور تھے"۔ (مسرت افزا) عشقیؔ لکھتے ہیں "خوش فکر اور فصیح البیان تھے (تذکرۂ عشقی) لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ "بعض جگہ تو ان کے کلام میں میر تقی میرؔ اور خواجہ میر دردؔ کے کلام کا رنگ دکھائی دے جاتا ہے"۔ (خمخانۂ جاوید جلد اول)

بیاںؔ دہلوی کا دیوان اب تک غیر مطبوعہ ہے، ان کے ایک قصیدے اور مثنوی کا انتخاب میں نے اپنی کتاب "شعرائے اردو اور عشق علی" میں درج کر دیا ہے۔ بیاںؔ دہلوی کا ایک قلمی دیوان کراچی کے میوزیم میں موجود ہے جس کا نمبر (ف ۳۰/۱۳۲۳) ہے۔ اس دیوان میں بیاںؔ دہلوی کے دو مسدس مرثیے بھی ہیں۔ سفارش حسین نے لکھا ہے کہ "بیاںؔ کا بیان سادہ ہے، مرثیے میں روانی ہے اور تسلسل بھی ہے مگر کلام میں سوز نہیں ہے۔ (اردو مرثیہ)

میاںؔ دہلوی کے یہ دونوں مرثیے اب تک غیر مطبوعہ ہیں اس لئے دونوں مکمل مرثیے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

مرثیہ

(۱)
گیا ہے کون دنیا سے نراسا ۔۔۔ لیا جنگل میں جاکر کس نے باسا
گلا کاٹا گیا کس کا پیاسا ۔۔۔ رسولؐ اللہ کا پیارا نواسا
ادب کہتا ہے تو مت کچھ بیاں کر
محبت بولتی ہے سب عیاں کر

(۲)
پیمبرؐ کی ہوئی جس وقت رحلت ۔۔۔ گئیں جنت میں جب خاتونِ جنت
علیؑ کی بھی ہوئی ثابت شہادت ۔۔۔ حسنؑ بھی ہو چکے دنیا سے رخصت
اکیلا پاکے آل مصطفےؐ کو
دیئے یہ دکھ حسین مجتبےٰ کو

(۳)
دغا کے خط لکھے اہلِ خطا نے ۔۔۔ وفا ظاہر کی قوم بے وفا نے
ابا مطلق نہ کی آلِ عبا نے ۔۔۔ کیا باور سب ابن مصطفےؐ نے
کہ ہیں نانا کی آخر اپنی اُمت
نہیں یہ عذر سے اقرار بیعت

(۴)
چلا اس شہر سے جس وقت وہ ماہ ۔۔۔ سب اہل بیت جوں انجم تھے ہمراہ
مدینے میں اٹھی ایک نالہ و آہ ۔۔۔ کہ جاتا ہے کہاں اے دین کے شاہ
در و دیوار سب کرتے ہیں فریاد
ہوئی ہے صبر کی بنیاد برباد

(۵)
دلاسا دے ہوئے رخصت وطن سے ۔۔۔ کہ جیسے گل جدا ہووے چمن سے
کیا یوسف کو عریاں پیرہن سے ۔۔۔ نکالا روح کو گویا کہ تن سے
غرض رخصت ہوا سالار دیں کا
مصمم قصد کر اُس سرزمیں کا

چلے منزل بہ منزل کربلا کو ⑥ کیا مختار کار اپنا رضا کو
خبر پہونچی اُدھر اہل دغا کو لکھا وہاں شام میں اس بے حیا کو
کہ سیّد کو کیا تذویر سے صید
کریں اب ذبح یا اُس کو رکھیں قید

اُدھر ہفتاد دوتن تھے تمامی ⑦ ہزاروں اس طرف کوفی و شامی
وہ سب سردار، سب مشہور نامی کیا موقوف اقرارِ غلامی
دغا دے کر مدینے سے بُلایا
اکیلا کرکے یاں کیسا ستایا

اگرچہ یاں بہت تعداد تھی کم ⑧ رہے ثابت قدم سلطانِ عالم
کیا کس طرح اس مصحف کو برہم مٹایا کیونکے وہ نقشِ مکرّم
رکھوں کس منہ سے ان پر نامِ اُمّت
زہے اُمّت زہے اسلام اُمّت

لکھا اُس بے حیا نے شام سے یہ ⑨ نہ نکلے صید اپنے دام سے یہ
مجھے منظور ہے اس کام سے یہ خلاصہ ہے مرے پیغام سے یہ
کہ آکر پاس میرے سر نوادیں
حضورِ خلق بیعت کرکے جاویں

وَاِلّا کاٹ لادیں سر بہر طور ⑩ نہیں ہے دوسری تدبیر کچھ اور
شقی نے دل میں اپنے کچھ نہ کی غور نہیں دنیا میں اب تک یہ ہوا جور
گریں یکبارگی نہ سقفِ گردوں
کہ بیعت اُن سے چاہے اپنی ملعوں

غضب دیکھو نواسے کو نبیؐ کے ⑪ قیامت ہے کہ بیٹے کو وصیؑ،
یہ ہوں بیہودہ پیغام اس شقی کے کروں مذکور کیا اس بے کسی کے
قیامت ہے غضب ہے بے بسی ہے
نبیؐ کی آل پر کیا بے کسی ہے

سنا جس وقت سرورؑ نے یہ پیغام — کہ بیعت چاہتا ہے حاکمِ شام
حقارت سے ہماری ہے اُسے کام (۱۲) نہیں منظور کچھ اعزاز و اکرام
یہ فرمایا کہ اتنا رحم کیجے
ہمیں اپنے وطن کی راہ دیجے

سُنا ابنِ زیاد اس بے حیا نے — کہ رخصت چاہی ابنِ مرتضیٰؑ نے
کہا فی الفور امیرِ اشقیا نے (۱۳) کہ اب ہرگز نہ دیجے ان کو جانے
سبھی سردار لشکر کے بلا کر
کہا جیتے نہ جانے پاویں سرورؑ

چار اور ایک کی کیا ہو لڑائی — قضا جامِ شہادت لے کر آئی
بیاسے چشم ظاہر سب اٹھائی (۱۴) فرات اول شہِ دیں سے چھڑائی
پیاسی کرکے ماری آلِ اطہرؑ
جنھوں کا باپ ہے ساقیؑ کوثر

زیادہ تن کے کیفیت کو یاں کی — پھٹی جاتی ہے چھاتی انس و جاں کی
قلم کی طرح حالت ہے زباں کی (۱۵) مفصل تر نہیں طاقت بیاں کی
خداوندا بحق پاک مرداں
مرا در سایہ اش محشور گرداں

مرثیہ

یزید لعیں جب حرم میں جاتے تھے — تب اہل بیت پیمبرؐ انھیں ستاتے تھے
اور کبھو حرم محترم میں آتے تھے (۱) نبیؐ کی آل کا بھی خوں کبھو بہاتے تھے
گراں ہے روز جزا نے یہاں قیامت دیر
کہ کھینچے بیٹھے ہیں آل نبیؐ پہ یہ شمشیر

نہ لائے منہ پہ حیا سے رسولؐ کے احفاد — کہ تا خجل نہ ہو اپنے لکھے سے ابن زیاد (۲)
کبھو زباں پہ کچھ آیا تو یہ کیا ارشاد — اسی لئے ہمیں کوفے میں تم بلاتے تھے؟

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؐ پہ یہ شمشیر

کہاں ہے وہ سگ ناپاک ابنِ سعد عمر — کوئی کہے اُسے اے بے حیا خدا سے ڈر (۳)
یہ وہ جناب ہے جس کے درِ مبارک پر — بدون اذن ملائک نہ بار پاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؐ پہ یہ شمشیر

وہ جن کی شان میں نازل ہے آیۂ تطہیر — وہ جن کے واسطے اُتری عبا، یہ قوم شریر (۴)
انھیں یہ شام کو جب لے چلے تھے کر کے اسیر — ردا نہ پا کے وہ ہاتھوں سے منہ چھپاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؐ پہ یہ شمشیر

ادب سے سامنے جس کے نہ ہووے چرخ کھڑا — غضب تو دیکھو مقابل ہو یہ پلید بڑا (۵)
ابوترابؑ کا فرزند خاک میں ہے پڑا — وہ جس کو چھاتی پہ اپنی نبیؐ سلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؐ پہ یہ شمشیر

زمیں پہ جب کہ گرا وہ امام جن و بشر — رہا یہ گنبد گردوں بجائے خود، کیونکر؟ (۶)
انھوں کے واسطے ہے آج خاک و خوں بستر — جنھوں کے مہد کو روح الامیں ہلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؐ پہ یہ شمشیر

یتیم ظلم کو ان ناکسوں کے جب سہتے — سبھوں کی آنکھوں سے دُرِّ یتیم تب بہتے (۷)
ستم گروں کی طرف دیکھ، اس قدر کہتے — کہ "کل کی بات ہے" اُمت میں تم کہاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؐ پہ یہ شمشیر

ستم تو دیکھو کہ محکوم ہو کے جیویں وے ہمیشہ خوف سے، ہونٹوں کو اپنے سیویں وے
سوائے اشک کے پانی نہ تھا کہ پیویں وے ⑧ عوض طعام کے دن رات غم کو کھاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاںؔ قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؑ پہ یہ شمشیر

فرات قبضے میں کر اپنے یوں کہے تھے لعیں ہمارے پاس تو پانی جز آبِ تیغ نہیں
پیاسے ہو تو پیو اپنے آنسوؤں کے تئیں ⑨ تب اپنے ہونٹوں کو وہ تشنہ لب دکھاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاںؔ قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؑ پہ یہ شمشیر

کریں سلوک یہ بدذات آل اطہرؑ سے رکھیں امید شفاعت کی پھر پیمبرؐ سے
مگر نہ تھا انھیں کچھ خوف روزِ محشر سے ⑩ نبیؐ کی آل کو جو اس قدر ستاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاںؔ قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؑ پہ یہ شمشیر

بیاںؔ زیادہ اب اس سے تو میں کہوں کیونکر ادب سے دور ہے تفسیر اس کی کیجے اگر
جنھوں کا نقشِ قدم چشم خلق سے بہتر ⑪ برہنہ پا انھیں یہ بے حیا چلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاںؔ قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبیؑ پہ یہ شمشیر

بیاںؔ کی ایک رباعی

لوٹا خاروں نے باغِ آلِ احمدؐ آشفتہ کیا دماغ آلِ احمدؐ
ہو صبح کبھو نہ شام غم کی اُس کی گُل جن نے کیا چراغ آلِ احمدؐ

----

(۲۰۷)

حافظ فضل علی ممتاز دہلوی

(شاگردِ سودا) کا غیر مطبوعہ مرثیہ

فضل علی نام، ممتاز تخلص تھا، وہ حافظِ قرآن تھے اس لئے حافظ کا لفظ بھی نام کا جزو بن گیا تھا۔ ممتاز دہلی کے رہنے والے تھے اور وہاں کے شیخ زادوں کے خاندان سے تھے، تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے ممتاز دہلوی کو محمد رفیع سودا کا شاگرد لکھا ہے۔

ممتاز دہلوی اور قائم چاند پوری میں بہت گہری دوستی تھی، قائم نے اس دوستی کو "نسبت خاص" کہا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

"حافظ فضل علی ممتاز، بلند فطرتی اور معاملہ دانی میں مشہور و معروف (رباعی)

ممتاز کہ ہے تمام ایک عجز و نیاز
دل کش ہیں ملاقات کی اس کے انداز
تنہا نہ اُسے فنِ سخن میں ہے دست
ہر فن میں ہے بفضلہ تعالیٰ ممتاز

"طبیعت فقر و قناعت کی طرف مائل ہونے کے باعث حسب حیثیت مجھ فقیر سے ایک نسبت خاص ہے۔ خدا ان کو مطابق استعداد کونین کی نعمت عطا کرے"۔ (مخزن نکات)

قائم کے بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممتاز دہلوی "مخزن نکات" کی تالیف (۱۱۶۸ھ۔ ۱۷۵۴ء) کے وقت شاعر کی حیثیت سے دہلی کے ادبی حلقوں میں مشہور و معروف ہو چکے تھے۔ ممتاز دہلوی نے اپنی اس رباعی میں علوم و فنون میں دستگاہ رکھنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قائم چاند پوری سے دوستی کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممتاز دہلوی اُن کے ہم عصر تھے اس لئے اُن کی ولادت ۱۱۳۵ھ۔ ۱۷۲۲ء کے گرد و پیش قرار دی جا سکتی ہے۔

ممتاز دہلوی کچھ دنوں آنولے میں بھی رہے جہاں قدرت اللہ شوق سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ شوق نے اپنے تذکرے "طبقات الشعرا" میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ممتاز دہلوی دہلی سے حیدر آباد دکن چلے گئے تھے۔ اُن کا دکن پہنچنا اور وہاں قیام کرنا اُن کے ایک شعر سے ثابت ہے :۔

کہتے ہیں دیکھ کے ممتاز تجھے اہلِ دکن
شہر میں تجھ سا سخن داں نہ ہوا تھا سو ہوا

اس شعر سے ظاہر ہے کہ ممتاز دہلوی دکن کے ادبی حلقوں میں بہت جلد متعارف ہو گئے تھے اور انھیں وہاں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ دکن میں اُن کا قیام مختصر رہا اور وہاں سے وہ واپس چلے لیکن راستے میں انھیں قتل کر دیا گیا۔ وقتِ وفات اُن کی عمر تقریباً ۵۵ برس تھی۔ ایک اندازے کے مطابق اُن کی وفات ۱۱۸۸ھ۔ ۱۷۷۴ء میں ہوئی۔

تذکرہ نگاروں نے ان کی شاعری کی بہت تعریف کی ہے، میر حسن لکھتے ہیں "شاعرِ درد مند و گداز" (تذکرۂ میر حسن) علی ابراہیم خاں لکھتے ہیں "اپنے ہم شکلوں میں ممتاز اور مستثنیٰ تھے ایک مثنوی لاٹھی کی تعریف میں "مخزن الاسرار" کی بحر میں لکھی ہے، ان کی فکر استوار تھی"۔ (گلزارِ ابراہیم) مردان علی خاں مبتلا لکھتے ہیں "اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہیں"۔ (گلشنِ سخن) ابوالحسن امر اللہ الہ آبادی لکھتے ہیں "شاعروں میں شاعری کی وجہ سے ممتاز ہیں، سودا کے شاگرد ہیں اب سے پہلے دہلی میں تھے اب دکن چلے گئے" (مسرت افزا) قدرت اللہ شوق لکھتے ہیں "مردے بود، جاں باز، صاحب امتیاز و در ہم چشمان خود ممتاز (طبقات الشعرا)

ممتاز دہلوی صاحبِ دیوان تھے، کسی تذکرہ نگار نے اُن کے دیوان کا ذکر نہیں کیا، ممتاز دہلوی کے دیوان کے تین نسخے حیدر آباد دکن میں موجود ہیں، ایک نسخہ قلمی قومی عجائب گھر کراچی میں موجود ہے، غزلیات، رباعیات اور قصائد معصومینؑ کے علاوہ دیوان میں ایک مرثیہ مربع بھی موجود ہے۔

مرثیہ

جی میں ہے رو رو کے کہیے داستانِ کربلا
لکھیے اشکِ سُرخ سے ذکر و بیانِ کربلا
سوچیے دل سے یہ حالِ صاحبانِ کربلا
یاد کریئے سر گذشتِ تشنگانِ کربلا

رات تھی یا شامیوں کا تھا مگر بختِ سیاہ
جس شب تاریک کی ظلمت تھی خالق کی پناہ
دشت میں آلِ عبا گم کر کے ساری رات آہ
صبح ہونے آئی، پہنچے درمیان کربلا

۲

چاہتے تھے واں سے آگے ہو چلیں اہلِ حرم
شاہ کے گھوڑوں کا ہرگز اٹھ نہ سکتا تھا قدم
ہو کے تب راہِ رضائے حق پہ یکباری بہم
نام جو سنتے تھے سو دیکھا نشانِ کربلا

۳

باپ کے چہرے سے اکبرؑ دیکھ کے رنج و تعب
چاہتے تھے یہ کہ پوچھیں کیا ہے اب اس کا سبب
ناگہاں سبطِ رسول اللہ نے فرمایا کہ اب
کربلا یہ دشت ہے، ہم کشتگانِ کربلا

۴

تشنہ لب سیراب ہوں گے پی کے یاں جامِ فنا
خاک میں مل جائیں گے جتنے ہیں خویش و اقربا
اس جگہ ویراں ہوگا خانۂ آلِ عبا
ہم کو ہے معلوم سب حالِ مکانِ کربلا

۵

خشک ہو جاوے گا بن پانی رسالت کا چمن
کر پڑیں گے ایک دن کٹ کٹ کے یاں سر اور تن
پہنے ہوں گے رنگ برنگ سب جامۂ خونیں کفن
گل کریں گے جب بہار بوستان کربلا ٦

گھیر کر لائی قضا چارا نہیں تقدیر سے
رحم بھی کھانا ہے پیکان و سنان و تیر سے
تر کریں گے حلق کو آب دم شمشیر سے
تین دن کے بھوکے پیاسے میہمان کربلا ٧

جانتا ہوں خوب میں ابن علیؑ انجام کو
نذر کر دوں گا میں اپنی جان بھی اس کام کو
سر سناں پر رکھ کے لے جاویں گے ظالم شام کو
تن کی چوکی دیں گے مل کر وحشیان کربلا ٨

شاہ کے منھ سے یہ باتیں سن کے ہوئے بے اختیار
دیدۂ پرخوں سے تھا روتا جو ہر ایک زار زار
حشر تک جگ میں وہی رونا رہا ہے برقرار
بلکہ محشر ہے وہی شور فغان کربلا ٩

پوچھیں گے ممتازؔ ان سے پیشِ ربِ خاص و عام

آلِ حیدرؑ پر کئے ہیں یہ ستم کیوں اہلِ شام ۱۰

اس طرح مارا پڑا ہے یاں امام ابن الامام

اے زمینِ کربلا اے آسمانِ کربلا

ممتازؔ دہلوی کے غیر مطبوعہ دیوان میں دو غزلیں حضرت علیؑ کی منقبت میں اور ایک قصیدہ حضرت امام حسینؑ کی مدح میں موجود ہے۔

-: کتابیات :-

۱۔ مخزن نکات از قائم چاند پوری

۲۔ طبقات الشعرا از قدرت اللہ شوقؔ

۳۔ تذکرۂ شعرائے اردو از میر حسنؔ

۴۔ تذکرۂ مسرت افزا از ابوالحسن الہ آبادی

۵۔ گلزار ابراہیم از علی ابراہیم خاں خلیلؔ

۶۔ گلشن سخن از مردان علی خاں مبتلاؔ

۷۔ غالب سہ ماہی جلد نمبر ۱، شمارہ ۳

۸۔ حافظ فضل علی ممتازؔ از مشفق خواجہ

مقبول نبی خاں مقبولؔ دہلوی

مرثیہ گو اور خوشنویس

مقبول نبی خاں، مقبولؔ دہلوی مشہور اردو شاعر انعام اللہ خاں یقینؔ کے بیٹے تھے۔ فن خوشنویسی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ نستعلیق بہترین لکھتے تھے۔ خط جلی و خفی دونوں یکساں لکھتے تھے۔ مرزا محمد علی خوشنویس (عہد آصف الدولہ) کے شاگرد تھے۔ مقبولؔ دہلوی متقی و حلیم الطبع خوشنویس تھے۔ دہلی سے آ کر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی تھی۔

— حوالہ جات —

۱۔ صحیفۂ خوشنویسیاں از مولوی احترام الدین شاغل عثمانی

۲۔ منشی نول کشور اور ان کے خطاط و خوشنویس از امیر حسن نورانی

— نوٹ —

مقبولؔ دہلوی کے غیر مطبوعہ مرثیے اور حالات زندگی صفحہ ۲۴۳ پر

دیکھئے۔

File: Maqbool Nabi Khan/E/Rehan

مظہر علی خاں وِلاؔ دہلوی

کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا باضابطہ افتتاح ۴ مئی ۱۸۰۰ء کو ہوا اور باقاعدہ تدریس ۶ فروری ۱۸۰۱ء سے شروع ہوئی، فورٹ ولیم کالج میں مشرقی زبانوں اور بالخصوص اردو کی تحصیل کا بہترین انتظام کیا گیا۔ چنانچہ اردو، ہندی، عربی، فارسی اور بنگالی کے باقاعدہ شعبے تھے جن کے سربراہ انگریز ہوتے تھے، جو بہ لحاظ عہدہ "پروفیسر" کہلاتے تھے۔ شعبہ اردو کا پہلا پروفیسر ڈاکٹر گل کرسٹ تھا۔ جب سلیس اور سادہ نثر میں مقبول عام قصوں اور داستانوں کے تراجم کا سلسلہ شروع ہوا تو اس مقصد کے لئے ہندوستان بھر کے اہل قلم جمع کر لئے گئے، تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ کوئی بیس برس تک جاری رہا۔ اس دوران میں ۱۹ اہل قلم نے کوئی ساٹھ کے قریب کتابیں تحریر کیں، ان خصوصی ادیبوں اور شاعروں میں میر امنؔ دہلوی، میر شیر علی افسوسؔ، حیدر بخش حیدریؔ کے ساتھ مظہر علی خاں ولاؔ دہلوی بھی کلکتے آ گئے۔

مظہر علی خاں نام تھا اور عرفیت مرزا لطف علی خاں، تخلص ولاؔ تھا۔ مظہر علی خاں ولاؔ فورٹ ولیم کالج کے لکھنے والوں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کا مرتبہ میر بہادر علی حسینیؔ، میر امنؔ دہلوی، سید حیدر بخش حیدریؔ، مرزا علی لطف، مرزا کاظم علی جوانؔ، میر شیر علی افسوسؔ دہلوی سے کسی طرح کم نہیں ہے وہ ایک اعلیٰ درجے کے شاعر اور ایک بلند پایہ نثر نگار تھے۔ مصحفیؔ نے "تذکرۂ ہندی" میں، شیفتہؔ نے "گلشن بے خار" میں اور بینی نرائن جہاں نے "دیوان جہاں" میں ولاؔ کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ یہ سب کے سب ان کی عزت کرتے ہیں اور ان کی اہمیت سے پوری طرح آشنا ہیں۔ ولاؔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ کلکتے میں گزارا اور وہیں تصنیف و تالیف کا کام کیا، انھیں شاعری سے دلچسپی تھی، یہ شوق دہلی ہی میں پیدا ہو گیا تھا اور ابتدا میں مرزا جان طپشؔ سے اصلاح بھی لیتے رہے تھے، اس کے بعد

مصحفی کو کچھ دن کلام دکھایا آخر میں نظام الدین ممنونؔ دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، شاعری کا یہ شوق انھیں ورثے میں ملا تھا۔ اُن کے والد سلیمان علی خاں وداد بھی اپنے زمانے کے مشہور شاعر تھے، ولاؔ کی تعلیم و تربیت اچھے ماحول میں ہوئی اور انھوں نے عربی، فارسی، سنسکرت اور ہندی میں مہارت حاصل کی۔ جب فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تو وہ بھی لکھنؤ سے کلکتے گئے اور وہاں ڈاکٹر گل کرسٹ کی فرمائش پر تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا، ولاؔ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا صحیح علم نہیں۔ بینی نرائن جہاں کے تذکرے سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۱۴ء تک زندہ تھے اور کلکتے میں مقیم تھے۔

مظہر علی خاں ولاؔ دہلوی نے اپنی کتاب "جہانگیر شاہی" اور اپنے "دیوان" میں اپنے حالات زندگی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

مظہر علی خاں ولاؔ کے دادا آقا محمد حسین اصفہانی جن کا خطاب علی قلی خاں تھا اور پردادا آقا محمد صادق ترک یہ دونوں حضرات اصفہان (ایران) سے دہلی میں آکر آباد ہوئے ولاؔ کے دادا آقا محمد حسین اصفہانی نے محمد شاہ بادشاہ دہلی کی ملازمت اختیار کی انھیں "علی قلی خاں" کا شاہی خطاب عطا کیا گیا۔ ولاؔ کے والد سلیمان علی خاں جن کا اصلی نام مرزا محمد زماں اور تخلص ودادؔ تھا اپنے کمالات حمیدہ کی بنا پر نجم الدولہ نواب محمد اسحٰق خاں کے توسل سے حکومت مغلیہ کے منصب داروں میں شامل ہوئے۔ اور اسی پر رہتے ہوئے ۱۵ جمادی الاوّل ۱۱۸۱ھ / ۱۷۶۷ء کو قضا کی۔

مظہر علی خاں ولاؔ بھی جوان ہونے کے بعد شاہزادہ جہاں دار شاہ کی ملازمت میں داخل ہوئے اور انھیں کے ساتھ دہلی سے لکھنؤ آئے۔ جہاں دار شاہ کے بنارس چلے جانے کے بعد سرکار نواب آصف الدولہ میں ملازمت مل گئی اور مہاراجہ ٹکیت رائے کی ہم راہی میں سات سال گزارے۔ لکھنؤ کے قیام کے دوران مظہر علی خاں ولاؔ نے یہاں کے رئیسوں کی مدح میں قصائد تصنیف کیے۔

۱۔ شہزادہ جم جاہ مرزا شگفتہ بخت صاحب عالم ۲۔ مرزا علی حسن فرزند نواب سالار جنگ ۳۔ نواب سعادت علی خاں بہادر ۴۔ میر کاظم علی فرزند زین العابدین خاں ۵۔ نواب مرزا محمد علی خاں بہادر فرزند نواب شجاع الدولہ ۶۔ مہاراج ادھیراج نراندر پرشاد راجہ ٹکیت رائے

بہادر ۷۔ مہدی علی خاں بہادر ۸۔ آصف احمد علی خاں بہادر فرزند نواب سعادت علی خاں بہادر ۹۔ نواب محمد علی خاں بہادر فرزند نواب سعادت علی خاں بہادر ۱۰۔ سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں بہادر ۱۱۔ نواب قاسم علی خاں بہادر فرزند نواب سالار جنگ ۱۲۔ فخر الدین احمد خاں عرف مرزا جعفر ۱۳۔ شہزادہ والا جاہ مرزا سلیماں شکوہ ۱۴۔ کلثوم خانم دختر افتخار الدولہ مرزا علی خاں ۱۵۔ مرزا علی محمد فرزند نوازش علی خاں (نبیرۂ نواب سالار جنگ) ۱۶۔ غلام رضا خاں بہادر برادر نواب سرفراز الدولہ ۱۷۔ اکبر علی خاں بہادر فرزند حیدر بیگ خاں بہادر ۱۸۔ حسین علی خاں بہادر فرزند امیر الدولہ بہادر ۱۹۔ طاہر الدولہ بہادر ۲۰۔ شمس الدولہ ۲۱۔ جہاں دار شاہ عرف جواں بخت شاہزادۂ دہلی۔

مکیت رائے کا اقتدار ختم ہوا تو مظہر علی خاں وِلاؔ کچھ روز بے روزگار رہے، بعد میں مرزا فخر الدین عرف مرزا جعفر کی معرفت مسٹر اسکاٹ کی پیشی میں رکھ لئے گئے اور جنوری ۱۸۰۱ء میں یہ کلکتے پہنچے اور فورٹ ولیم کالج میں اسی روپے ماہانہ تنخواہ پر ملازمت مل گئی۔

مظہر علی خاں وِلاؔ نے کلکتے کے قیام میں فورٹ ولیم کالج کے لئے نثر میں چند کتابیں تالیف کیں جن میں ہفت گلشن، مادھونل اور کام کنڈلا، بیتال پچیسی، تاریخ شیر شاہی، جہانگیر نامہ، ترجمہ پند نامہ سعدی، اخلاقِ ہندی ان کی یادگار ہیں۔

مظہر علی خاں وِلاؔ دہلوی کا دیوان جس میں قصائد، غزلیات، قطعات، رباعیات، فردیات، واسوخت اور سلام شامل ہیں یہ دیوان ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے لاہور سے شائع کر دیا تھا۔ "دیوانِ وِلاؔ" میں چھ سلام ہیں جو یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

سلام

اس پہ سلام اب کہتی جو ہے پر اکبر میرا رن سے نہ آیا

ثانیِ احمد دلبرِ حیدر اکبر میرا رن سے نہ آیا

کس سے پوچھوں کیدھر ڈھونڈوں اے میرے پیارے راج دلارے

کس کو پکاروں اکبر کہہ کر اکبر میرا رن سے نہ آیا

مکھڑے کو اس کے ترس گئی ہوں کوئی دکھلادو اس کو لاکر

کس سے کہوں جو گذرے ہے مجھ پر اکبر میرا رن سے نہ آیا

کیسی گھڑی تھی جس میں سدھارا پھر نہ پھرا وہ میرا پیارا
کب تک تڑپوں حال ہے ابتر اکبر میرا رن سے نہ آیا
ہائے کدھر ہے پیارا میرا کس جا پروہ ہائے سدھارا
کیوں کہ نہ رُوں خاک اڑاکر اکبر میرا رن سے نہ آیا
کیا تیرے دل میں پیارے سمائی جان جو تونے اپنی گنوائی
آئی بلا یہ کیسی سر پر اکبر میرا رن سے نہ آیا
بختوں جلی ہوں کوکھ لٹی ہوں کوئی نہیں ہے والی وارث
یہی پکاروں تا دمِ محشر اکبر میرا رن سے نہ آیا
کیجو مدد تم حیدر و صفدر داد دلاؤ شافعِ محشر
جاکے کہوں گی پیش داور اکبر میرا رن سے نہ آیا
بھائی بھتیجے سب گئے مارے جنت کو وے پیارے سدھارے
کیا کیا تونے چرخِ ستمگر اکبر میرا رن سے نہ آیا
سب سے ولاؔ درخواست ہے کرتا بھیجو سلام اب دل سے اس پر
کہتی ہے جو رو کر مضطر اکبر میرا رن سے نہ آیا

سلام

لکھے جو صفحہ دل پر سلام شاہ نجف — دکھاوے حق اُسے عالی مقامِ شاہِ نجف
سلامی اُس کا ہو آکر ہر ایک جنّ و بشر — کہ جس کو ہووے میسّر سلامِ شاہِ نجف
یہ منھ ہے کس کا بغیر از بتولؑ اور حسنینؑ — کہ روزہ رکھے بسان صیامِ شاہِ نجف
نہیں تھا ذکر الٰہی سے ایک دم خالی — تمام عمر تلک صبح و شامِ شاہِ نجف
کیا ہے سجدے میں فرضِ خداکو سر سے ادا — رہے نماز وقعود و قیامِ شاہِ نجف
سنو اے مومنو بعد از حدیث نبویؐ کے — وہ معجزہ تھا کہ جو تھا کلامِ شاہِ نجف
ہوا یہ خلق پہ ظاہر بروزِ جنگِ احد — کہ ہے نشانِ ظفر از حسامِ شاہِ نجف
بلا حساب وہ جاوے ریاضِ جنت میں — کہ دل سے جو کوئی ہووے غلامِ شاہِ نجف

غرض یہ عرض ہے تیری جناب میں یارب
گناہ بخش ولاؔ کے بنامِ شاہِ نجف

سلام

اگر ہو دل سے محبو غلامِ شاہِ نجف | سلام بھیجو ہمیشہ بنامِ شاہِ نجف
ثبات کون و مکان و رواجِ دینِ نبی | ظہور پایا ہے از انتظامِ شاہِ نجف
علیؑ ہے بعد نبیؐ محض خیر خلق خدا | کہ بس ہے رحمت حق فیض عامِ شاہِ نجف
نمازِ شام سے بہرِ نماز ہے مشہور | نماز رات سحر تک قیامِ شاہِ نجف
نجات اُس کی نہ ہووے گی تا بروز جزا | زباں پہ جس کی نہ آوے گا نامِ شاہِ نجف
ہر ایک صبح کو تو بعد انفراغِ نماز | مدام دل سے پڑھا کر سلام شاہِ نجف

ندا ہو حشر کو وہ بھر کے جام کوثر کا
کہ صدق دل سے ولاؔ ہے غلام شاہِ نجف

سلام

چراغِ دودۂ خیر الورا پہ بھیجو سلام | فروغ دیدۂ شیرِ خدا پہ بھیجو سلام
سرورِ سینہ خیر النساء پہ بھیجو سلام | برادرِ حسنِ مجتبےٰ پہ بھیجو سلام
حسب نسب میں نہیں اس سے دوسرا ہمسر | وہی ہے عزو شرف میں ہر ایک سے بہتر
وہ آسمانِ امامت کا ہے مہِ افروز | موالیو اسی بدرالدجیٰ پہ بھیجو سلام
اسی نے سر کو رہِ دوست میں کٹایا ہے | اسی نے خاک میں گھر بار سب لٹایا ہے
اسی نے ظلم سہا ہے ستم اٹھایا ہے | غم و بلا کے نت اُس مبتلا پہ بھیجو سلام
وفائے وعدۂ حق سر سے وہ بجا لایا | موئے جو خویش و برادر نہ حیف کچھ کھایا
سوائے شکر نہ ہرگز زبان پر لایا | ہمیشہ مومنو اُس باوفا پہ بھیجو سلام
شہید غرقہ بخوں پادشاہِ تشنہ لباں | قتیل و بے سر و مجروح تیغ و تیر و سناں
غریب و بے کس و مذبوح خنجر بُرّاں | شہیدِ ظلم و قتیلِ جفا پہ بھیجو سلام
بلا پہ شاکر و صابر امام ہر دو سرا | نہ منھ کو پھیرا اُدھر سے جدھر سے آئی بلا
حسینؑ ابن علیؑ راہ دیں کا راہ نما | محبّو روز و شب اُس پیشوا پہ بھیجو سلام
ولاؔ کے دل میں تمنا یہی ہے یا شہِ دیں | کہ ہووے در پہ تمہارے پہنچ کے خاک نشیں

کرے یہ عرض اسی آستاں پہ رکھ کے جبیں
شہیدِ معرکۂ کربلا پہ بھیجو سلام

سلام

شاہ دیں مجرا جو اس مدّاح کا منظور ہو
تو یقیں ہے ساتھ تیرے حشر کو محشور ہو

اہل مجلس پیٹ سر کیوں کر نہ ہوں زار و نزار
جب کہ تیرا محفل اندوہ میں مذکور ہو

ہے یہ کیا جائے تعجب اے محبو دیکھیو
لال زہرا کا ہو غمگیں اور عدو مسرور ہو

کس نے کاٹا ہے نبیؐ اپنے کے ناتی کا گلا
کوئی بتادے گر کسی فرقے میں یہ دستور ہو

ایک طرف میداں میں تنہا ہو کھڑا سبطِ رسولؐ
ایک طرف کو آہ یارو بلوۂ جمہور ہو

ساقی کوثر کا پیارا ذبح ہو جب تشنہ لب
کس طرح سے پھر نہ یارب شیشۂ دل چور ہو

تن پڑا ہو پرزے پرزے ہو کے خاک و خون میں
اور سر اُس کا بدن سے کٹ کے بے بے دور ہو

جس کے غم سے چاک ہے سینہ قلم کا روز و شب
کیا کسو سے حال اُس کا آہ اب مسطور ہو

آرزو ہے یہ ولاؔ کی ہو سلام اُس کا قبول
تاکہ شاہا یہ تیرے خدام میں مشہور ہوا

سلام

آستانے کا ترے جو کوئی مجرائی ہے
باغ فردوس کا بے شک وہ تماشائی ہے

فخرِ کونین سے دل اپنا اُٹھایا اُس نے
جس نے جا بیٹھنے کی در پہ ترے پائی ہے

رتبہ و قدر وہ پہچانے ہے تیرا یا شاہ
حق پرستی کی جسے تک بھی شناسائی ہے

غیر تسلیم و رضا دم نہیں مارا تو نے
بات جز شکر زباں پر نہ تیری آئی ہے

اجر کیوں کر نہ ملے نوحہ گروں کو تیرے
تو نے گردن رہِ محبوب میں کٹوائی ہے

سجدۂ حق میں جو سر تو نے دیا ہے خوش ہو
انس و جاں کہتے ہیں یہ ورثۂ آبائی ہے

سرگذشت آہ شہادت کی کروں کیا میں بیاں
تاب سننے کی ہے نے طاقتِ گویائی ہے

ہو زیارت ترے روضے کی ولاؔ کو بھی نصیب
طوفِ در کا ترے مدت سے تمنائی ہے

مظہر علی خاں ولا دہلوی نے اپنا دیوان جو ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل تھا مع سوانح عمری مصنف کے۔ اس کا نسخہ خود مصنف نے بطور یادگار فورٹ ولیم کالج کو ۱۸۱۰ء میں دیا تھا۔

دیوان حمدیہ قصیدے سے شروع ہوتا ہے پھر چہاردہ معصومین کی مدح میں قصائد ہیں۔

دیوان کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مظہر علی خاں وؔلا دہلوی شیعہ اثنا عشر عقائد رکھتے تھے۔ اُن کی غزلوں کے بعض اشعار اور قصائد میں اُن کے عقائد کا بھرپور اظہار ہے :۔

جو ہے محبّ آل نبیؐ دل سے دوستو
اندیشہ کیا ہے پھر اُسے روز شمار کا

ہے جسے تکیہ شہا تیری جناب پاک کا | غم نہیں ہرگز اسے کچھ گردش افلاک کا
نور ذات کبریا ہے ذات تیری شاہ دیں | ہمسری کیا تجھ سے اس کو جو ہو پتلا خاک کا
آرزوئے دل ہے مسکن ہو مرا کوئے نجف | تا ملے رتبہ مجھے وہاں کے خس و خاشاک کا
تو سراپا لطف ہے کر لطف یا شاہ نجف | تجھ سوا فریاد رس ہے کون اس غمناک کا

کہہ سکے کوئی کیا وؔلا اس کی عُلو و شان کو
ہوش اڑتا ہے وہاں تو فہم اور ادراک کا

نہ مجھے سے ڈرے یا علیؑ وہ حشر کے دن
کہ جو بھروسا رکھے ہے تری گواہی کا

اسے کچھ تشنگی کا غم نہیں خورشید محشر سے
کہ ساقی جب علیؑ سا ہووے اے دل حوضِ کوثر کا

کیا دغدغہ ہے حشر کا اس کو ازل سے جو
دل سے غلام شاہ نجف تا ابد ہوا

اے وؔلا جور فلک سے نہ کچھ اندیشہ کر
فدوی شاہ نجف پھولتے پھلتے دیکھا

تیرا ہی رُد ہے ورنہ شہا کس کے واسطے
مغرب سے وقتِ عصر کے پھر آوے آفتاب

بہر نجات لا کے مزار حسینؑ سے
ذرہ سی خاک رکھیو وِلا کے کفن کے بیچ

یا بو ترابؑ اب یہ دعا کیجو مستجاب
ہووے وِلا کی خاک بھی تجھ نام پر نثار

دل کہتے ہیں جس کے تئیں گھر ہے وہ خدا کا
اور نام علیؑ سے ہی وِلا اس کی ہے تاسیس

دے وِلا مژدہ یہ تو احباب کو
حشر میں ہے ساقی کوثر سے فیض

یارو پئے نجات مزار حسینؑ سے
تھوڑی سے رکھیو اپنے وِلا کے کفن میں خاک

اب ہند سے بلالے شہؑ کربلا اسے
زنجیر پا ہوتی ہے وِلا کو وطن کی خاک

مہر تیری ہے وہ روشن گر ذرّاتِ جہاں
جس کے پر تو سے وِلا کا ہوا آفاق میں نام

روزِ جزا کی فکر نہ کچھ کیجو دل میں یار
دستِ ولاؔ اور ہے دامانِ پنجتنؑ

ہے آرزو یہ دل کی اہلِ زمیں کے نزدیک
نام اب ولاؔ کا اپنے کر بوترابؑ روشن

خود بہ خود عقدے ولاؔ مشکل کی واہوویں نہ کیوں
ہے مری عقدہ کشائی بوالحسن کے ہاتھ میں

ہے علی موسیٰؑ رضا کے طوفِ در کی آرزو
یا خدا پہنچا ولاؔ کو جلد شہرِ طوس میں

ہوں بقول رندؔ میں ہم رتبہ قنبر ولاؔ
غاشیہ لے جب سے دوڑا صاحبِ دُلدل کے ساتھ

علیؑ کا نام ہے حلاّلِ مشکلات ولاؔ
زبان پر گزرے ہے جب کار سخت آتا ہے

یا شہِ کربلا اسے لیجئے اب وہیں بُلا
سخت تنگ ہے ولاؔ ہند کی بود و باش سے

فیضِ قدم سے مہدی ہادی کے اے ولاؔ
سب مومنوں کے واسطے مامن زمیں ہے

غیر مطبوعہ

مظہر علی خاں وِلا دہلوی

جب دسویں رات آئی محرم کی مومناں (۱) بی فاطمہؑ سے بانو کیا گریہ و فغاں
جب روتے روتے سو گئیں بی بی وہ ناگہاں کیا دیکھتی ہیں خواب میں کربل کے درمیاں

اک بی بی پیٹ سر کو یہ کرتی ہے شور و شین
اس بن میں مارا جائے گا پیارا مرا حسینؑ

یہ کہہ کے اس جگہ پہ وہ بی بی جگر جلی (۲) بالوں سے اپنے واں کی زمیں جھاڑتی جو تھی
ہے ہے حسینؑ کہتی تھی رو رو کے ہر گھڑی بی بانو اُس کو خواب میں یوں پوچھنے لگی

کیوں آنسو تم بہاتی ہو یہ اپنے نین سے
کیا رشتہ ہے گا بی بی تمھارا حسینؑ سے

تن پر تمھارے کیوں ہے یہ بی بی سیہ لباس (۳) بر جا تمھارا کیوں نہیں ہے ہوش اور حواس
کیا دکھ پڑا ہے تم پہ کہو کیوں ہوئیں اداس وہ بولیں میری بانو بہو تیری ہوں میں ساس

حالت تو کیا ہے پوچھتی مجھ دل ملول کی
میں فاطمہؑ ہوں دل جلی بیٹی رسولؐ کی

اس واسطے میں بیٹھی ہوں اس جا پہ دل حزیں (۴) اور جھاڑتی ہوں بالوں سے اپنے میں یہ زمیں
سوئے گا اس کی خاک پہ میرا وہ نازنیں جس کو چڑھائے دوش پہ سالارِ مرسلیںؐ

اس جا پہ سر کٹے گا مرے نورِ عین کا
بے سر رہے گا لاشہ بھی میرے حسینؑ کا

چھاتی پہ جس کو اپنی میں لے کر سُلاتی تھی (۵) اور دودھ اپنا روز میں جس کو پلاتی تھی
جھولے میں جس کو پیار سے میں لے جھلاتی تھی گودی میں اپنے لے کے میں جس کو پھراتی تھی

قاتل جب اُس کے حلق پہ خنجر چلائے گا
وہ ظلم فاطمہؑ سے تو دیکھا نہ جائے گا

اس جا پہ مارا جائے گا شوہر ترا بہو (۶) تجھ سے جدا کل ہوئے گا شوہر تیرا بہو
اکبرؑ ترا رہے گا نہ اصغرؑ ترا بہو سب خاک میں ملے گا فجر گھر تیرا بہو

کل نعش پر حسینؑ کے تو آکے روئے گی
کل دوپہر کو رانڈ تو اے بانو ہووے گی

یہ فاطمہؑ سے خواب میں بانوؑ نے جب سُنا (۷) تب روتی نیند سے اُٹھیں وہ غم کی مبتلا
جا روبرو حسینؑ کے بولیں وہ غل مچا میں نے تو شب کو خواب میں دیکھا یہ ماجرا

جو ساس میری فاطمہؑ اور دل حزین ہیں
بالوں سے اپنے جھاڑتی واں کی زمین ہیں

کہتی ہیں میرا بیٹا پیارا ہے جو حسینؑ (۸) اس جا پہ مارا جائے گا میرا وہ نور عین
جب یہ سُنے حسینؑ نے بانو سے غم کے بین کہنے لگے یوں آنکھوں سے اپنے وہ بھر کے نین

آ پہنچی اب قضا بھی شہِ مشرقین کی
جاوے گی اب عدم کو سواری حسینؑ کی

القصہ شاہ دیں کا جو لشکر وہاں گیا (۹) اکبرؑ سے لے کے باقی نہ اصغرؑ تلک رہا
جب بانو پیٹنے لگیں رونے سے غل مچا جب شاہ اُن سے کہنے لگے غم کے مبتلا

کیا رو رہی ہو آنسوؤں سے بھر کے نین کو
آ بی بی مہر بخش دے تو مجھ حسینؑ کو

بانوؑ سے مہر شاہ نے جب بخشوالیا (۱۰) گودی میں لے سکینہؑ کو چھاتی لگالیا
پھر اس کے بعد بانوؑ سے رو رو کے یہ کہا ایذا نہ اس کو پہنچے یہ میری ہے دل ربا

گر ایذا یاں جو میری سکینہؑ کو ہووے گی
واں روح مجھ حسینؑ کی جنت میں روئے گی

رخصت ہو جب حرم سے وہ زہراؑ کا گلعذار (۱۱) سر کو کٹانے اپنا گیا رن میں ایک بار

تنہا تب اُس کو دیکھ کے وہ قوم نابکار کوئی تیر اُس کو مارا کوئی تیغ آبدار

تیروں سے تن جو چھد گیا اُس دل ملول کا

غش کھا گرا زمیں پہ نواسا رسولؐ کا

جب ہوش آیا اُن کو تو مُنہ قبلہ رو کیا (۱۲) پھر دیکھا ایک شخص ہے روتا ہوا کھڑا

پوچھا تب اُس امام نے تو کون ہے بتا بولے وہ اے حسینؑ کہوں تجھ سے اب میں کیا

جنت سے آیا تیرے لئے دل ملول ہوں

میرے نواسے تیرا میں نانا رسولؐ ہوں

روح نبیؐ یہ کہتی تھی رو رو کے غل مچا (۱۳) زخمی تھا رن میں بیٹھا جو واں شاہ کربلا

سجدے کے واسطے جو دیا اپنا سر جھکا اُن کے گلے پہ شمر نے خنجر پھرا دیا

گردن قلم جو کردیا ابن بتولؑ کی

خاطر نہ رکھی اُس نے وہ روح رسولؐ کی

اہل حرم تو روتے تھے اونٹوں پہ غل مچا (۱۴) نیزے پہ سر شہیدوں کا ہر ایک تھا چڑھا

ان میں سے سر حسینؑ کا قرآن پڑھتا تھا سارے سروں کا تھا سر عباسؑ پیشوا

جب تن سے سر حسینؑ کا ظالم جُدا کیا (۱۵) لے خولی سر کو نیزے کے اوپر چڑھا دیا

نقارہ فتح کا جو وہیں فوج میں بجا بالی سکینہؑ ڈیوڑھی پہ آ دیکھتی ہیں کیا

کفار کا ہے سامنے لشکر کھڑا ہوا

بابا کا سر ہے نیزے کے اوپر چڑھا ہوا

یہ دیکھتے ہی روئی سکینہؑ وہ غمزدی (۱۶) بانوؑ کے جاکے روبرو سر پیٹنے لگی

بولی اے اماں جان کیا بیٹھی ہو اس گھڑی وارث تمہارا مرگیا کونین کا ولی

ظالم یہ سارے لوٹنے خیمے کو آئے ہیں

سر کاٹ کے میرے باپ کا نیزے پہ لائے ہیں

بانوؑ یہ سُن سکینہؑ سے رونے لگیں پکار (۱۷) اتنے میں آئے خیمے میں سارے وہ نابکار
اہلِ حرم کو اونٹ پہ ظالم کئے سوار بولیں وہ بی بیاں سوئے یثرب بہ چشمِ زار
ہم بیکسوں کو دیجئے اب داد یا رسولؐ
اُمت نے لوٹا ہم کو ہے فریاد یا رسولؐ

القصہ نزد شام جو پہنچا وہ قافلہ (۱۸) کلثومؑ دل فگار سے زینبؑ نے یوں کہا
بلوے کے بیچ سر ہے ہمارا کھلا ہوا بستی میں اہلِ شام کے جانا ہمیں پڑا
چادر ہماری لٹ گئی ہم ننگے سر ہوئے
مرنے سے بھائی جان کے ہم در بدر ہوئے

ہے ہے وہ جن کا جھولا جھلاتی تھیں فاطمہؑ (۱۹) چھاتی پہ اپنے جن کو سُلاتی تھیں فاطمہؑ
جن کو کہ دودھ اپنا پلاتی تھیں فاطمہؑ قربان جن پہ ہر گھڑی جاتی تھیں فاطمہؑ
وہ شاہزادیاں جو گئیں شہرِ شام میں
بالوں سے مُنھ چھپائے تھیں بلوائے عام میں

وہ کون یعنی زینبؑ و کلثومؑ دل فگار (۲۰) بھائی کے غم سے روتی تھیں باچشم اشکبار
سوئے مدینہ کہتی تھیں یوں آہ مار مار بے پردہ ظالموں نے کیا آہ کردگار
دشتِ بلا میں لوٹا ہمارا بھی گھر گیا
بیٹے ہمارے مرگئے بھائی بھی مر گیا

اپنی نواسیوں کی اے نانا جی لو خبر (۲۱) مرنے سے ہم حسینؑ کے، پھرتے ہیں دربدر
بلوے میں ظالموں کے کھلا ہے ہمارا سر تم بن یہ اپنا حال کہیں کس سے نوحہ گر
بستی میں شامیوں کی بحالِ تغیر ہیں
نانا! نواسیاں یہ تمھاری اسیر ہیں

غیرت ہمیں یہ آتی ہے یا شاہِ انبیاؐ (۲۲) پردے میں سارے بیٹھے ہیں ناموسِ اشقیا
بے پردہ ہم ہیں اور ہے سر بھی کھلا ہوا اس طرح ہم کو جینے سے اب موت دے خدا
مسند پہ بیٹھا شاد پسر اہلِ شام کا
زین العباؑ اسیر ہو بیٹا امام کا

یہ گفتگو تھی اتنے میں ظالم وہ بے حیا (۲۳) سرورؑ کے سر کو روبر اک طشت میں دھرا
اہل حرم کو قید میں اُس نے بھجا دیا تب جا کے قید خانے میں عابدؑ نے یوں کہا
آفت ہے ہم پہ قید کی گر دل مُلول ہے
اُمّت کے واسطے یہ ہمیں سب قبول ہے

بیوہ ہر ایک قید میں روتی تھی دل جلی (۲۴) رونے کی دھوم خانۂ زنداں میں جب مچی
بی بی سکینہؑ تھی جو پیاری حسینؑ کی بابا کے وہ فراق میں تب نیند سے اُٹھی
کہنے لگی ہر ایک کو وہ شور و شین سے
مجھ کو ملادو کوئی مرے بابا حسینؑ سے

رونا یہ سُن یزید لعیں تھا جو بد گہر (۲۵) زانو پہ سوتا طاہر بلخی کے رکھ کے سر
جاگا تو پوچھا کون ہے روتا یہ آہ بھر بولا کوئی کہ اس کی نہیں مجھ کو ہے خبر
بیٹی ہے یہ حسینؑ کی زہراؑ کی پوتی ہے
بابا کو یاد کرکے سکینہؑ یہ روتی ہے

اتنے میں سر حسینؑ کا جو تھا دھرا ہوا (۲۶) ازراہِ درد و غم کے زمیں سے وہ پھر اُٹھا
دیوار پر وہ خانہ زنداں کے جا کہا مل لے پدر سے آکے سکینہؑ تو اب ذرا
احمدؐ کا میں نواسہ شہ مشرقین ہوں
میری سکینہؑ تیرا میں بابا حسینؑ ہوں

آواز سن پدر کی سکینہ جگر فگار (۲۷) جا دیکھا سر ہے باپ کا دیوار پر سوار
یہ بولیں آؤں کس طرح وہ سر کہا پکار دامن پکڑ تو کرتے کا پھیلا کے سوگوار
پھیلایا جوں ہی گود سکینہؑ نے بھر کے نین
اُس گود میں وہ گر پڑا آکر سرِ حسینؑ

جب گود میں سکینہؑ کی وہ سر جو آگرا (۲۸) ہاتھوں سے ننھی بچی نے اُس سر کو لے لیا
بولیں مجھے بھی ساتھ چلو لے کے تم ذرا یہ کہہ کے سر سے باپ کے غم کی وہ مبتلا
اک آہ ایسی بالی سکینہؑ جو کر گئیں
منھ اپنا رکھ کے باپ کے منھ پر وہ مر گئیں

عابدؑ جو اُن کا بھائی تھا اور نام تھا علیؑ (۲۹) سر سے پدر کے کہنے لگا رو کے وہ ولی
بالی سکینہؑ کی تمہیں خاطر زیادہ تھی بابا کے سر پہ دے دیا بیٹی نے اپنا جی
الفت پسر سے بابا جی تم اپنے توڑ کے
بیٹی کو ساتھ لے گئے بیٹے کو چھوڑ کے

زین العباؑ یہ کہتا تھا ہو غم کا مبتلا (۳۰) اب آگے اُس کے غم کا لکھوں کیا میں ماجرا
کر عرض یوں حسینؑ کی درگاہ میں ولاؔ تم ہو امام ہر دو جہاں شافع جزا
دنیا میں ہم کو شاہ دیں دل شاد تم رکھو
اور اپنے مجھ کو فضل سے سجادؔ تم رکھو

مرزا شریف بیگ شریفؔ دہلوی

کا ہندی مرثیہ

مرزا شریف بیگ دلّی کے رئیسوں میں تھے، دلّی کی بربادی کے بعد پانی پت چلے گئے تھے، اُن کے خاندان کے افراد پانی پت میں آباد تھے، اُن کی اولاد میں حکیم محمد جان بیگ ۱۸۵۷ء تک حیات موجود تھے۔

قدرت اللہ قاسمؔ نے مرزا شریفؔ کے حالات کے سلسلے میں لکھا ہے :-

"جوانے است خوش خو پاکیزہ رو، جدید الاسلام مرزا محمد شریف نام کہ خیال مرثیہ خوانی در سر دارد گاہ گاہ فکر ریختہ ہم بر روئے کار آرد ایں دو بیت"۔

یہ شہر دل تو نہ تھا قابل ستم ہیہات — خراب ہو گئی بنیاد ایسی بستی کی
شریفؔ رونے پہ آجائے گر یہ دیدۂ تر — تو آبرو نہ رہے کچھ گھٹا برستی کی

(مجموعۂ نغز)

اسپرنگر لکھتے ہیں :-

"شریف تخلص، میرزا محمد شریف، یہ مسلمان ہو گئے ہیں، مرثیے کا شوق رکھتے ہیں (قاسمؔ) غالباً یہ وہی میرزا شریف بیگ ہیں جو لالہ شریف بیگ کر کے مشہور ہیں اور جو لالہ دولت رام کھتری کے بیٹے ہیں، دولت رام کا ذکر ذکاؔ نے اپنے تذکرے میں کیا ہے"۔ (یادگار شعرا)

شیفتہ لکھتے ہیں :

"مرزا شریف بیگ ایک شریف خاندان کے تھے، مزاج میں ظرافت تھی"۔ (گلشن بے خار)

کریم الدین لکھتے ہیں :-

"شریف تخلص، مرزا شریف بیگ خاندان شریف سے ہے، وہ شخص ظریف و حریف ہے"۔

(طبقات شعرائے ہند)

قطب الدین باطنؔ لکھتے ہیں :۔

"شریف تخلص، مرزا شریف بیگ نام، مردِ شریف، فکرِ سخن میں طبع لطیف"۔(گلستانِ بے خزاں)

نساخ نے لکھا ہے :۔

"مرزا شریف بیگ دہلی کے مرثیہ خواں ہیں"۔(سخن شعرا)

قدرت اللہ قاسمؔ کے تذکرے کی تالیف (۱۲۲۱ھ - ۱۸۰۲ء) کے وقت مرزا شریف بیگ دہلوی جوان تھے۔اس عہد کے مرثیہ نگاروں میں گداؔ،حیدریؔ،احسانؔ،افسردہؔ اور ناظمؔ کے ہم عصر تھے۔ان کا ایک ہندی مربع مرثیہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے جو شائع کیا جارہا ہے۔اس مرثیے کے چند بند علی جواد زیدی صاحب نے میرے حوالے کے ساتھ "دہلوی مرثیہ گو جلد دوئم" میں شائع کیے تھے۔اب یہ پورا مرثیہ منظرِ عام پر آرہا ہے۔

مرثیہ

۱

کون دیس سے آئی بھنا جن یہ لگن دھرائی

سیاں مورا کاسم ہوں سا بیرن نجر لگائی

بیاہ کے دن واں جائے مندر سوں اپنی نار کٹائی

اک پل چہیتی دلہن ہو بیٹھی رانڈ جنم کی کھائی

۲

جو میں ایسا جانتی تجنے مکھ سے اٹھتی بول

تو میں مانگ نہ بھرتی تجنے اور نہ دھرتی ڈھول

سو میں چولی آگ لگاتی، دیتی گھونگٹ کھول

بیاہ کی بھور ہی اٹھ مورے سیاں جاکر کیے لڑائی

نا میں اپنا سیس گندھاتی نہ چوڑیاں بھرباں ہاں
نا میں دلہن آپ کہاتی نا مورے کا تم سیاں
جارے جیورا مرجیوں کس جا بیٹ سروہی جیاں
بن سیاں اب جیون ناہیں توہے دیئے مکلائی

۳

رو رو وای پونچھ کے آنسو مائی ساس سمجھاوے
مت رو موری گھونگھٹ والی سیاں تورا آوے
اب کوئی پل بھی تیرو ساجن توکو مکھ دکھلاوے
دلہن کہتی سُن ہو مائی کاہیں دیر لگائی

۴

سانجھ بھئی سب پنکھ پکھیرو آکر کینو بسیرا
ہمرا سیاں اجھوُ نہ آئے رَن بیری نے گھیرا
کہاں پھروں کت جاؤں سکھی ری اجھو نہ کیتا پھیرا
ہم ہوں کو اپنے پیتا کی پاتی لکھ بٹوائی

۵

نا جانوں میں ہمرے پیا نے کون بسایو دیسا
ہے کوئی ایسا بیر بٹوئی مورا کہے سندیسا
دھرتی تو پربت بھئی تم بن اور انگنا بھیو بدیسا
باٹ نکت ہے دلہن تُمری رووَت ہے دکھ پائی

۶

جو میں اپنے پی کے کہیں کھبریا پاؤں
جہہ بُدہ موسے ہوئی سکھی اپنے سیاں کو دیکھن جاؤں
سیس نوا کے بیاکُل ہو ہو رو رو بین سناؤں
تم تو موسے روس رہے ہو میں آپ مناون آئی

۷

سوہا چولا بیاہ کا پھاڑا نوچ کے سگرا ابرن
مُکھ کو اپنے راکھ لپیٹوں سائیں کو ڈھونڈوں بن بن
جو کوئی پوچھے بات بٹوئی کہہ کی ہے تو جوگن
کس کارن تو بھئی بروگن سوگی بھنت بنائی

۸

واسے کہوں گی بیر بٹوئی کا پوچھت ہے باتی
پیتا ماری ڈولت ہوں گی نا کوئی سنگ سنگھاتی
بالی پن میں رانڈ بھئی ہوں پھرتی ہوں گھبراتی
کیہہ کو دوس دیوں مورے بیرا کر موں آگ لگائی

۹

مو پہ یہ پیتا ہے بھاری تس دن سیس نوانا
میکہ جلا سسرال لٹی اب ناکو ٹھور ٹھکانا
جہہ کی ہے سب اُمت کہاتی وہ ہے ہمرا نانا
اکبرؑ، اصغرؑ، عونؑ، محمدؑ سگرے ہمرے بھائی

۱۰

کنبہ نبی محمدؐ کا ہے سگرا ہمرا گوتی
دادا علیؐ ولی ہے مورا زہراؑ کی ہوں پوتی
کاسمؑ کی میں دلہن ہوں گی ڈھونڈت ہوں میں روتی
چاچا میرا حسنؑ کہاوے حسینؑ کی ہوں جائی

۱۱

یوں کہہ دلہن سیس بکھیرے گھر آنگن میں دوڑے
کون نگر تم جائے بسایو ایو سیاں مورے
لیو کھبریا بیگ ہماری میں بلہاری تورے
وہ جانے ہے آوے گا سیاں لوتھ پتی کی آئی

۱۲

ہے ہے کاسم ہے ہے کاسم سگرے مندر میں ہوئی
ساس نہار بہو کو کہتی ہے ہے سیاں موئی
ماکہے موری بالی بچی ہے ہے رنڈیا ہوئی
دلہن کہتی رو رو میں بن سیاں آج ہوائی

۱۳

ہمرے پتا اب کہتے ہیں رو رو مر گیا مورا بھتیجا
ہم کو جی سے بسار کے دولھا موت دلہن پر ریجھا
دلہن کی اب چوتھی ہوئی یاں، واں دولھا کا تیجا
ہم سے نین چرا کے سیاں گور سے آنکھ لگائی

۱۴

سگرے جگت سے بیاہ کی ہمرے ریت بھی ہے نرالی
عبیر کے بدلے مُکھ کے اوپر لوہو کی ہے لالی
۱۵ سوہا چولا بیاہ کا پھاڑوں پہروں کفنی کالی
ماتھے پر افشاں کے بدلے میں نے راکھ لگائی

کن دلہن نے بیاہ کے دن یہ دیکھے سوگ سیاپے
سیّاں کے رونے کے کارن گھونگٹ سے مُکھ ڈھانپے
۱۶ صندل کے بدلے مُکھ کے اوپر لوہو کے دیے چھاپے
دلہن کے سر پھول اُڑھاویں ہم سر دھُول اُڑائی

جب دلہن نتھ چوڑی پھرے کرت سلام سہاگن
کہا کہت ہو کہہ کے دلہن ایسی ہوئی نربھاگن
۱۷ کنبہ سگرا دے دُعا تو ہوئی بوڑھ سہاگن
لوتھ اُپر دولھا کے مورے نتھ چوڑی اُترائی

مانگ سنواری سیدھی موری ہاتھ میں لے کر درپن
سوہن ماڑی چوٹی گوندھی بھاگ سہاگ کے کارن
۱۸ سو یہ چوٹی مجھ کو ڈستی ہے بن سیّاں ہو ناگن
پتا کارن دولھا کے ہے چوٹی تک کھُلوائی

ساہورے گھر میں ٹھانوں نہیں سسرال مندر ہے سونا
میکہ جلا سسرال لٹی مو کو ٹھور کہوں نا
پھٹ مورا جیونا سکھی مورے دولھا پر دکھ ہے دونا
سیّاں مورا یوں مرجاوے موکو موت نہ آئی

۱۹

بھاگی بھاگی میں نربھاگن کہاں پھروں گی ہے ہے
جب مری ساسو روو ے گی دکھیا تب میں روؤں گی ہے ہے
دیس مدینہ میں مَیں جا کر کہا کروں گی ہے ہے
پی نہیں تو سُکھ کھائی مروں میں ستی ہو میری مائی

۲۰

کہت شریفؔ یہ بنتی کر کے میں ہوں داس تمھارا
لکھے کے دن تمرے ہاتھوں سے مورا نستارا
مہابلی ہے علیؓ ولی دو جگ کا تارن ہارا
ہے گھر ناؤ جو مورے شاہا دا ہو پار لنگھائی

۲۱

مقبولؔ دہلوی

کے دو۲ غیر مطبوعہ مرثیے

خلف انعام اللہ خاں، سادہ مزاج، بے ریا اور مقبول عام و خاص نوجوان ہیں۔ آج کل فرخ آباد میں ہیں۔ زمانے کی گردش کی وجہ سے بے حد پریشانی میں بسر کر رہے ہیں۔ اور کمال خوش نویسی اور خطاطی کے باوصف اہل زمانہ کی نگاہوں میں بے قدر ہیں۔ اساتذۂ قدیم و اساتذۂ حال کے ہزارہا شعر ان کو یاد ہیں اور شعرائے ریختہ سے ان کو فطری محبت ہے۔ شاعروں سے ملنے کے لئے منزلیں طے کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے والد کا ان کے لڑکپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، وہ محبت پدری سے محروم رہے۔ شیخ ولی اللہ محبؔ سے مشق کرتے ہیں۔
(مسرت افزا)

میاں مقبول نبی، تخلص مقبولؔ، ولد یقینؔ، یہ فرخ آباد میں رہتے ہیں۔ (شورش)، ان کا خطاب مظہر الدین خاں ہے۔ انھوں نے تقریباً تین سو پرانے اور نئے شعرا کے سات ہزار اشعار جمع کئے مگر گھر میں آگ لگی اور یہ مجموعہ جل گیا۔ (قاسم)۔ فراقؔ کے شاگرد تھے۔ (گلشن بے خار)۔ ذکاؔ کے دوست تھے۔ (یادگار شعرا، اسپرنگر، ص ۱۹۵)

مقبول نبی فرزند انعام اللہ خاں یقینؔ۔ تخلص مقبولؔ، اس شہر جنت مثال کے ساکن اور ثناء اللہ خاں فراقؔ کے شاگرد ہیں۔ (گلشن بے خار، ص ۲۶۲)

مقبول تخلص، مقبول نبی مقبولؔ دہلوی، خلف انعام اللہ خاں یقینؔ، شاگرد ثناء اللہ فراقؔ۔ (سخن شعرا، نساخ، ص ۴۵۳)

مقبول تخلص، میاں مقبول نبی المخاطب بہ مظہر الدین خاں خلف الرشید پسر دوم انعام اللہ خان یقینؔ رحمۃ اللہ الراحمین است۔ مردے مثال آئینہ صاف و عزیزے مشق

خوش خرامی کا جب خیال کیا　　ایک عالم کو پامال کیا

نہ لگا تو گلے سے یار افسوس　　آہ افسوس صد ہزار افسوس

ہر بات میں رکاوٹ طرز ادا تو دیکھو　　ہر آن میں بگڑنا مہر و وفا تو دیکھو

جلوہ آمیں سو بار دکھاوے شب مہتاب　　ان یار کب آنکھوں میں خوش آوے شب مہتاب

پوچھا میں اسے رات کہاں مہ جبیں رہا　　بولا کہ شوق دل کا تجھے کیا نہیں رہا

بانک پن اس کو سکھایا تھا کچھ اس دن کے لئے　　کون جانے تھا کہ اپنا ہی وہ قاتل ہونے کا

کہتے ہیں مجھ سے دیدۂ دل ہو کے متفق　　تو نے ہی اس کو یار کیا ہم نے کیا کیا

خط سے تو جی بچا تھا پر زلف مہوشاں نے　　ہرگز مجھے نہ چھوڑا آخر ندان مارا
جس نے سنا یہ بولا اک آہ سرد بھر کر　　افسوس ہے کہ کس نے یہ کم زبان مارا
یک غریب عاشق مقبول تھا جو تیرا　　فرقت نے تیری اس کو اے بدگمان مارا

ایک جو ہم رہ گئے تھے سو بھی چلے　　اب تو اس شوخ کو فراغ ہوا

کون رویا نہ حال پہ میرے　　رحم تجھ کو مگر نہیں آیا

کیا مزا ہو جو یار آجاوے　　چاندنی رات ہے بہار ہے اب

نام خدا تو ہے اب اے بت محبوب خوب　　آن بان چھب غضب گات کا اسلوب خوب

یہ بیمار بچنے کا ہرگز نہیں　　مری نبض کو دیکھ بولا طبیب
اگر عزم بالجزم ہے قتل کا　　تو نصر من اللہ فتح قریب

بعد مدت کے تو آیا ہے مری جان یہاں　　ایک دم پاس مرے بیٹھ ذرا بات کی بات

تبسم ہے نہ ہنستا ہے نہ وہ گفتار کیا باعث　　خفا رہتا ہے مجھ سے کیوں مرے دلدار کیا باعث
ہمیشہ صحبتِ اغیار میں خوش رہتے ہو　　ہمارے پاس آنے سے جو ہو بیزار کیا باعث
بھلا مقبول ہے تو دوست کو گھر سے نکالے ہے　　یہ کیوں کاہے کو کہہ کس واسطے دلدار کیا باعث

ہم وہ شہیدِ عشق ہیں تیرے کہ بعدِ مرگ　　برپا ہماری خاک سے ہوگا غبارِ سُرخ

غم سے جس کے میں ہوا مر کے غبار آخر کار　　خاک پر بھی مری آیا نہ وہ یار آخر کار

تم تو جاتے ہیں خوش ہو ہو کے زرداروں کے پاس　　کون آتا ہے دلا ہم جیسے بے چاروں کے پاس

چالاکی اپنی برق نہ دکھلا فلک پہ تو　　میں بھی زمیں پہ آتشِ غم سے طپیدہ ہوں

اکسیر سے پرے ہو جو پاوے کہیں قرار　　پر چین ہے کہاں دلِ سیماب وار کو

کیا مزے سے عیش ہو ساقی جو یہ اسباب ہو　　ماہرو ہووے ہو میں ہوں اور شبِ مہتاب ہو

بزم میں اغیار کی رات صریحاً تھے تم　　کھاتے ہو کیوں اس گھڑی جھوٹی قسم واہ واہ

دیکھ کر عکس روئے ترے آب ہو گیا　　ہے تیرے آگے دست بہ فریاد آئینہ

خوشنما تھی تجھ لبِ نازک پہ سرخی پان کی	سامنے ہو جان کیا یاقوت اور مرجان کی
غیر سے کل رات کو کرتے تھے تم کیا بات چیت	سچ کہو پیارے تمھیں سوگند اپنی جان کی

چاہو جو کچھ کہو تم مقبولؔ کو پیارے	سب خلق میں تمھارے مشہور ہے تو یہ ہے

دو قدم پر رہ گیا ہے ہم دموں ملکِ عدم	کاٹ دیں گے یہ بھی چل کر اوٹھتے بیٹھتے
یاد سے تیری صنم اک آن ہم غافل نہیں	دھیان تیرا ہے مجھے واللہ اٹھتے بیٹھتے

کھنچے ہے خدا رقیبوں سے جی میرے یار کا	اتنا ہی مدعا ہے دلِ بے قرار کا
آئینے کے سوا کرے کس کی طرف نظر	وہ مبتلا ہے اپنے ہی نقش و نگار کا

میرے پہلو میں رہ کے کیا لے گا	تو بھی جا دل، جدھر گئی ہے نظر

اس گل کو ہم سے ملنے میں ہے تنگ اب تلک	جوں غنچۂ سحر ہے یہ دل تنگ اب تلک

تڑپیں ہیں کئی طالبِ دیدار تمھارے	یک حشر بپا ہے سرِ بازار تمھارے
وہ مردمکِ دیدۂ عشاق ہے واللہ	جو خال ہے چہرے پہ نمودار تمھارے

ہمارے کتب خانے میں ایک قلمی بیاض مراثی میں مقبولؔ کے دو نایاب مرثیے موجود ہیں۔

غیر مطبوعہ مرثیہ

(۱)

میداں میں غل ہے سیدِ مظلوم آتے ہیں	دامن میں ایک ننھے سے بچے کو لاتے ہیں
تیروں کے ڈر سے گود کے اندر چھپاتے ہیں	شرمندگی سے فرقِ مبارک جھکاتے ہیں

یوسف ہزار جان سے قربان ہوتے ہیں
شبیر دیکھ دیکھ کے صورت کو روتے ہیں

(۲)

کہتے تھے رو رو کیا کروں بے کس میں جاؤں — اصغر تمھاری جان کو کس طرح سے بچاؤں

پانی کہاں سے لا کے تمہیں گھونٹ بھر پلاؤں — سنتا نہیں ہے کوئی کسے حال دل سناؤں

مظلوم پیارے فاطمہؑ کے نور عین کے

بیکس غریب چھوٹے مسافر حسینؑ کے

(۳)

او اٹھو آنکھیں کھولو ذرا ہوش میں تو آؤ — پھٹتا ہے دل حسینؑ کا مژدے سے لب ہلاؤ

او اٹھو دیکھ کے دریا کو مسکراؤ — ہم پانی مانگتے ہیں زباں خشک تم دکھاؤ

پانی نہ پایا گرمی سے تیوری بدلتے ہیں

میں صدقے کیا جہان سے پیاسے ہی جاتے ہیں

(۴)

بولو غریب میرے کلیجہ دھڑکتا ہے — ننھے گلے میں پیاس سے کیا دم اٹکتا ہے

تھرا رہے ہیں ہاتھ پسینہ ٹپکتا ہے — دم جلدی جلدی لیتے ہو منکا ڈھلکتا ہے

اماں کا ساتھ بیکسی میں چھوڑتے ہو تم

بابا کی آس پیری میں کیا توڑتے ہو تم

(۵)

یہ کہہ کے رخ سے گوشۂ دامن اٹھا دیا — فرزند نامراد کی صورت دکھا دیا

دکھلا کے ننھے ہونٹ سبھوں کو رلا دیا — دکھلا کے ننھا لاشہ زمیں کو ہلا دیا

دشمن پہ خاک اڑاتے ہیں بے چین ہوتے ہیں

اولاد والے پکڑے کلیجے کو روتے ہیں

(۶)

تھا شور ہر طرف سے خدایا دہائی ہے — یہ پیاس اور یہ گلِ رعنا دہائی ہے

یہ دھوپ اور یہ بلبل شیدا دہائی ہے — یہ ظلم اور یہ ننھا سا بچا دہائی ہے

افسوس کس جفا میں ہے کنبہ رسولؐ کا

دم توڑتا ہے پیاس سے پوتا رسولؐ کا

(۷)

رو رو کہا امامؑ نے کیوں اے سپاہ شام — اب بھی نہیں حسینؑ پہ کیا رحم کا مقام

بچے مرے تڑپتے ہیں بے پانی کے تمام — لختِ جگر ہیں ساقیٔ کوثر کے تشنہ کام

تم سے سوال پانی کا اس تن میں لایا ہوں

خود پانی مانگنے کو میں بچے سے آیا ہوں

اے میرے پیارے اے میرے نادان الوداع ۔ بے کس شہید پیاسے پہ ارمان الوداع
مظلوم الوداع اے مری جان الوداع ۔ (۲۶) ۔ بانو کے چھ مہینے کے مہمان الوداع
اماں کو چھوڑ موت کے پہلو میں سو گئے
امت پہ نانا جان کی قربان ہو گئے

مقبول بس خموش کہ دل کو نہیں ہے تاب ۔ اب عرض کر حسینؑ کی درگاہ میں شتاب
اے مالک جہان شہ عالی وقار جناب ۔ (۲۷) ۔ ذاکر کو تیرے فکر ہے ان روزوں بے حساب
اس فکر جاں گداز سے میری رہائی ہو
قدرت کے ہاتھ سے مری عقدہ کشائی ہو

غیر مطبوعہ مرثیہ

دنیا سے آج ننھے اصغرؑ کا کوچ ہے ۔ نودن کے بھوکے پیاسے مسافر کا کوچ ہے
بانو کے نونہال کے دلبر کا کوچ ہے ۔ (۱) ۔ اک ان کا کوچ کیا ہے کہ سب گھر کا کوچ ہے
ننھی سی جان پیاس سے جھولے میں جاتی ہے
آنکھوں سے سوجھتا نہیں سانس الٹی آتی ہے

نیلے ہیں ہونٹ پیاسے ہی دنیا سے جاتے ہیں ۔ بینائی ساری جاچکی آنکھیں پھراتے ہیں
کانٹے زباں پہ پیاس کی شدت سے آتے ہیں ۔ (۲) ۔ طاقت نہیں بیان کی پر لب ہلاتے ہیں
تن کانپتا ہے ضعف سے دل تھرتھراتا ہے
آنکھوں کا نور ہو گیا زائل غش آتا ہے

رعشہ ہے ہاتھ پاؤں میں اور رنگ زرد ہے ۔ سینے میں دل تڑپتا ہے سب جسم سرد ہے
سوکھی زباں ہے ننھے کلیجے میں درد ہے ۔ (۳) ۔ سارے جھنڈولے بالوں میں میداں کی گرد ہے
مچھلی کی طرح پیاس سے لب کھول دیتے ہیں
گھبرا کے ننھے ہاتھوں سے دل تھام لیتے ہیں

اصغرؑ جہاں سے جاتے ہیں لوگو میں کیا کروں ۔ رخصت کو ہاتھ اٹھاتے ہیں لوگو میں کیا کروں
بے کس ہمیں بناتے ہیں لوگو میں کیا کروں ۔ (۴) ۔ جنگل کے تئیں بساتے ہیں لوگو میں کیا کروں
کرتے نہیں اشارے نہ ہنستے نہ روتے ہیں
پھیلائے پاؤں جھولے میں بے ہوش سوتے ہیں

غصے میں مجھ پہ آتے نہیں کچھ دوا بتاؤ (۵) رونے کا منہ بناتے نہیں کچھ دوا بتاؤ
اماں کے تئیں بلاتے نہیں کچھ دوا بتاؤ آواز ہی سناتے نہیں کچھ دوا بتاؤ
اب اس مرض کی بار خدا کیا دوا کروں
اصغرؑ جواب دیتے نہیں ہائے کیا کروں

رو کر پکارتی ہوں کہ پیارے اٹھو اٹھو (۶) اے میرے زخم دل کے سہارے اٹھو اٹھو
اس اجڑی ماں کے آنکھوں کے تارے اٹھو اٹھو مظلوم ہوکے پیاس کے مارے اٹھو اٹھو
واری اٹھو میں کب سے کھڑی جان کھوتی ہوں
صدقے تمہارے ہوتی ہوں قربان ہوتی ہوں

کس کس طرح تڑپتی ہوں اصغر جواب دو (۷) کیا کیا تڑپتی پھرتی ہوں دلبر جواب دو
اے نور چشم سبط پیمبرؐ جواب دو اصغرؑ جواب دو علی اصغرؑ جواب دو
بانہیں بڑھا کے منہ سے ذرا اماں بول دو
قربان تیرے نرگسی آنکھوں کو کھول دو

بچے کا دم نکلتا ہے فریاد یا علیؑ (۸) سینے میں دل اچھلتا ہے فریاد یا علیؑ
ننھا کلیجہ جلتا ہے فریاد یا علیؑ اب دم نہیں سنبھلتا ہے فریاد یا علیؑ
پوتے کی جان جاتی ہے آکر سنبھال لو
طوفان سے یا علیؑ مری کشتی نکال لو

یا شیرِ کبریا مری حالت پہ رحم کھاؤ (۹) ننھا سا پوتا مرتا ہے جلدی سے دوڑ آؤ
کوثر کا پانی پوتے کو واری کئی پلاؤ مشکل کشائی میری کرو معجزہ دکھاؤ
بانوؑ کی کوکھ جلتی ہے جلد آؤ یا علیؑ
مشکل کو میری حل کرو مشکل کشا علیؑ

بھوکے ہیں تین روز سے نو دن کی پیاس ہے (۱۰) جاں پھر رہی ہے آنکھوں میں چہرہ اداس ہے
جھولے میں چونک پڑتے ہیں اور بے حواس ہے بابا کا انتظار ہے پانی کی آس ہے
ننھا سا دم اکھڑتا ہے تیور بدلتے ہیں
ہچکی کے ساتھ آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں

آنکھوں کو پھاڑ دیتے ہیں گھبرائے جاتے ہیں (۱۱) گردن کا منکا تکیے پہ ڈھلکائے جاتے ہیں
منھ پر پسینہ آتا ہے کمھلائے جاتے ہیں سینے میں سانس رکتی ہے غش کھائے جاتے ہیں
ماں کوکھ پکڑے پھرتی ہے گھبرا کے روتی ہے
جھولے کے گرد پھرتی ہے اور جان کھوتی ہے

اب دم الٹتا آتا ہے یارب دوہائی ہے (۱۲) منکا ڈھلکتا جاتا ہے یارب دہائی ہے
آنکھوں میں نیل چھایا ہے یارب دہائی ہے اب دم نہیں سماتا ہے یارب دہائی ہے
ہے ہے میں کیا کروں کہ مری چھاتی پھٹ گئی
آنکھیں سفید ہو گئیں پتلی الٹ گئی

لوگو ذرا تو ہم سے کہو کیا یہ مر گئے (۱۳) پانی نہ پایا پیاسے جہاں سے گزر گئے
ننھا سا دم نکلتے ہی خالق کے گھر گئے ہم کو نہ ساتھ لے گئے برباد کر گئے
اماں کو چھوڑ موت کے پہلو میں سو گئے
بس ایک دم میں پیاس سے بے جان ہو گئے

بس مر گئے تو جھولے سے اب اُن کے تئیں اٹھاؤ (۱۴) اصغر کے کڑے ہنسلیاں منت کی سب بڑھاؤ
بستر کی احتیاج نہیں خاک پر سلاؤ اصغر ہمارے مر گئے بانو پہ خاک اڑاؤ
پیدا ہوئے تھے ماں کو رولانے کے واسطے
پالا تھا اُن کو خاک میں جانے کے واسطے

جھولے پہ خاک اڑاؤ مرا لعل مر گیا (۱۵) بستر کے تئیں جلا دو مرا لعل مر گیا
تکیوں کے تئیں ہٹا دو مرا لعل مر گیا نیچے انھیں سُلا دو مرا لعل مر گیا
لوری کے بدلے لاش پہ ہم آکے روئیں گے
جھولا کہاں کا قبر میں اب جا کے سوئیں گے

سب جسم ٹھنڈا ہو چکا اب آس کچھ نہیں (۱۶) تکیے سے سر ڈھلک گیا اب آس کچھ نہیں
؟؟؟؟؟؟ ؟؟؟ ؟؟؟؟؟؟ ؟؟؟؟؟؟ ؟؟؟ ؟؟؟؟؟؟
اس بے کسی میں داغ مرے دل پہ دے گئے
برباد ہم کو کر دیا اور خود چلے گئے

لوگو کوئی پکارو کہ جلد آؤ یا حسینؑ　　اصغرؑ سدھارے لاش کو لے جاؤ یا حسینؑ
بانو کا چاند گل میں دفناؤ یا حسینؑ　　خواہش نہیں ہے پانی کی مت لاؤ یا حسینؑ
اب بھی نہ رن سے خیمے میں تشریف لاؤ گے
اصغرؑ تو مر گئے کسے پانی پلاؤ گے

آنکھوں میں گھر یہ ہو گیا ویران وہ مر گئے　　خیمے ادھر ادھر ہے پریشان وہ مر گئے
کرتے ہیں سارے خون میں غلطاں وہ ہو گئے　　لاشہ پڑا ہے ننھا سا عریاں وہ مر گئے
ننھی سی جان جاتی رہی کام ہو چکا
فردوس کو سدھارے بس آرام ہو چکا

اے میرے پیارے اے میرے نادان الوداع　　بے کس شہید پیاسے بے اماں الوداع
مظلوم الوداع اے مری جان الوداع　　بانو کے چھ مہینے کے مہمان الوداع
مثل گل ایک دم میں پریشان ہو گئے
امت پہ نانا جان کی قربان ہو گئے

مقبولؔ بس خموش کہ حالت تباہ ہے　　بزم عزا میں شورش افغان و آہ ہے
بے چین غم سے روح رسالت پناہ ہے　　سبط نبیؐ کی عمر کی تجھ پر نگاہ ہے
ہاں غم نہ کھا کہ وقت سعادت قریب ہے
اب کی برس میں روضے کو بوسہ نصیب ہے

حواشی

۱۔ تذکرہ مسرت افزا — امیر الدین احمد امر اللہ الہ آبادی
۲۔ تذکرہ ریاض الفصحا — غلام ہمدانی مصحفی
۳۔ عمدہ منتخبہ — اعظم الدولہ سرور
۴۔ مجموعہ نغز — میر قدرت اللہ قاسم
۵۔ گلشن بے خار — مصطفیٰ خاں شیفتہ
۶۔ گلستان بے خزاں — قطب الدین باطن
۷۔ یادگار شعرا — اسپرنگر
۸۔ گلشن ہمیشہ بہار — نصر اللہ خویشگی
۹۔ سخن شعرا — عبد الغفور نساخ

”العلم“ کے مضامین...... چند اہم باتیں

محترمی علی جواد زیدی صاحب مدظلہ العالی آداب۔

آپ نے کراچی سے جاتے ہی ”العلم“ کے شماروں کی رجسٹری ہمارے لئے بھیجی۔ شکریہ۔ فروری ۹۳ء، اپریل ۹۳ء، جون ۹۳ء، اگست ۹۳ء، اکتوبر ۹۳ء، دسمبر ۹۳ء کے شمارے اور دسمبر ۹۲ء اور اگست ۹۲ء کے شمارے، دو (۲) خصوصی نمبر آپ نے خود عنایت فرمائے تھے اس طرح کل آٹھ عدد شمارے ہمارے پاس آگئے ہیں۔

چند اہم باتیں توجہ طلب ہیں، تمام شماروں کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک سرسری تبصرہ پیش خدمت ہے۔

”العلم“ بمبئی شمارہ اگست ۹۲ء مرثیہ نمبر

سرورق بہت خوبصورت ہے، چھپائی بھی بہت اچھی ہے، مضامین اور مرثیوں کا انتخاب بہت سلیقے سے کیا گیا ہے۔

محترمی پروفیسر ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری کا مقالہ ”باقیات دبیرؔ کا ایک ورق اور غیر مطبوعہ مرثیہ“ مرزا دبیرؔ کے غیر مطبوعہ مرثیوں کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ وہ جب کسی ایک شاعر پر مقالہ لکھتے ہیں تو تمام شاعروں کو بھول جاتے ہیں۔ ”باقیات انیسؔ“ میں بھی انہوں نے مونسؔ، انسؔ، سلیسؔ، رئیسؔ اور وحیدؔ کے مرثیے میر انیسؔ کے نام سے شائع کر دیئے۔ مرزا دبیرؔ کے غیر مطبوعہ مرثیوں پر بھی یہی کچھ ہوا ہے اوجؔ، زکی بلگرامی، عظیمؔ وغیرہ کے مرثیوں کو مرزا دبیرؔ کے کھاتے میں ڈال دینا کہاں کا انصاف ہے۔

مرثیہ:- ”رن میں ابرو کماں کی آمد ہے“

یہ مرثیہ ۸۳ بند نہیں بلکہ ۸۸ بند کا ہے، اور یہ مرثیہ مرزا دبیرؔ کے مشہور شاگرد محمد تقی خاں اخترؔ کا

ہے۔ یہ مرثیہ "ہلال محرم" میں حیدرآباد دکن سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔" ذخیرۂ ادیب" علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی یہ مرثیہ اختر کے تخلص کے ساتھ موجود ہے۔ میں جب ۱۹۷۶ء میں لکھنؤ گیا تھا وہاں ایک تقریر کے دوران میں نے یہ مرثیہ پڑھ کر سنایا تھا۔ اس مرثیے میں حضرت علی نے سائل کو جو اونٹوں کی قطار بخشی تھی بہت خوبصورتی سے نظم کیا گیا ہے۔ اختر کا بے نقط مرثیہ۔

ہم طالع ہما مرا دہم رسا ہوا

مشہور مرثیہ ہے جو ۱۸۹۱ء میں مطبع شوکت جعفری گولا گنج لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔ اکثر رسالوں میں یہ مرثیہ کبھی مرزا دبیر کے نام سے اور کبھی میر انیس کے نام سے شائع کر دیا جاتا ہے۔ یہ مرثیہ محمد تقی اختر کا ہے۔

مرثیہ نمبر ۵

جب رن میں آستین چڑھائی حضور نے

یہ مرثیہ ۹۲ بند کا نہیں بلکہ مکمل مرثیہ میں ۱۲۲ بند ہیں اور یہ مرثیہ میر رائق کا ہے اور مطبوعہ ہے۔ اس مرثیے کو مرزا دبیر کا کہنا بالکل غلط ہے۔

مرثیہ نمبر ۷

" جب کوندا خورشید جما تیغ سحر سے "

اس مرثیے میں ۱۰۰ بند نہیں بلکہ ۱۱۹ بند ہیں۔ یہ مرثیہ مرزا دبیر کے نامور شاگرد اور پرگو شاعر مشیر لکھنوی کا ہے۔ اور مطبوعہ ہے۔

مرثیہ نمبر ۹

" رن کو رواں ہے سیف خدا آج خیر ہو "

یہ مرثیہ بھی مرزا دبیر کے ایک شاگرد شیخ تقی حسین عظیم کا ہے۔ عظیم مجھو ضلع سارن صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ عظیم نے مرزا دبیر کے خطوط کا ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا جو ان کے پوتے منظر عظیمی کے پاس موجود تھا۔ مرزا دبیر کے پاس ایک ضخیم مقتل عربی میں "مقتل معصومین" بھی تھا۔ اس مقتل کی روایتوں کو دبیر نے اپنے مرثیوں میں نظم کیا ہے۔ دبیر نے یہ "مقتل" بھی عظیم کے سپرد کر دیا تھا۔ یہ دونوں کتابیں میری نظر سے گزری ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر کاظم علی خاں صاحب کے یہ الفاظ بہت کارآمد ہیں۔

''دبیر کے غیر مطبوعہ مراثی کا تعین کرنا ایک ایسی دشوار گزار وادیٔ پُر خار میں قدم رکھنے کے مترادف ہے جہاں ماہرین بھی ٹھوکریں کھانے سے نہیں بچتے'' (العلم مرثیہ نمبر ص ۳۷)

''العلم'' مرثیہ نمبر میں نیر بھائی (ڈاکٹر نیر مسعود صاحب) کا تحقیقی مضمون ''ایک نادر مجموعہ اور مرثیہ ہوس'' بہت گرانقدر ہے۔

افسردہ، خلیق، میر حسن، دلگیر، فصیح، گدا، مسکین اور ہوس کے حالات زندگی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن اکبر، غمین، فدائی، قاسم، نجف کے حالات زندگی تشنۂ تحریر ہیں۔

اکبر دہلوی:

مرزا بچھو اکبر دہلوی، حاتم کے شاگرد تھے۔ جب تک دہلی میں رہے مشاعرہ کرتے رہے (تذکرۂ سرور) انھوں نے اپنا دیوان ترتیب دیا تھا۔ (تذکرۂ مصحفی) مزاج میں شوخی وطراری تھی لطیفہ گوئی کی طرف میلان تھا، شاہی ملازم تھے، کلام میں خوبی پیدا کی تھی''۔

(بحوالہ ''تاریخ خزینہ نگاری'' قلمی۔ تالیف:۔ سید یوسف حسین وصف نوگانوی)

اکبر دہلوی کے ایک مربع مرثیے کے دو بند:۔

مطلع:۔ قافلہ اہل حرم کا جب مدینے کو پھرا

مسند خالی پر اپنے منھ کو دھر کر ایک بار — یاد کر بابا کو پھر تو ایسا رویا زار زار
جس کے رونے سے ہوا شرمندہ ابر نو بہار — کیونکہ وہ تنہائی ہے اور یہ رہا رونا سدا

(۲)

دیکھ کر زین العبا کو بانو روتی تھی کھڑی — اس طرح آنکھوں سے جاری اشک ساون کی جھڑی
اتنے میں جا کر نظر زینب کی مسند پر پڑی — ہائے بھائی جان کہہ کر گر پڑی اور غش کیا

پورے مرثیے میں ۳۴ بند ہیں۔ یہ مرثیہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اکبر دہلوی کا ایک مرثیہ سید محمد رشید صاحب (لکھنؤ) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور تین مرثیے ذخیرۂ ادیب میں محفوظ ہیں۔ ان مرثیوں کے مطلع یہ ہیں۔

۱۔ جب قتل گہہ میں قافلہ آیا لٹا ہوا (مربع)

۲۔ زہراؔ کہتی عدن سے آئی پیارے (مربع)

۳۔ قافلہ اہل حرم کا جب مدینہ کو پھرا (مربع)

۴۔ کہیں بانو اے نیک خو میرے اصغر (مسدس)

غمگینؔ:

میرزا معین الدین حیدر غمگینؔ عرف عام میں آغا غمگینؔ کے نام سے مشہور تھے، والد کا نام تاج الدین حیدر تھا۔ میرزا خانی نوازش کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ آغا ذہینؔ مرثیہ گو کے چچازاد بھائی تھے۔ (انتخاب یادگار) نیر مسعود صاحب نے ان کے ایک مرثیہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک مرثیہ ہمارے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔ ذخیرۂ ادیب میں ان کا ایک مرثیہ اور ہے جس کا مطلع ہے۔

"شب عاشور نہیں یارو قیامت کی ہے رات"

فدائیؔ:

مرزا عظیم بیگ فدائی دہلوی، دہلی کے تاجر پیشہ شاعر تھے۔ نیر مسعود صاحب نے ان کے دو مرثیوں کے مطلع لکھے ہیں۔ ذخیرۂ ادیبؔ علی گڑھ میں ان کا ایک اور مرثیہ بھی موجود ہے۔

"جب مطلع قدرت سے ہو روشن وہ ستارا" بند ۱۲۱

قاسمؔ:

سید قاسم علی خاں قاسمؔ لکھنوی۔ قاسمؔ کے والد بھی شاعر تھے اور حیدرؔ تخلص کرتے تھے۔ مظفر حسین صباؔ نے قاسمؔ کے مختصر حالات لکھے ہیں۔

سید قاسم علی لکھنوی خلف سید حیدر علی ابن سید صفدر علی ولد سید اصغر علی حضرت عبدالقادر جیلانی کے سلسلۂ نسب سے ہیں۔ نواحِ ملتان میں گیلانیوں کا ایک محلہ ان کے اجداد کا آباد کیا ہوا ہے۔ اصغر علی خاں مرزا جواں بخت شاہزادے کے ہمراہ دہلی سے لکھنؤ آئے اور یہیں قیام کر لیا۔ قاسمؔ علی ایک مدت تک سرکار انگریزی میں تحصیل داری پر مامور تھے۔ (تذکرۂ روز روشن) قاسمؔ فن موسیقی میں

اچھی مہارت رکھتے تھے (گلشن بے خار) قاسم عطا حسین تحسین صاحب "نوطرز مرصع" کے نواسے تھے (خوش معرکہ)۔ قاسم لکھنوی شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے (گوکل پرشاد) قاسم لکھنوی کے تفصیلی حالات اور کلام میری تحقیقی کتاب "دبستان ناسخ" میں تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ "ذخیرۂ مسعود حسن ادیب" علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں قاسم کے چھ (۶) مرثیے موجود ہیں۔

۱۔ دنیا اگرچہ عالم خواب و خیال ہے — بند ۳۳
۲۔ جب سکینہ پہ یتیمی کی مصیبت آئی — بند ۴۴
۳۔ آئی جب رن پہ سواری سید مظلوم کی — بند ۳۰
۴۔ اس وقت سحر ہوگئی تمام شب غم کی — بند ۳۹
۵۔ جس کو کہ جہاں میں شہ مظلوم کا غم ہے — بند ۳۳
۶۔ بعد قاسم کے جو عباس ہوئے عازم جنگ — بند ۵۲

رضا لائبریری رامپور میں قلمی بیاض نمبر ۱۴۱۷ میں قاسم کا ایک مرثیہ موجود ہے۔ نیز مسعود صاحب نے دو (۲) مرثیوں کے مطلع لکھے ہیں۔ اس طرح قاسم کے ۹ مرثیے دریافت شدہ ہوتے ہیں۔

نجف:

نجف علی خاں ولد میرزا محمد علی خاں ریاستہ بنارس کے مرثیہ نگار ہیں۔ نجف نے اول وحشی بعد میں نجف تخلص اختیار کیا۔ (ذخیرۂ ذاکری شمس آباد) نجف کے سات (۷) مرثیے ذخیرۂ مسعود حسن ادیب علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہیں۔ مطلع درج ہیں۔

۱۔ میداں میں جب کہ مرنے کو اکبر حزیں چلا — بند ۳۳ (اس مرثیے میں تخلص وحشی ہے)
۲۔ تنہا رہے جو سبط نبی قتل گاہ میں — بند ۳۸
۳۔ شور ہے آمد عباس کا اب میداں میں — بند ۴۷
۴۔ عباس وہ جو پرتو نور علی تھا — بند ۳۹
۵۔ کھینچی جو دست مہر نے رخ سے ردائے شب — بند ۳۸
۶۔ ہائے کیا بیکسی ہے مومنو شبیر پہ آج — بند ۵۲

۷۔ خلد کو جب سدھارے حسینا بند ۲۸ (۱۲۴۵ء کا نسخہ)

نجفؔ کے ایک مرثیے سے انتخاب:۔

ہائے کیا بیکسی ہے مومنو شبیرؑ پر آج — فوج اعدا کے ہے نرغے میں وہ دیں کا سرتاج
پانی کو ہے خلفِ ساقیٔ کوثر محتاج — سب تو ہیں کٹ چکے اب لٹتا ہے بانو کا راج
مرنے کی اکبرِ مظلوم کی تیاری ہے
ہر طرف خیمے میں فریاد ہے اور زاری ہے

سرِ شبیرؑ ہے زانو پہ بصد درد و بکا — ٹکڑے ہونے کو چلا ہے وہ جگر کا ٹکڑا
بانو نے کوکھ پکڑ سر دیا زانو پہ جھکا — ایک کے دم میں نہیں باقی ہے دم ایک ذرا
غم کی تصویر میں سب خونِ جگر ہے جاری
رن کی ہمشکل محمدؐ نے کی ہے تیاری

باپ کی جس گھڑی تنہائی اُسے آئی نظر — دیکھا احباب و عزیزوں کو بھی بے سر پیکر
ہو کے شمشیر بکف شیر سا پورِ حیدرؑ — شہ سے رخصت چلا ہونے کو بصد سوزِ جگر
یک سر مو نہ خیال اپنی تھا قربانی کا
تھا الم باپ کی اور ماں کی پریشانی کا

رخصت کا ایک شاعرانہ بند:۔

آیا جب باپ کی خدمت میں وہ ماہِ کنعاں — عازمِ رخصتِ گلگشت بہ سوئے میداں
چشمِ یعقوبؑ سے چشمے ہوئے حسرت کے رواں — چاہِ غم میں پھنسا یہ حالِ پدر دیکھ وہاں
اس طرف نرگسِ محزون پہ حیرانی تھی
گل پہ یاں تاب تھا سنبل پہ پریشانی تھی

میدانِ جنگ میں حضرت علی اکبرؑ کی آمد:۔

اس سبک رو کو سبک روح نے چھوڑا جو ذری — بوئے گل لے کے چلا جیسے نسیمِ سحری
جا کے میدان میں پہنچا جو نبی وہ کبک دری — چشم بد دور تھی اس پہ نظر حور و پری
نعرۂ حیدری سے کھولے مبارز کے گوش

دیکھ وہ سیرت و صورت انھوں کے اڑ گئے ہوش

لگے باہم یہ سخن کرنے وہ سب بے ایماں　　دیکھیو کون پری زادہ ہے یہ در ایماں

یا فلک پر سے ملک بن کے بشکل انساں　　مدد سبطِ نبیؐ کیلئے آیا ہے یہاں

صورتِ احمدی کچھ ہم کو نظر آتی ہے

سیرتِ حیدری کچھ جلوہ سا دکھلاتی ہے

نیر مسعود صاحب نے مجموعہ مراثی قلمی کا آخری مطلع نامعلوم لکھا ہے جو ناقص الآخر ہے اور مرثیے میں ۳۸ بند ہیں۔ ذخیرۂ ادیبؔ علی گڑھ یونیورسٹی میں یہ مرثیہ موجود ہے، مرثیہ دلگیرؔ کا ہے جس میں ۴۲ بند ہیں:۔

ہوا جو فدیۂ سلطانِ کربلا عباسؑ

مرثیے پر لکھا ہے کہ ''بہت عمدہ مرثیہ ہے''۔

نیر مسعود صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ سید مسعود حسن ادیبؔ مرحوم نے مرثیہ کی تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے اس کو کسی صورت سے چھپوانے کی سعی فرمائیں تاکہ تاریخ مرثیہ لکھنے والوں کا تحقیقی کام ناقص نہ رہ جائے۔

العلم ''مرثیہ نمبر'' میں جناب کالی داس گپتا رضاؔ کا مقالہ ''چند قدیم ہندو مرثیہ گو'' اچھی کوشش ہے لیکن چند ہندو مرثیہ نگاروں کا تذکرہ ضروری تھا مثلاً راجہ کلیان سنگھ عاشقؔ ان کے لئے ''تذکرۂ مسرت افزا'' میں لکھا ہے کہ۔

''اکثر فارسی اور ریختہ میں سید الشہداءؑ کا مرثیہ لکھتے ہیں، ایام غم انجام عاشورہ میں خود ماتم کرتے ہیں، کتاب ''دہ مجلس اور مرثیہ ہندی جانسوزی'' میں پڑھتے ہیں''۔

نورسین مضطرؔ کی مرثیہ نگاری کا تذکرہ بھی ضروری تھا۔ مرزا دبیرؔ کے شاگرد رائے رام پرشاد بشیرؔ کے حالات رضا صاحب نے تحریر کئے ہیں۔ ان کے مندرجہ ذیل مرثیے میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔

ا۔ شمشاد خیابان بلا ہے گلِ زہراؑ

۲۔ نور نظرِ احمدؐ مختار ہے شبیرؑ

۳۔ قمِ مسیح سے افزود ہے کلام اپنا

۴۔ جب عریضہ شہ کو صغراؑ نے بچشم تر لکھا

آخری مرثیے کا پہلا بند سوز خوانی میں بہت مقبول ہے اور پورا مرثیہ اب بھی ریاست محمود آباد کی مجالس میں اکثر لحن سے پڑھا جاتا ہے۔

جب عریضہ شہ کو صغراؑ نے بچشم تر لکھا   حال بیماری کا لکھا اور دردِ سر لکھا
اشتیاق روئے اصغر شکوۂ اکبر لکھا   اور نشان کربلا خط کے لفافے پر لکھا
تھی وہ محتاج دوا کچھ پاس مال و زر نہ تھا
نامہ لکھا تھا تو لے جانے کو نامہ بر نہ تھا

مرثیے میں ۴۱ بند ہیں اور مقطع یہ ہے:-

یہ تو قاصد کہہ رہا تھا ناگہاں اک غل اُٹھا   آؤ یا سبط پیمبرؐ دن نہیں باقی رہا
اب محبت گھر کی چھوڑو اور کٹواؤ گلا   شاہ تو رن کو چلے قاصد سوئے یثرب چلا
بس بشیرؔ آگے نہ کہہ بیداد ہے بیداد ہے
بوسہ گاہِ مصطفےٰؐ پر خنجر فولاد ہے

علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں اور راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں مندرجہ ذیل مرثیے بشیرؔ کے موجود ہیں۔

۱۔ عباسؑ سا تھا کوئی نہ شبیرؑ کا شیدا (بند۲۶)

۲۔ ہے خلقت انسان فقط رنج و عنا سے (بند۱۰۱)

۳۔ اُمت پہ پسر اپنے فدا کرتی ہے زینبؑ (یہ مرثیہ مرزا دبیر کے نام سے بھی مشہور ہے)

۴۔ غل ہے یہ مدینے میں کہ آمد ہے حرم کی (بند۳۹)

العلم "مرثیہ نمبر" میں صفحہ ۵۵ پر ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری صاحب کا مقالہ "تین غیر مطبوعہ مرثیے" میں آباد کے مرثیوں کا ذکر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آباد کے چار (۴) مرثیوں کے مطلع بتائے ہیں۔ ذخیرۂ ادیب علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں پانچواں مرثیہ بھی موجود ہے، اس مرثیہ کا مطلع

ہے۔

''جب سرور ذیجاہ سے رخصت ہوئے عباس''

العلم' مرثیہ نمبر' صفحہ ۸۹ پر محمود سروش صاحب کا مقالہ '' سید علی صغیر ہونوی' بہت پسند آیا، اس سلسلے میں صاحب مقالہ '' دربار حسین'' 'دبستان دبیر اور نقش ونگار ضمیر از افسر صدیقی بھی دیکھ لیتے تو کچھ مختصر حالات سے صغیر کی حیات کے چند گوشے اور واضح ہو جاتے۔ صغیر کا ایک مرثیہ بہت مشہور ہے جس میں دو سو بند سے زائد ہیں۔ مطلع ہے۔

'' کان عقیق لطف الٰہی حسین ہے ''

صغیر کا غیر مطبوعہ کلام:

صغیر کی رباعیات، سلام اور مرثیوں سے مختصر انتخاب پیش خدمت ہے۔

رباعیات:

علی کی مدح اگر عمر بھر کروں میں رقم — نہ ایک شمہ ہو اوصاف سے علی کے کم
کہ شاہد آیہ والنجم و بل اتی ہے صغیر — نبی کے بعد ہے افضل سبھوں سے شاہ امم

عشرہ کے روز باغ نبی تو خزاں ہوا — فوج عدو میں عید کا ساماں عیاں ہوا
آباد پھر نہ فاطمہ کا گھر ہوا صغیر — اس واردات سے تہ و بالا جہاں ہوا

سلام:

سلامی جو در شہ کا گدا ہے — شہنشاہِ جہاں سے وہ سوا ہے
ہے مدفوں جس جگہ سبطِ پیمبرؐ — زمیں وہ نور ہے نورِ خدا ہے
کہا سرور نے میں راضی ہوں اس میں — خداوندا جو کچھ تیری رضا ہے
ستم ہے پڑتے ہیں اب اُس پہ بھالے — جو سینہ مخزنِ علم خدا ہے
زمین کربلا کو اے عزیزو — اگر عرشِ بریں کہیے بجا ہے
اگر فردوس بر روئے زمیں است — خدا واقف ہے یارو کربلا ہے

سوا عباسؑ کے دنیا میں یارو　　لبِ دریا کوئی پیاسا رہا ہے
کہا صغرا نے نانی سے کہ دل میں　　وہ سوزش ہے نہیں جسکی دوا ہے
صغیرِ خستہ کیا محشر کا غم ہے
ترا آقا وصیِ مصطفیٰ ہے

مرثیے سے انتخاب:

صغیر کا معرکۃ الآرا مرثیہ

''کان عقیق لطف الٰہی حسینؑ ہے''

اس مرثیے میں صغیر نے بصرے کے ایک پہلوان کی روایت کو نظم کیا ہے یہ پہلوان حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لئے کربلا آیا تھا۔ پہلوان بصرہ کی بیٹی نے وقت سفر اپنے باپ سے ایک عقیق کی انگوٹھی کی فرمائش کی تھی، حضرت امام حسینؑ نے علم امامت سے پہلوان بصرہ کو یہ بات بتائی اور وہ پہلوان امام حسینؑ کے قدموں پر گر گیا۔ مرثیہ تحت اللفظ خوانی میں بہت مقبول و مشہور ہے۔

کان عقیق لطف الٰہی حسینؑ ہے　　دریائے فیض نامتناہی حسینؑ ہے
غواص بحر جنگ کا ماہی حسینؑ ہے　　لاکھوں سے جو لڑا وہ سپاہی حسینؑ ہے
نانا سے داد حرب کی وقت جدال لی
اُمت کی ڈوبتی ہوئی کشتی سنبھال لی

نعروں سے آسمان و زمیں کو ہلاتے تھے　　دو لاکھ سدّ راہ تھے پر آتے جاتے تھے
کھا کھا کے زخم تیغ و سناں مسکراتے تھے　　راہ خدا میں خون کا دریا بہاتے تھے
ہیبت سے زلزلہ تھا جہاں میں پڑا ہوا
اک شیر سا ڈکار رہا تھا کھڑا ہوا

اسوار بھاگے جاتے تھے باگوں کو پھیر پھیر　　یوں گونجتے تھے رن میں کہ جس طرح بن میں شیر
آسودہ فکر مرگ سے دل زندگی سے سیر　　جانباز سرفروش مجاہد جری دلیر
مطلق نہ تھا ہراس دل پاش پاش کو

کرتے تھے شکر دیکھ کے اکبر کی لاش کو

تلوار کی تعریف:-

تڑپی اٹھی گری جدھر آئی وہ صف نہ تھی دکھلا دے جس طرف کو صفائی وہ صف نہ تھی
جس پر عتاب وغیظ میں چھائی وہ صف نہ تھی وہ نہر علقمہ وہ ترائی وہ وہ صف نہ تھی

آباد اس کے دور میں تھا اک جہاں نیا
دنیا نئی زمین نئی آسماں نیا

پہلوان بصرہ جنگ کرنے کے لئے امام حسینؑ کے مقابل آتا ہے تو امام فرماتے ہیں:-

انگشتری اتار کے پھر اس سے یہ کہا لے اس کو اپنی بیٹی کی خاطر یہاں سے جا
طالب ہوئی عقیق کی تجھ سے وہ مہ لقا فرمائش اس کی بھول گیا تو بدم وغا

حاصل ہوئی مراد پہنچ اشتیاق سے
بے چین سخت ہوگی وہ تیرے فراق سے

حیرت ہوئی کمال اُسے سُن کے یہ بیاں دل پر لگی وہ چوٹ کہ آنسو ہوئے رواں
کی عرض یہ تو جانا کہ ہیں آپ غیب داں نام و نسب سے اپنے مگر دیجئے نشاں

اس عبد منفعل کی گزارش قبول ہو
یہ تو کہو امام ہو تم یا رسولؐ ہو

امام حسینؑ جواب میں فرماتے ہیں:-

نانا محمدؐ عربی سب پہ ہے جلی بابا مرا امیر عرب مرتضٰی علیؑ
ماں فاطمہؑ رسول کے آغوش کی پلی بھائی حسنؑ امام زمن خلق کا ولی

مشکل کشائے خلق شہ مشرقین ہوں
اے پہلوانِ بصرہ میں ہی تو حسینؑ ہوں

صغیر نے یہ مرثیہ میر انیس کے مرثیے ''جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا'' سے متاثر ہوکر تصنیف کیا ہے۔

نظیر اکبر آبادی اور مرثیہ نگاری:

العلم مرثیہ نمبر صفحہ ۱۱۸ پر یہ مرثیہ

جب رن میں بعد عصر ہلا دشت کربلا

یہ مرثیہ نظیر اکبر آبادی کا نہیں ہے۔ یہ مرثیہ مرزا دبیر کے حقیقی بڑے بھائی مرزا غلام محمد نظیر لکھنوی کا ہے۔ نظیر پہلے میر ضمیر کے شاگرد تھے پھر انہی کے حکم سے اپنے چھوٹے بھائی مرزا دبیر کے شاگرد ہوئے۔ مرزا دبیر نے میر انیس کی وفات پر جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس کے ایک شعر میں نظیر کا بھی ذکر ہے۔

بے نظیر اول شدم امسال آخر بے انیس واوریغا یعنی و دینی دو بازوئیم شکست

نظیر نے تقریباً سو (۱۰۰) مرثیے تصنیف کیے تھے۔ نظیر کے فرزند مرزا محمد عباس خبیر لکھنوی بھی مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظیر کے مندرجہ ذیل مرثیے مشہور ہیں۔

۱۔ برباد جب مرقع خیر النسا ہوا

۲۔ پرتو فگن جو رن میں علی کا قمر ہوا

۳۔ جب سکینہ نے علمدار کا لاشا دیکھا

۴۔ ہر آہ علم ہے یہ عزا خانہ ہے کس کا

۵۔ جب سلطنت ماہ ہوئی کشور شب میں

۶۔ اے فوج سخن مہر کے پنجے سے علم لے
اے طبع دلیر آج دکھا شیر کے حملے

۷۔ شہباز ذوالفقار کے جب رن میں پر کھلے

۸۔ اے فکر نظم آمد مضموں کا وقت ہے

۹۔ جب لاشۂ پسر پہ غش آیا حسین کو

نظیر کی شہرت کو گہن لگ گیا ان کے سارے مرثیے "دفتر ماتم" میں مرزا دبیر کے نام سے چھپ گئے۔ العلم مرثیہ نمبر میں جو مرثیہ شائع ہوا ہے یہ مرثیہ بھی "دفتر ماتم" میں مرزا دبیر کے نام سے مطبوعہ موجود ہے۔

نظیرؔ اکبر آبادی نے لکھنوی رنگ میں کبھی مرثیہ نہیں کہا۔ نظیرؔ اکبر آبادی کا رثائی کلام جسے مرثیہ کہا جا سکتا ہے ان کے کلیات میں موجود ہے۔ یہ مرثیہ ''العلم'' میں کلیات سے لے کر شائع کر دیجیے دونوں مرثیوں کے اسلوب نگارش سے فرق ظاہر ہو جائے گا۔ دبیرؔ اور نظیرؔ اکبر آبادی کی زبان و بیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نظیرؔ اکبر آبادی کے مرثیے کا رنگ و آہنگ یہ ہے۔

جو محب ہیں خاندانِ مصطفیٰؐ کے دوستدار — اور علی مرتضیٰ پر جان و دل سے ہیں نثار
سب سُنیں دل شاد ہو یہ ماجرا تفصیل وار — ہیں جو عباسؑ علی کرّار، غازی، نامدار
ان کا میں اک معجزہ لکھتا ہوں با عزّ و وقار

آرکاٹ اک شہر ہے واں ایک ساہوکار تھا — جتنے واں زردار تھے اُن سب میں وہ سردار تھا
مال و زر کا گھر میں اُس کے جابجا انبار تھا — اُس کے اک بیٹا سعادت مند برخوردار تھا
گل بدن گل پیرہن گلرنگ گلرو نامدار

مقطع

یا علی عباسؑ غازی صاحب تاج و سریر — سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر
جان و دل سے اب تمہارے نام کا ہو کر فقیر — یہ غلام روسیہ سب جس کو کہتے ہیں نظیرؔ
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار

دراصل غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ سرفراز محرم نمبر ۱۹۳۷ء میں سید عابد حسین شاہ گنج آگرہ نے یہ مرثیہ نظیرؔ اکبر آبادی کے نام سے شائع کروا دیا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت مرثیے پر تحقیق و تنقید کا کام شروع نہیں ہوا تھا کسی نے ''دفتر ماتم'' میں اس مرثیے کو نہیں دیکھا۔ اور اب تک بعض حضرات یہی سمجھتے رہے کہ یہ مرثیہ نظیرؔ اکبر آبادی کا ہے۔ سرفراز محرم نمبر میں ۱۸ بند شائع ہوئے تھے۔ وہی ۱۸ بند کسی نے آپ کو بھیج دیے جو غلط فہمی کی بنا پر العلم مرثیہ نمبر میں شائع ہو گئے ہیں۔ اندازہ تو کیجیے ابھی مرثیے کی تحقیق پر کتنا کام باقی ہے۔ ہمارے اچھے لکھنے والوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینا چاہیے۔

ذوقؔ کی مرثیہ نگاری کا مسئلہ:

''العلم مرثیہ نمبر'' ص ۱۳۳ پر مرثیہ ذوقؔ

جب قید سکینہؑ ہوئی زندان ستم میں

شائع ہوا ہے۔ اس سے پہلے یہ مرثیہ ''سوزِ غم مرثیہ نمبر'' میں کراچی سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ عظیم امروہوی نے ''مرثیہ نگاران امروہہ'' میں ۹ مرثیوں کے مطلع ذوق کے بتائے ہیں۔ اس کے علاوہ ذخیرۂ ادب علی گڑھ یونیورسٹی میں ذوق کے مندرجہ ذیل مرثیے موجود ہیں۔

۱۔ ہر بشر کے لئے ہے شادی و غم دنیا میں

۲۔ دشوار تھی صغرا پہ جدائی شہ دیں کی

۳۔ بزم یزید میں جو ورود حرم ہوا

۴۔ جب قید سکینہ ہوئی زندان ستم میں

یہ مرثیے ہمارے کتب خانے میں بھی موجود ہیں اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مرثیے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

۱۔ جب اربعین سبط پیمبرؐ قریں ہوا

۲۔ جب تیر کھا کے حلق پہ اصغرؑ گزر گئے

۳۔ جب اہل بیت وارد بزم لعیں ہوئے

۴۔ جب فوج اشقیا میں علم دار گھر گیا

۵۔ جہاں میں صاحب اولاد جو بشر ہوگا

۶۔ شام میں عترت شبیر کھلے سر آئی

ہلال نقوی نے ایک مرثیہ ذوق کے نام سے غیر مطبوعہ نایاب کہہ کر شائع کر دیا تھا جس کا مطلع ہے

''آفت میں جب مسیح گرفتار ہوگئے''

حالانکہ یہ مرثیہ میرزا عشق کا ہے اور مطبوعہ ہے۔

(دیکھئے ''برہان غم'' ص ۳۴۷ مطبوعہ نولکشور ۱۹۱۵ء)

ذوق کی مرثیہ نگاری مشکوک ہے، مولانا محمد حسین آزاد ''آب حیات'' میں لکھتے ہیں۔

''مرثیہ، سلام کہنے کا انھیں موقع نہ ملا''

ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب نے ''ذوق، سوانح اور انتقاد'' کے نام سے ذوق پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے جو لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ انھوں نے ذوق کی مرثیہ نگاری کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

لکھنؤ میں علوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو ذوقؔ کے مرثیوں، سلاموں اور نوحوں کے بارے میں انھوں نے فرمایا یہ ذوقؔ کے نہیں ہیں، کسی اور شاعر کا کلام ہے۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری صاحب نے مجھے ایک خط میں تحریر فرمایا کہ یہ مرثیے ذوقؔ شاگرد دبیرؔ کے ہیں۔ افسرؔ صدیقی مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ مرثیے مصحفیؔ کے شاگرد شیو پرشاد ذوقؔ کے ہیں۔

مرزا دبیرؔ کے کسی شاگرد کا تخلص ذوقؔ نہیں ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ مرثیے مصحفیؔ کے شاگرد شیو پرشاد ذوقؔ ہی کے ہیں۔ شیو پرشاد ذوقؔ نے ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور ان کا اسلامی نام شیخ عبداللہ رکھا گیا تھا۔ ۱۸۲۰ء میں وہ ۲۵ برس کے تھے اور بقول مصحفیؔ انھوں نے اپنا دیوان اردو اسی سال مکمل کر لیا تھا۔ اس حساب سے وہ ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ذوقؔ کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اُن کا فارسی دیوان ''لیاقت نیشنل میوزیم کراچی'' میں محفوظ ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مرثیے میں ذوقؔ نے مرزا دبیرؔ کی شاگردی اختیار کی ہو اور یہی ذوقؔ مرزا دبیرؔ کے بھی شاگرد ہوں۔

''العلم مرثیہ نمبر'' صفحہ ۲۳۰ پر مولوی سید نظیر حسین نظیرؔ غازی پوری کے سلسلے میں آپ نے لکھا ہے کہ ''ان کا کلام اب دستیاب نہیں'' میرے ذخیرۂ مراثی میں اُن کے مرثیے موجود ہیں۔ نظیرؔ کے تین مرثیوں کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ''اے باغبانِ طبع ریاضت کے پھل دکھا'' پورے مرثیے میں ۲۳۸ بند ہیں۔ حضرت علی اکبر کا حال نظم کیا گیا ہے۔ ۱۸ صفر ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء مرثیے کے آخر میں تاریخ درج ہے۔ مرثیہ نظیرؔ کے خط سے لکھا ہے اور دستخط بھی موجود ہیں۔

۲۔ ''ہاں پھر اے شمع زباں جلوہ گری دکھلا دے'' مرثیے میں ۱۵۷ بند ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کا حال نظم ہے۔ (اسی مرثیے کے آخری دس (۱۰) بند آپ نے العلم ص ۲۳۰) پر شائع کیے ہیں۔

۳۔ ''دن وہ گل ہے تفضل ہے گلستاں کس کا'' مرثیے میں ۲۹۶ بند ہیں۔ مرثیے میں جنگ خندق کا حال فضائل و شہادت حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے۔ یہ تمام مرثیے خود نظیرؔ غازی پوری

کے تحریر کردہ ہیں۔ آخری مرثیہ پر تاریخ ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء درج ہے۔

رضا مرثیہ گو:

العلم مرثیہ نمبر صفحہ ۲۰۳ میں رضا کے ایک قدیم سلام کے چار شعر درج ہیں۔ ڈاکٹر اکبر حیدری صاحب اس سلسلے میں العلم دسمبر ۱۹۹۲ء کے شمارے میں صفحہ ۹۵ پر اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''رضا مرزا سودا کے شاگرد تھے اور مرثیہ بھی کہتے تھے ذخیرۂ ادیب میں ذیل کے مرثیے نظر سے گزرے ہیں''۔

۱۔ رن میں مارے گئے جب شاہ کے اصحاب کبار	(بند ۴۲)
۲۔ شعبان کی چوتھی کو چلے شاہ جو گھر سے	(بند ۴۳)
۳۔ ہے کے ماں سے جو رضا رن کو سدھارے اکبر	(بند ۳۹)
۴۔ جب قصد کیا سبط پیمبرؐ نے سفر کا	(بند ۴۲)

ڈاکٹر اکبر حیدری صاحب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ذخیرۂ ادیب میں ان مرثیوں کی فہرست پر رضا کا پورا نام ''مرزا غلام رضا'' لکھا ہوا ہے۔ سودا کے شاگرد رضا کا پورا نام مرزا حسین رضا عرف مرزا نیون تھا۔ مرثیوں کی زبان انیس و دبیر کے عہد کی ہے سودا کا شاگرد افسردہ واسوخت جیسی زبان استعمال کرتا ہے۔ سلام جو شائع ہوا ہے وہ رضا شاگرد سودا کا ہو سکتا ہے لیکن جو مرثیے ڈاکٹر صاحب نے دیکھے ہیں وہ دوسرے رضا مرثیہ گو کے ہیں۔

رضا تخلص کے جن شاعروں کا مرثیہ نگار ہونا ثابت ہے ان کی تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ محمد رضا خاں رضا مدراسی، یہ مرزا دبیر کے شاگرد تھے۔ مرثیوں کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، مدراس میں اردو، دربار حسین، دبستان دبیر، نقش و نگار ضمیر میں حالات موجود ہیں۔

۲۔ حسن رضا نام، رضا تخلص۔ موضع بلہر ضلع بستی کے رئیس و زمیندار تھے انھوں نے اپنا ایک مرثیہ اور سلام میر عارف کے پاس اصلاح کے لئے روانہ کیا تھا، سلام کا مطلع ہے۔

سالہا چشم کا دریا یقیں ہے اب چھلک اٹھے   جگر کا داغ لالے کی طرح اس دم لہک اٹھے

مقطع ہے:

عجب پر پیچ رستے ہیں عجب تاریک منزل ہے   بجا ہے دھیان مرقد سے رضا کر دل دھڑک اٹھے

سید حسن رضا بلوری کے مرثیے کا پہلا بند:۔

پھر قصد مدح رایت خیر الانام ہے ۔۔۔ پھر آسماں پہ ذہن رسا کا مقام ہے
پرچم کھلے یہ طبع کا پھر اہتمام ہے ۔۔۔ پھر دامن جناں سے معطر مشام ہے
گلگشت پھر نصیب ہے جنت کے باغ میں
طوبیٰ کی آرہی ہیں ہوائیں دماغ میں

مقطع:۔

اکبرؑ تھے صرف گریہ ادھر شاہ دیں اُدھر ۔۔۔ بالی سکینہؑ غم سے تڑپتی تھی خاک پر
بس اے رضاؔ خموش پھٹا جاتا ہے جگر ۔۔۔ کر عرض حق سے یہ پئے سلطانِ بحر و بر
گھر گھر اسے نہ رنج و غم و یاس میں پڑھوں
اس مرثیے کو روضۂ عباسؑ میں پڑھوں

مرثیے کا موضوع ''علم عباسؑ'' ہے۔

۳۔ حکیم سید علی رضا جعفری رضاؔ بیانوی، حکیم سید امید علی کے فرزند اور سید نجف علی بیانوی کے پوتے تھے۔ اپنے دور کی عہد آفریں شخصیت تھے۔ ان کی تصانیف میں ''تاریخ بیانہ'' اور مجموعہ مراثی و سلام وغیرہ شامل ہیں۔ رضاؔ بیانوی کی تصنیف ''تاریخ بیانہ'' کے حوالہ جات انسائیکلو پیڈیا میں بھی ملتے ہیں۔

ان کے ایک مرثیہ کا مطلع درج ذیل ہے۔ (یہ مرثیہ نسیم مجہت پوری کے مرثیوں میں بھی شامل ہے)

میں ہوں زینت دہ ایوان طلا کار سخن ۔۔۔ دم قدم سے مرے سر سبز ہے گلزار سخن
گرم خوبان مضامیں سے ہے بازار سخن ۔۔۔ کہتے ہیں اہل جہاں مجھ کو جہاندار سخن
دل پہ ہر ایک کے ہے بیٹھا ہوا سکہ میرا
ملک دیہیم سخن پر بھی ہے قبضہ میرا

مرثیے میں ۱۲۲ بند ہیں اور حضرت حرؑ کا حال نظم کیا گیا ہے۔ رضاؔ کے سلام کے چند اشعار بطور نمونہ یہ ہیں۔

داغ غم شبیرؑ کا جس نے کہ دل پر لے لیا ۔۔۔ اے سلامی اس نے جنت اور کوثر لے لیا
لڑتے تھے عباسؑ اعدا سے جو کہا کرتے تھے [illegible] ۔۔۔ تم نے دیکھا ہم نے تم سے گھاٹ کیونکر لے لیا

شہ کی مدح گوئی کا دوہرا صلہ ہم کو ملا　　خلد میں گھر لے لیا مجلس میں منبر لے لیا
جب چلی خیبر میں تیغ مرتضیٰ، جبرئیل نے　　بیچ میں سارے پروں کے اپنا شہپر لے لیا

کربلا میں روضۂ زہراؑ پہ پہونچیں گے رضاؔ
جب بغل میں تم نے اک ہلکا سا بستر لے لیا

جلال الدین بخاری:

''العلم'' اپریل ۱۹۹۳ء کے شمارے میں سید محمد فاضل بخاری صاحب نے مرزا محمد اسمٰعیل طپش کے شجرۂ نسب کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ تذکروں کی کتابوں میں جلال الدین بخاری سے مراد ہمیشہ سید جلال الدین حیدر سرخ بخاریؒ ہی ہوتے ہیں۔ فاضل صاحب جن جلال بخاری کا حال لکھ رہے ہیں ان کے نام کے ساتھ گجراتی لکھا جاتا ہے۔

فاضل صاحب لکھتے ہیں۔

''سید جلال کا خاندان بخارا کے رضوی سادات کا تھا''۔ (العلم صفحہ ۹۵)

بخاری حضرات رضوی نہیں بلکہ نقوی سادات ہیں۔ شجرۂ نسب مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام
|
سید جعفر الذکی
|
سید علی اشقر (علی اصغر)
|
سید عبداللہ
|
سید احمد ابو یوسف
|
سید محمد ابوالفتح
|

سیّد جعفر ابو تراب

|

سیّد علی ابوالموید

|

سید جلال الدین حیدر سرخ بخاریؒ

| (ولادت ۵۹۵ھ وفات ۶۹۰ھ اوچ شریف)

سلطان سید احمد کبیر

| (وفات ۷۱۴ھ ولادت ۶۴۸ھ)

سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ

|

سید ناصر الدین محمود (سید محمود ناصر الدین اول (ولادت ۷۰۷ھ وفات ۷۸۵ھ)

|

قطب العالم سید برہان الدین بخاری گجراتی

| (ولادت ۷۹۰ھ وفات ۸۵۰ھ)

سید محمود دریا نوش

|

سید جلال الدین ثانی عرف مخدوم شاہ دیو

فاضل صاحب سید جلال الدین گجراتی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ تذکرہ نگار جب سید جلال الدین بخاری لکھتا ہے تو (نمبر ۱۰ دیکھئے) سید جلال الدین حیدر سرخ بخاریؒ مراد ہوتے ہیں۔

تفصیلات کے لئے دیکھئے میری دو کتابیں

۱۔ ''شعرائے اردو اور عشق علی'' صفحہ ۱۶۵

۲۔ ''تاریخ سادات نقوی''

العلم اکتوبر ۱۹۹۳ء کے شمارے میں ڈاکٹر نیر مسعود صاحب کا مقالہ ''شمع تعزیت'' (سلاموں کا

مجموعہ) بہت اہم ہے۔ صفحہ ۲۲ پر جو سلام "ورد" تخلص کے ساتھ درج ہے وہ میرزا عشق کا سلام ہے۔ میرزا عشق غیر منقوطہ کلام میں ورد تخلص اختیار کرتے تھے۔ جس طرح مرزا دبیر غیر منقوطہ کلام میں "عطارد" اور یعقوب علی خاں نصرت غیر منقوطہ کلام میں "مدد" تخلص استعمال کرتے تھے۔

"شمع تعزیت" کی طرح ایک ضخیم سلاموں کا مجموعہ "بزم ماتم" کے نام سے مطبع یوسفی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل شاعروں کے سلام موجود ہیں:۔

آزاد، انیس، ذہین، دبیر، دلگیر، فصیح، ناظم، ظفر، قابل، نالاں، قاسم، وفا، انس، معجز، مونس، احسان، مقبل، بشیر، دارا، محب، عباس، انجم، سلیس، یوسف، تاثیر، نجف، راقم، عزا، بہار، باقی، عالم، حاجی، گلشن، قیس، واجد، شوکت، عزیز، اسیر، الفت، خلیق، نثار، رقم، ضمیر، مشہدی، ناطق، خنداں، بادشاہ، بلیغ، فدائی، نیاز، بسمل، کافی، ارمان، حیدری، داؤد، صادق، وزیر، شرف، عاصی، حیدر، آشفتہ، بہادر علی، نصیر، عشق تقریباً ۶۴ شاعروں کے چار چار، پانچ پانچ سلام اس مجموعے میں شامل ہیں۔

"العلم" دسمبر ۹۳ء کے شمارے میں محترمہ زینت زہرا رضوی کا مضمون "جائس کا رثائی ادب" بہت محنت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس مضمون کو کتابی شکل میں شائع ہونا چاہیئے۔ میری کتاب زیر طبع ہے "خاندان اجتہاد کے مرثیہ نگار" میں اپنی کتاب سے چند مرثیہ نگاروں کے نام اور مرثیوں کے مطلع جات درج کر رہا ہوں یہ شعرا بھی جائس کے شاعروں میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔

سید محمد جعفر امید:

سید محمد جعفر امید، مولانا سید محمد باقر شریف الملک منصف الدولہ (متوفی ۱۲۵۸ھ) کے بیٹے اور سلطان العلما، سید محمد مجتہد العصر (متوفی ۱۲۸۴ھ) کے پوتے تھے۔ امید ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۲، ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں وفات ہوئی اور امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔ نواب عاشور علی خاں (شاگرد ناسخ) کے شاگرد تھے۔ امید میر انیس کے ہم عصر تھے۔ خم خانہ جاوید اور آب بقا، فکر بلیغ میں تذکرہ موجود ہے۔ امید کا ایک مرثیہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حال میں دیکھنے کے لائق ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

فکر ثنائے مشہد ذی احترام ہے (بند ۱۷۱)

امام علیہ السلام کے سفر ایران کو اس انداز سے نظم کیا ہے:-

رستے میں نور وادی ایمن تھا جلوہ گر ۔۔۔ تھا رشک نخل طور ہر ایک باغ کا شجر
دانے جو برگ تھے وہ بنے غیرت قمر ۔۔۔ آئینے رہ گذر میں ہوئے نصب ادھر ادھر
فرط ضیا کو دیکھ کے خورشید دنگ تھا
ایک ایک شجر پہ سرو چراغاں کا رنگ تھا

مٹھی میں گل لئے ہوئے تھے زر پئے نثار ۔۔۔ غنچے بھی ہنس رہے تھے کہ تھی آمد بہار
کحل بصر جو باد بہاری کا تھا غبار ۔۔۔ نرگس کو تھا ورود سواری کا انتظار
استادہ ہر نہال تھا تعظیم کے لئے
شاخوں نے سر جھکائے تھے تسلیم کے لئے

یوں تھا سوار فوج میں لخت دل بتولؑ ۔۔۔ جاتے تھے جس طرح شب معراج میں رسولؐ
شبدیز کو براق کا تھا مرتبہ حصول ۔۔۔ یاں اور خوش خراموں کے دعوے ہیں نا قبول
ہوتا تھا خون کبک کا ایک ایک گام پر
پریوں کی جان جاتی تھی طرز خرام پر

سید محمد اصطفےٰ حسین خورشید:

لڈن صاحب خورشید بھی خاندان اجتہاد سے تعلق رکھتے تھے۔ خورشید کے والد سید مرتضیٰ اور دادا سلطان العلما سید محمد ابن غفرآنماب کا شمار بلند پایہ علما میں ہوتا تھا۔ امید کے شاگرد تھے، "ہدایات فن شعر" میں ان کی بے نظیر کتاب ہے۔ اُن کا ایک ناول "سلطان" بھی بہت مقبول ہوا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں پٹنہ عظیم آباد میں وفات ہوئی اور محلہ گلزار باغ کے ایک مقبرے میں دفن ہوئے۔ خورشید کے ایک شاگرد کلیم لکھنوی نے تاریخ کہی:-

"آیا خورشید گہن میں آیا" ۱۳۱۹ھ

ان کے لئے رجال لکھنوی سوانح اور کلام نورے تم۔ تاریخ لکھنؤ تم خانۂ جاوید جلد اول جلیس حسنی وغیرہ میں حالات موجود ہیں۔

خورشید کے مرثیے:-

۱۔ رخصت ہے اب حرم سے شہ مشرقین کی
۲۔ پھر آج کلک رواں بہر نظم اٹھاتا ہوں
۳۔ تا ظہر لڑا رن میں جو دربار حسینی
۴۔ ہاں بیاں خوبی الفاظ و معانی دکھلا
۵۔ دربار میں یزید کو جب یہ خبر گئی
۶۔ مداح بادشاہ عراق و حجاز ہوں
۷۔ رن میں مرنے کو اکبر آتے ہیں
۸۔ ارکان دیں ہیں کیوں متزلزل جہاں میں
۹۔ اس طرح سے کتب میں یہ تفصیل ہے بیاں

سیّد مہدی حسین ماہرؔ:

ماہرؔ کے والد زین العلما مولانا سید تقی حسین ابن سید العلما علی حسین مکان مولانا سید حسین ابن غفر آنمابؒ تھے ۱۹۰۴ء میں ماہرؔ کی وفات ہوئی اور امام باڑہ غفر آنماب کے دالان میں دفن ہوئے۔ مندرجہ ذیل مرثیے مشہور ہیں۔

۱۔ ازل سے عقد زبان و سخن ہے عالم میں
۲۔ گردوں پہ جب کھلا علم زرفشاں صبح
۳۔ ہاں بیاں حسن دل آرام معانی دکھلا
۴۔ ہاں اے نشان لشکر مضموں بلند ہو
۵۔ حضرت سے جب جدا پسر مجتبیٰ ہوا

سید ساجد حسین فہیمؔ:

محترمہ زینت زہرا رضوی لکھتی ہیں ''فہیم کا زیادہ تر کلام لکھنؤ میں رہ گیا تھا اور وہیں سے تلف ہوا'' (صفحہ ۵۳ ''العلم'')

ہمارے ذخیرہ مراثی میں فہیم کے متعدد مرثیے ہیں، ایک مرثیہ فہیم نے شاہ مرد سید دلاور حسین

ساکن قصبہ گنگوہ سہارنپور حال وارد لکھنؤ جوہری محلہ نے ۲۰، اکتوبر ۱۹۱۳ء کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ مرثیے میں ۵۵ بند ہیں مطلع ہے:-

"پھر اگلتا ہے دہن گوہر شہوار سخن"

سید حیدر حسین یوسف:

محترمہ زینت زہرا رضوی نے یوسف کے ایک مرثیے کا ذکر کیا ہے۔ یوسف کا ایک اور مرثیہ رشید صاحب (لکھنؤ) کے ذخیرہ مراثی میں موجود ہے۔ مطلع ہے۔

"ہے تختۂ بہار سخن لالہ زار ہو"

سید تفضل حسین عطا:

محترمہ زینت زہرا رضوی کو عطا کا مرثیہ دستیاب نہیں ہوا (صفحہ ۹۰ العلم)۔ عطا کا ایک مرثیہ ہمارے ذخیرہ مراثی میں موجود ہے ۵۳ بند ہیں اور مطلع ہے:-

"روز ازل جو خلق بلا و محن ہوئے"

پانی:

"العلم" اکتوبر ۱۹۹۳ء صفحہ ۹۵،۹۶ پر نظیم امروہوی لکھتے ہیں: "نسیم امروہوی نے جوش ملیح آبادی سے بھی پہلے پانی کے موضوع پر مرثیہ کہا ہے"۔

ایسا نہیں ہے "پانی" کے موضوع پر سب سے پہلے راجہ صاحب محمود آباد نے مرثیہ کہا ہے اس کے بعد جوش نے پھر فیض بھرت پوری نے سب سے آخر میں نسیم صاحب مرحوم نے "پانی" کے موضوع پر مرثیہ کہا اتفاق سے یہ مرثیے جب پہلی مرتبہ پڑھے گئے تھے تو میں ساری کی ساری مجلسوں میں شریک تھا۔ جوش، نسیم اور فیض ان تینوں کی مجالس کے پمفلٹ بھی اب تک میرے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

میری ایک تقریر "پانی" کے موضوع پر کیسٹ میں موجود ہے اور آپ کے ممبئی میں بھی یہ کیسٹ بازار میں بکتا ہے۔ اس تقریر میں تمام تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں۔ تقریر کے آخر میں جوش کا مرثیہ

''پانی''، مکمل تحت میں پڑھا گیا ہے۔

شجرۂ سادات بارہہ:

العلم دسمبر ۱۹۹۳ء، صفحہ ۹۶ پر جناب رضوان علی زیدی (نواب پورہ امراؤتی) کو اپنے شجرے کی تلاش ہے''۔ اُن تک یہ سطریں پہنچا دیجئے کہ زیدی سادات کا مکمل شجرہ ''شجرۂ سادات'' کے نام سے مرتب کر کے سید وزیر حسن زیدی نے شائع کر دیا ہے۔ ان کا پتہ ہے:-

۸۸۸۔ اے، گلبرگ، بلاک ۱۲، گلستانِ مصطفیٰ کراچی ۳۸۔

(اس کتاب میں حیدرآباد دکن کے زیدیوں کی شاخ کا شجرہ بھی شامل ہے)

آخر میں کچھ تذکرہ علی میاں کاملؔ کا:

جناب محمد رضا عابد رضوی صاحب نے ''علی میاں کاملؔ'' پر بہت اچھا بہت جامع مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اس مضمون کی دوسری قسط بھی انھیں لکھنا چاہئے ''علی میاں کاملؔ'' کا قلمی ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ تمام نسخے خود علی میاں کاملؔ کے قلم سے بخطِ مصنف ہیں۔ علاوہ مرثیوں کے علم عروض پر ایک کتاب، مثنویات، سلام، رباعیات، قطعات، قصائد، غزلوں کا دیوان بہت کچھ ہے۔ اس ذخیرے کا ایک حصہ میں نے مشفق خواجہ صاحب کے کتب خانے میں محفوظ کروا دیا تھا۔ علی میاں کاملؔ کے خاندان کے ایک فرد نے خواجہ صاحب کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ علی میاں کاملؔ کے شاگردوں کے مرثیے بھی اس ذخیرے میں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

آپ کے ''العلم'' کے لئے مندرجہ ذیل مضامین لکھ کر رکھے ہیں جلد ہی پوسٹ کر دوں گا۔

۱۔ ''نواب رستم علی خاں سپہرؔ مھولپوری اور ان کے غیر مطبوعہ مرثیے'' (جوشؔ ملیح آبادی کے ماموں)

۲۔ مرزا ہادی رسواؔ کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

۳۔ سعادت یار خاں رنگینؔ کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ (نسخہ لندن یونیورسٹی لندن)

۴۔ میر تقیؔ دہلوی کی مرثیہ گوئی

فقط۔ مخلص، ضمیر اختر نقوی

نوٹ: یہ خط ''العلم'' میں شائع ہو چکا ہے۔

مرحمت خاں واآلہ دہلوی
کی غیر مطبوعہ رباعیات

مرحمت خاں واآلہ دہلی کے رہنے والے تھے، ان کی پیدائش بھی دہلی میں ہوئی محمد شاہ بادشاہ دہلی کے آخری زمانے کے شاعر تھے، واآلہ دہلوی کے آباؤ اجداد کشمیر سے دہلی آئے اور عمدہ عہدوں پر سرفراز رہے۔ واآلہ دہلوی کے والد میمنت خاں کشمیری فارسی کے شاعر تھے۔
واآلہ دہلوی ایک انگریزی اخبار کے داروغہ کی حیثیت سے دہلی میں ملازم تھے، اردو میں واآلہ اور فارسی میں ثاقب تخلص کرتے تھے۔
اعظم الدولہ سرور لکھتے ہیں :-
"مرحمت خاں واآلہ آباؤ اجداد اصل میں کشمیر کے رہنے والے تھے اور باعزت لوگ تھے، واآلہ دہلوی دہلی میں ایک انگریزی اخبار میں داروغہ کی حیثیت سے ملازم تھے۔ واآلہ دہلوی نہایت سلیم الطبع اور خوش اخلاق، دانشور، تجربہ کار، صاحب عقل وہنش تھے، خط ثلث خوب لکھتے تھے، اردو اور فارسی میں شائستہ اشعار کہتے تھے، فارسی میں ثاقب تخلص کرتے تھے، بہت اچھی شخصیت کے مالک تھے، چند برس انتقال کو ہوئے۔" (عمدۂ منتخب)
قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں :-
"واآلہ دہلوی نے بہت اچھی زندگی گزاری دہلی میں انگریزوں کے ایک اخبار میں ملازم تھے، مرد ہوشیار وپختہ کار تھے، اُن کے شعر کہنے کا اسلوب پسندیدہ تھا، غزل خوب کہتے تھے۔" (مجموعۂ نغز)
قدرت اللہ شوق لکھتے ہیں :-
"مرحمت خاں واآلہ تخلص، پسر میمنت خاں کشمیری کہ پیش کار خانساماں بادشاہی بودہ، طبع رسا وفکر بجا دارد۔" (طبقات الشعرآ)
کریم الدین، شیفتہ، باطن اور نساخ نے اُن کی ملازمت لکھنؤ میں لکھی ہے یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا، سرور، قاسم اور شوق نے ملازمت دہلی میں بیان کی ہے اور یہی صحیح معلوم

ہوتا ہے۔ ہمارے کتب خانے میں ایک قلمی نسخے میں ان کی چند اردو و فارسی رباعیات موجود ہیں جو یہاں درج کی جاتی ہیں۔ اس نسخے کا پڑھنا وقت طلب تھا لیکن کوشش کی گئی ہے کہ تمام اشعار صحیح لکھے جائیں۔

رباعیاتِ والہ دہلوی

---- ۱ ----

روتا جو ہے شاہ کربلا کی خاطر — اس کشتۂ تیغ جفا کی خاطر
والہ کہ اس کے حق میں بنتِ احمدؐ — نت ہاتھ اٹھاتی ہیں دعا کی خاطر

---- ۲ ----

امید دو از مصطفےٰؐ می خواہم — صحت زعلی مرتضیٰؑ می خواہم
ہرگز بہ طبیب التجائے نبرم — یا شاہ نجف زتو شفا می خواہم

---- ۳ ----

یارب تو چناں کن کہ پریشاں نشوم — محتاج برادران و خویشاں نشوم
بے نسبت مخلوق مرا روزی دہ — تا از در بر در او شاں نشوم

---- ۴ ----

یارب بہ خلق تکیہ گاہم نکنی — محتاج گدا و بادشاہم نکنی
روئے سیہ ام سفید کردی زکرم — یا موئے سفید روسیاہم نکنی

---- ۵ ----

زمانہ بر سر جنگ است یا علی مددے — کمک بغیر تو ننگ است یا علی مددے
کشودہ کار دو عالم بیک اشارہ تست — بکار ماچہ درنگ است یا علی مددے

---- ۶ ----

علی مرتضیٰؑ با ما مدد کن — نبیؐ مصطفےٰؐ با ما مدد کن
بیک دم مشکل سلمان کشادی — بیا مشکل کشا با ما مدد کن

---- ۷ ----

اے شیر خدا امیر حیدرے فتح　　اے قلعہ کشائے بابِ خیبرے فتح
در ہائے امید بر رخم بستہ شدی　　اے صاحب ذوالفقار وقتے فتح

---- ۸ ----

خدا وندا بگردان بلارا　　ز آفتہا نگہداری تو مارا
بحق آں دو گیسوئے محمدؐ　　زبوں گرداں زبردستاں مارا

---- ۹ ----

یارب بہ محمدؐ و علیؑ و زہراؑ　　یارب بہ حسینؑ و حسنؑ و آلِ عبا
از بہ لطف برائے حاجتم درکارا　　بے منت خلق یا علیؑ الاعلیٰ

---- ۱۰ ----

یارب بہ رسالت رسول الثقلین　　یارب ز کنندۂ بدر و حنین
عصیاں مرا کہ حصہ کن در عرصات　　نیمے بہ حسنؑ بہ بخشی نیمے بہ حسینؑ

کتابیات:۔

۱۔ طبقات الشعرا (قدرت اللہ شوقؔ)، ۲۔ عمدۂ منتخبہ (اعظم الدولہ سرورؔ)، ۳۔ مجموعۂ نغز (قدرت اللہ قاسمؔ)، ۴۔ طبقات الشعرائے ہند (کریم الدین)، ۵۔ گلشن بے خار (شیفتہؔ)، ۶۔ گلستان بے خزاں (قطب الدین باطنؔ)، ۷۔ سخن شعرا (نساخ)، ۸۔ خوش معرکۂ زیبا (سعادت خاں ناصرؔ)

شاہ آیت اللہ جوہرؔی

(مذاقؔ وشورشؔ)۔۔۔۱۷۱۴ء۔۱۷۹۵ء

غلام سرورؔ نام تھا لیکن مشہور شاہ آیت اللہ جوہرؔی کے نام سے ہوئے۔ ۱۷۱۴ء میں پھلواری شریف (بہار) کے قصبہ بین میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شاہ محمد مخدوم اور والدہ کا نام حونت بی بی ولیہ تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۷۵۹ء / ۱۱۷۳ھ میں سجادہ نشین ہوئے۔ شاہ مجیب اللہ کے داماد تھے۔ اُن کا شمار پھلواری شریف کے فاضل بزرگوں میں ہوتا ہے۔

غلام حسین شورشؔ مؤلف "تذکرۂ شورش" نے ان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، وہ کہتے ہیں آیت اللہ جوہرؔی فارسی کے مشہور شاعر تھے، وہ لکھتے ہیں:۔

"از کیفیت فقر آگاہ، شاہ آیت اللہ سلمہ اللہ جوہرؔی تخلص، فرزند شاہ مخدوم قدس سرہ خویش حضرت شاہ مجیب اللہ مدظلہ العالی ساکن قصبہ پھلواری، بزرگی ہر دو بزرگاں مشہور و معروف است۔ کسے کہ بافقیر راہ و ربطی دارد، می داند و مرید نیز از والا خود اند چنانچہ فرمودہ:۔

اور سے میں ملتجی ہونے کا نہیں لے جوہرؔی

وارث حال نبی مخدوم ہے مرشد میرا

واطف وبگر دریں شعر ایں است کہ از حضرت شاہ محمد وارث محمد آباد بنارسی قدس سرہ نیز خاندان ایشاں رافیض است۔ بافقیر از مدت مربوط اند و توجہ کریمانہ الحال می فرمایند۔ حق تعالیٰ خوش و خرم بر مسند ہدایت و ارشاد نگاہ دارد۔ (تذکرۂ شورشؔ صفحہ ۱۴۷)"

تا قیامت بند ہونے کا نہیں ہے بابِ فیض

عقدۂ دل ناخنِ دستِ پیمبر سے کھلا

محمد وجیہ الدین عشقی نے "تذکرۂ عشقی" میں آیت اللہ جوہری کے بارے میں کچھ اور تفصیلات بھی بیان کی ہیں، عشقی لکھتے ہیں کہ مجھے خود ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، وہ زیادہ تر مرثیے اور سلام لکھا کرتے تھے۔ مرثیے میں مذاقی، مثنوی میں جوہری اور فارسی غزل میں شورش تخلص کرتے تھے۔ ان کے اردو کلام میں مثنوی، مرثیہ، منقبت، شہر آشوب اور قصیدہ شامل ہیں۔ غزلوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جوہری کی مثنوی "گوہر جوہری" ہے۔ اس مثنوی پر ایک تفصیلی مضمون پروفیسر حسن عسکری نے رسالہ "اردو" اپریل ۱۹۴۰ء میں سپرد قلم کیا ہے۔ اس مضمون میں پروفیسر موصوف نے مثنوی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مثنوی دو بحروں میں ہے۔ ایک تو بحر متقارب ہے جس میں فردوسی کا شاہنامہ ہے اور بحر ہزج جس میں مولانا جامی کی مثنوی "یوسف زلیخا" ہے۔ اس مثنوی میں شروع سے آخر تک ربط و تسلسل ہے۔

اختر اورینوی نے لکھا ہے کہ :-

"آیت اللہ جوہری کو سیر و سیاحت کا بھی شوق تھا، چنانچہ آپ بنارس بھی گئے تھے۔"

شاہ آیت اللہ جوہری نے اکیاسی برس کی عمر میں ۱۷۹۵ء میں وفات پائی۔

تذکرہ نگاروں نے ان کے علم و بزرگی کی تعریف کی ہے، مبتلا نے "گلشن سخن" میں لکھا ہے "صاحب علم و درویش بود۔" اسپرنگر نے "یادگار شعرا" میں لکھا ہے :-

"یہ فارسی کے شاعر اور ذی علم شخص تھے۔"

بہار میں مرثیہ نگاری کی ابتدا شاہ آیت اللہ جوہری سے ہوئی ہے، اُن کا شمار بہار کے باکمال شاعروں میں ہوتا ہے، آپ اردو اور فارسی دونوں ہی زبانوں کے عالم اور شاعر تھے۔ آپ کی محبوب ترین صنف مرثیہ ہے، خوب خوب مرثیے لکھے قلمی بیاضوں میں سلام اور مرثیے تلاش کے بعد دستیاب ہو جاتے ہیں۔ جوہری کے مرثیوں کی قلمی بیاض پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔

آیت اللہ جوہری کا ایک مربع مرثیہ

لوٹ لیا بنجارہ بن میں

بہت مشہور ہے۔

لوٹ لیا بنجارا بن میں ٹانڈہ لدا ہوا سارا بن میں
ہائے حسینؑ پیارا بن میں بیکس کر کے مارا بن میں

بن بن کھڑی بنجاری روئے گھر جو لٹا گھر باری روئے
بانوؑ ہو بیچاری روئے راول جس کا مارا بن میں

ایک سرے سے سب کو بٹھا کر سر سے چادر تک بھی چھنا کر
پھر خیموں کو آگ لگا کر بستا گھر وہ اجارا بن میں

آیت اللہ جوہریؔ کا یہ مرثیہ بلگرام کے محرم کے جلوسوں میں بادشاہ شاہ عالم کے عہد سے اب تک پڑھا جاتا ہے۔ اس مرثیے کی تضمین قابلؔ دہلوی، موسیؔ دہلوی اور فوقؔ بلگرامی نے کی ہے۔ آیت اللہ جوہریؔ کی زبان صاف سادہ اور پُراثر ہے۔ انداز بیان میں سوز و گداز ہے۔ ایک اور مربع مرثیے کے چھ بند یہ ہیں۔

آلِ نبیؐ نہیں جینے پایا، ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی
کٹا بتولؑ و علیؑ کا جایا، ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی
تیغ ستم کوں تن پر کھایا، ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی
خنجر سے گردن کٹوایا، ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی

تن کو سر سے ہے نہ پھروا، سر اُس تن سے دور ہی دور
سر نیزہ پر جھوم رہا ہے، تن ماٹی میں گھاؤ سے چور
ہائے نبیؐ کا خاص نواسہ، وائے بتولؑ وا علیؑ کا نور
کیا کیا ظلم نہ اس پر آیا، ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی

بعد شہید ہوئے ہائے سرورؑ کے خیمے بیچ در آیا قاتل
لوہو بھرا وہ خنجر برّاں کف میں لے چمکایا قاتل
گھر میں اثاثہ جو کچھ پایا پیادوں سے لٹوایا قاتل
سب نسوات سے ناکہ ہر آیا، ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی

اہل حرم، کے مقتل اوپر جس دم ہائے سواری آئی
لاش کے پاس آئی سب بی بی رونے غم کی ماری آئی
خاص کہ دو بہنیں سرورؑ کی کرتی نالہ و زاری آئی
بی بانو کو غم نے رولایا ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی

سوداؔ اور میرؔ کے عہد میں آیت اللہ جوہریؔ نے یہ مرثیے تصنیف کئے ہیں، زبان و بیان اور طرز نگارش کے اعتبار سے کھڑی بولی اور پوربی کی آمیزش سے یہ مرثیے نیا رنگ و آہنگ رکھتے ہیں۔ آیت اللہ جوہریؔ کے مرثیے ادبی اور فنی معیار کو بلند کرتے نظر آتے ہیں۔ دہلی سے دور بہار میں انھوں نے اردو مرثیے کی تشکیل میں بھرپور حصہ لیا اس لحاظ سے ان مرثیوں کی قدر و قیمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے :۔

مجھ کو کس پر چھوڑ گئے ہو تم ہوئے جا فردوس کے باسی
حوّر نے تم کو پلایا پیالہ میں رہی ویسی بھوکی پیاسی
تم بن کون کھبریا لیوے تو میرا والی میں تیری داسی
خلد بریں میں جاگ رچایا ہائے حسینؑ بدیسی پنچھی

قصۂ غم کا دور دراز ہے کہہ مت آگے اس کے مذاقی
قلم کا دل رقت میں آیا، بہت رہا لکھنے کو باقی
روز جزا میں پانی پلانا اے کوثر کے حوض کے ساقی
نالہ و آہ سے دل بھر آیا، ہائے حسینؑ بدیسی پنتھی

آیت اللہ جوہرؔی نے مسدس میں بھی مرثیے تصنیف کئے ہیں اور امکان یہی ہے کہ سوداؔ کی پیروی میں عظیم آباد میں بھی مسدس مرثیے لکھے جانے لگے تھے۔ میر ضیاالدین ضیاؔ دہلوی شاگرد سوداؔ دہلی سے عظیم آباد چلے گئے تھے جہاں وہ ۲۵ یا ۳۰ برس رہے اور عظیم آباد ہی میں وفات پائی ضیاؔ دہلوی کا ایک مرثیہ مسدس میں قلمی ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔
ہو سکتا ہے آیت اللہ جوہرؔی نے ضیاؔ دہلوی سے پہلے مسدس مرثیہ تصنیف کیا ہو، ان کے مسدس مرثیے کا ایک بند یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

جس کا پدر کٹا ہو نہ روئے تو کیا کرے
تن خاک میں پڑا ہو نہ روئے تو کیا کرے
مقتل میں خوں بہا ہو نہ روئے تو کیا کرے
نیزہ پہ سر چڑھا ہو نہ روئے تو کیا کرے
جس کا بابا مر گیا چھوڑے کہائے حسینؑ
تس کا بیٹا عابدین روٗت ہے دن رین

ڈاکٹر سید محمد صدر الدین فضاؔ نے اپنے تحقیقی مقالے "حضرت شاہ آیت اللہ جوہرؔی ان کی حیات اور شاعری" میں جوہری کے پورے کلام کو ایک بسیط مقدمے کے ساتھ چھاپ دیا ہے۔

نگاہیؔ دہلوی کا غیر مطبوعہ مرثیہ

نگاہیؔ دہلوی کا غیر مطبوعہ مرثیہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔ نگاہیؔ تخلص کے شاعر کو ہم نے تذکروں میں تلاش کیا، اس تخلص کے شاعر کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ملا۔ نگاہیؔ، دہلی کے رہنے والے تھے، مرثیے پر دہلی لکھا ہوا ہے۔

نگاہیؔ کا مرثیہ ''بحر بسیط مثمن مطوی'' (بحر بسیط مثمن سالم) میں ہے، یہ مرثیہ ''بحر منسرح مثمن مطوی موقوف مکسوف'' دونوں بحروں میں پڑھا جاسکتا ہے۔

مستفعلن ، فاعلن ، مستفعلن ، فاعلن

یہ بحر بہت مترنم ہے، احسانؔ، حیدریؔ، گداؔ، افسردہ، ناظمؔ کے متعدد مرثیے اس بحر میں موجود ہیں۔ اس بحر میں بیجاپور کے مرثیہ گو ملک خوشنود دکنی کا بھی ایک مرثیہ ہے۔

آہ فلک کیا کیا ، آہ فلک کیا کیا

علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ کا ایک مرثیہ اسی بحر میں موجود ہے:۔

دیکھ محرم کا چاند سکھ کوں بسارو تمام

مہربان خاں مہربانؔ کا مرثیہ اس بحر میں موجود ہے:۔

بنت نبیؐ فاطمہؓ کہتی ہیں اے ذوالجلال

میر تقی میرؔ کا مرثیہ تو نہیں ہاں ایک سلام اس بحر میں ملتا ہے:۔

اے شہ عالی مقام ، تجھ پہ درود و سلام
بعد ہزاراں سلام ، تجھ پہ درود و سلام

آصف الدولہ کے عہد میں دہلی سے آنے والے شعرا میں نگاہی بھی شامل ہیں خیال یہ ہے کہ اس عہد کے مرثیوں کی ترقی میں انہوں نے حصہ لیا اور مروج بحروں میں مرثیے لکھے۔آصف الدولہ کے عہد میں جو مرثیے لکھے جارہے تھے اُن مرثیوں میں یہ بحر اس زمانے میں مقبول تھی مثلاً مندرجہ ذیل شعرا کے مرثیے اس بحر میں موجود ہیں:۔

تجملؔ لکھنوی (شاگرد جرأتؔ)

پھر مہ عاشور میں چشم جہاں کر کے نم

حیدریؔ

حضرت عباسؑ کے جب ہوئے بازو جدا

خیمے سے شبیرؑ جب مرنے کو جانے لگے

احسانؔ

یارو شفق پھول کر شام جو ہونے لگی

یارو سنو ایک تھا تعزیہ دار حسینؑ

افسردہؔ

شام سے جب اہل بیتؑ باسرِ عُریاں چلے

گداؔ

یارو ذرا پوچھو تم پیرو جواں سے یہ بات

ناظمؔ

یارو اک دن یحییٰؑ مرسل پروردگار

یارو بہ غم مبتلا سید مظلوم ہے

یارو علمدار شاہ خاک پہ جس دم گرا

میر عشق

یثرب و بطحا کے پھول رن میں جو مرجھا چکے

مرزا دبیر کے شاگرد متین کا نوحہ اسی بحر میں بہت مشہور رہا

بیبیو اکبر مرا مجھ کو دغا دے گیا

سوختہ لکھنوی کا نوحہ اس بحر میں اب تک مقبول ہے

ہنسلیوں والے مرے ہو چکے بس اب خفا

عہد بہ عہد اس بحر کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ''مسجد قرطبہ'' اسی بحر میں لکھی :-

سلسلۂ روز و شب ، نقش گر حادثات

سلسلۂ روز و شب ، اصل حیات و ممات

اقبال کو یہ بحر بہت پسند تھی ''علم و عشق'' بھی اسی بحر میں لکھی

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن

☆ ☆

نگاہی کا مرثیہ حضرت قاسم کی شادی اور مہندی کے موضوع پر ہے۔ نگاہی نے اس عہد کے الفاظ ومحاورے بہ خوبی استعمال کیے ہیں۔ مثلاً کنے، چھاتی اوپر سنگ، شہنائی باجتی، بدھائی، تمبوقنات، شربت وچوبا، تروار (تلوار)، ہراس، پوت، چھاں (چھاؤں)، ہسارا، مائی۔

الفاظ ومحاوروں کے استعمال سے بھی اُن کے عہد کا تعین ہوسکتا ہے۔

غیر مطبوعہ — نگاہی دہلوی

مرثیہ

مومنو سُنیو ذرا ہے یہ عجب ماجرا — واسطے جس کے ہوئی ارض و سما کی بنا
بیاہ کی شب اُس کئے ظلم یہ برپا ہوا — تخت پر دولھن کو چھوڑ مرنے کو دولھا چلا ۱
قاسمِ نوشاہ کے بیاہ میں یہ رنگ تھا
رونا تھا دونو طرف چھاتی اوپر سنگ تھا

نوبت و نقارہ کے بدلے تھا سینہ و سر — آہ کی شہنائی تھی باجتی دولھا کے گھر
اور بدھائی عوض مل کے وہ سب نوحہ گر — نوحہ کھڑے کرتے تھے رو رو بہ سوز جگر ۲
روشنی جھاڑوں کی بھی ماند تھی شادی کی رات
جلتا تھا دولھا کا گھر لُٹتے تھے تنبو قنات

شربت و چوبا کا تو ذکر نہ تھا یک قلم — پیتے تھے شربت عوض خونِ جگر سب بہم
کھاتے تھے چوبے عوض خورد و کلاں درد و غم — شادی عوض تھی غمی سُکھ کے عوض دُکھ الم ۳
مصری اور نقلوں عوض کنکروں کے ڈھیر تھے
چھوٹے بڑے جتنے تھے جینے سے سب سیر تھے

مثل کفن چاک تھا دولھا کے جامہ گلے — اور براتی جو سب دولھا کے ہمراہ تھے
ان کے تھے صندل عوض خاک سے چہرے بھرے — رنگ کے عوض جوڑے تھے خون سے سب کے رنگے ۴
ہار کے بدلے وہاں موت گلے ہار تھی
پھولوں کی چھڑیاں عوض برچھی اور تروار تھی

آرسی بدلے قضا تیغ کو چمکاتی تھی — تیروں کی بوچھار سے دولھا کو نہلاتی تھی
جوڑے کے بدلے کفن دولھا کا سلواتی تھی — تختہ تابوت کو تخت عوض لاتی تھی ۵
گھر کے عوض دولھا کو جنگل ویران تھا
سیج عوض پھولوں کے خار مغیلان تھا

۶
بیاہ کہیں ایسا بھی دیکھا ہے اے دوستو — غم کے سوا اس میں کچھ ذکر خوشی کا نہ ہو
رو رو براتی کہیں آنسوؤں سے منھ کو دھو — قتل کی شب ہے اُسے شادی کی شب مت کہو
ہوتی ہے نوبت تمام سب کی اب ایک آن میں
موت کا ڈنکا قضا کرتی تھی میدان میں

۷
الغرض اس بیاہ کی عنقا ہی سب بات تھی — بیاہ کی وہ شب نہ تھی قتل کی وہ رات تھی
دولھا اور دلھن کے گھر رات وہ آفات تھی — چاروں طرف سے انھیں گھر میں بلیات تھی
صبح جو ظاہر ہوئی رن میں پکاری قضا
سر کو کٹا اے بنے اس میں ہے رب کی رضا

۸
تب تو وہ دولھا ماں سے کرنے لگا یہ کلام — دودھ مجھے بخشو تم اب یہی بہتر ہے کام
جیتے یہاں تک رہے مرنے سے اب ہوگا نام — سامنے میری قضا لے کے شہادت کے جام
کہتی ہے پی لے بنے شام ہو اس جام کو
زندۂ جاوید ہے مرتا ہے جو نام کو

۹
تم تو مجھے کہتی ہو بیٹھنے دولھن کے پاس — اور قضا کہتی ہے جینے سے تو ہو نراس
دیر نہ کر اے بنے جلد ہو گھر سے اُداس — ہوں میں تیری منتظر پوری کر اب میری آس
بیٹھنا دولھن کے پاس حق میں تیرے زہر ہے
جینا مجھے اے اماں اس گھڑی کا قہر ہے

۱۰
موت تیری ہے دلھن قاضی ہے حکم قضا — سارے براتی کھڑے بھائی بھتیجے چچا
اور براتی سبھی کہتے تھے واحسرتا — دیکھنے دولھن کے گھر کیا ملے اس بیاہ کا
تیری ہے رخصت اوپر دیر ہے اس کام کی
اب تو یہ آغاز ہے سُنیو پھر انجام کی

۱۱
ماں نے تب اس کو کہا پوت تجھے کیا کہوں — مرنے کی رخصت تجھے ہائے میں کس منھ سے دوں
آج تری کوکھ کی ہوتی ہے میں کیا کروں — گر ہے رضا حق کی یوں اس میں میں لاچار ہوں
دودھ میں بخشا تجھے چھاتی پہ پتھر لیا
راہ خدا میں تجھے میں نے تصدق کیا

پر یہ میری بات ہے سن اے میرے غم گسار راہ خدا میں تو جب جی کو کرے گا نثار
مجھ کو رہے گا نہیں اس گھڑی صبر و قرار ۱۲ تن میں سر کھول کے رو رو کروں گی پکار

اس نے کہا میرے بعد اے اماں مختار ہو
صبر کرو یا کہ تم چشم سے خوں بار ہو

رن کی رضا جس گھڑی ماں سے وہ پا چکا خستہ جگر تشنہ لب مرنے کو رن میں گیا
چاروں طرف سے اُسے ظالموں نے آلیا ۱۳ چُور بدن ہو کے جب سینے پہ نیزہ لگا

گھوڑے سے نیچے گرا ہاتھ سے چھوٹی زمام
رو رو پکارا چچا ہو گئی تُرکی تمام

سُن یہ صدا شاہ نے اس گھڑی نوشاہ کی گھوڑے ادھر ہو سوار راہ وہیں رن کی لی
پہنچا جو میدان میں وارثِ علم نبیؑ ۱۴ دیکھا تڑپتا ہے وہ خاک پہ یکبارگی

نعرۂ واحسرتا کھینچ بہ سوزِ جگر
خیمے کو روتا چلا دولہا کو گھوڑے پہ دھر

رن سے جو قاسمؑ کی لاش گھر میں لے آئے حسینؑ دیکھ اُسے قاسمؑ کی ماں آنسوؤں سے بھر کے نین
خاک اُڑا سر اوپر بولی یہ با شور و شین ۱۵ لٹ گئی بستی میری اُٹھ گیا آرام چین

میرے کلیجے میں آہ آج چھُری چل گئی
پوت مرا مر گیا کوکھ مری جل گئی

پھر وہ ہر اک بی بی سے بولی کہ طوفاں ہوا پوت میرا خون کے بحر میں غلطاں ہوا
بیٹھ نچنتی ہو کیا گھر میرا ویراں ہوا ۱۶ بیاہ کا یہ گھر نہیں حشر کا میداں ہوا

خاک اُڑا سر اوپر بولی وہ فریاد ہے
ظلم ہے اور قہر ہے داد ہی بیداد ہے

کوسا مجھے کس نے یوں پوت ترا مارا جائے کوکھ تری نت جلی سُکھ نہ کبھی تجھ کو آئے
بالی دلہن رانڈ ہو اور تو نہ پوتے کھلائے ۱۷ پوت کے تو سوگ میں اپنی عمر سب گنوائے

درد رہے رات دن تجھ کو سدا ہائے پوت
اُٹھے تو کہہ ہائے پوت بیٹھے تو کہہ ہائے پوت

میں تو کسی کو کبھی ہائے ستایا نہیں ۔ دُکھ بھی کسی کو کبھی ہائے دکھایا نہیں
لونڈی اور باندی کو بھی میں نے جلایا نہیں ۔ ۱۸ بیاہ مرے پوت کا کس کو خوش آیا نہیں
کوسا مجھے کس نے یوں پوری نہ ہو تیری آس
بیاہتے ہی پوت کو آس سے ہوگئی نراس

لاشۂ قاسمؑ سے پھر رو رو یہ کہنے لگی ۔ جیتی تھی میں اے بچے دیکھ کے صورت تری
دل کو مرے چین تھا آنکھوں میں تھی روشنی ۔ ۱۹ تم مرا آرام چین لے گئے دنیا ستی
تم نے تو جا سکھ کیا دکھ میں مجھے چھوڑ کے
باپ سے جا کر ملے ماں کی کمر توڑ کے

بو دیئے بروا جو کوئی آس لگا کر کبھی ۔ ایک دن ہم سائے میں بیٹھیں گے اس کے گھنی
جب ہوئے تم سایہ دار پوچھی نہ محنت مری ۔ ۲۰ پوری نہ کی میری آس روٹھ گئے مجھ ستی
ہائے اے اماں کی جان تم نے یہ اب کیا کیا
چھاں سے ماں کو اُٹھا دھوپ میں بٹھلا دیا

بیاہتے ہی اے بچے موت تجھے آگئی ۔ اٹھتی جوانی تری خاک میں ملوا گئی
بالی دولھن کو تری رانڈوں میں بٹھلا گئی ۔ ۲۱ مجھ کو نہ پوتے سدا جیتے جی کھوا گئی
ہائے میں اب کیا کروں نکلی نہیں تن سے جاں
جیتی رہے بوڑھی ماں پوت مرے نوجواں

کہہ کے مجھے اماں جان کون بلاوے گا اب ۔ پیار کی باتیں مجھے کون سناوے گا اب
رُوٹھوں گی میں کس ستی کون مناوے گا اب ۔ ۲۲ چھاتی سے اپنی مجھے کون لگاوے گا اب
کس لئے اے میری جان دل سے بسارا مجھے
جیتے ہی جی اے بچے تم نے تو مارا مجھے

پھر وہ بہو پاس جا بولی یہ رو رو پکار ۔ اے بہو اب توڑ پھینک سہرا بھی اور کرسی ہار
چوڑیوں کو ٹھنڈی کر ناک سے نتھ کو اتار ۔ ۲۳ آگ لگا جوڑے کو پھینک اُسے کر تار تار
تخت اوپر بیٹھتے لگ گئی گھونگھٹ میں آگ
مر گیا تیرا بنا جل گیا تیرا سہاگ

سنتے ہی یہ ساس سے روئی دلہن زار زار　　چوڑیوں کو پھوڑ کر ناک سے نتھ کو اتار
۲۴
جوڑے شہانے کو پھاڑ پھینک کے سہرا و ہار　　قدموں اوپر گر پڑی ساس کے بے اختیار

بولی کہ شادی نہیں ہائے یہ آفت ہوئی
دولھا مرا مر گیا مجھ پہ قیامت ہوئی

مجھ کو بنی اب مجھے تم نے بنائی تھی کیوں　　مہندی میرے ہاتھ پاؤں تم نے لگائی تھی کیوں
۲۵
شادی مرے بیاہ کی تم نے رچائی تھی کیوں　　ناک میں نتھ ہاتھ میں چوڑی پنہائی تھی کیوں

بیٹا تمہارا اگر مرنے کو تیار تھا
ایک گھڑی کے لئے بیاہ کیا درکار تھا

منہ کو مرے اے چچی خاک سے اب تم بھرو　　دیکھ کے صورت مری رو رو نہ ہرگز مرو
۲۶
کام یہی ہے بھلا واسطے میرے کرو　　دولھا کو میرے یہاں مائی کے نیچے دھرو

میرے بھی رونے کو واں تکیہ بنا دیجیو
واسطے اللہ کے کام یہی کیجیو

مجھ کو وہ تکیہ نہیں کوٹھی و دالان ہے　　باغ ہے فردوس کا روضۂ رضوان ہے
۲۷
میرے بنے کی ہو گور اور یہ میدان ہے　　اُس کے سوا اب مجھے اور نہ کچھ دھیان ہے

جیتی ہوں جب تک کہ میں پہنوں گی بھگوا لباس
اپنا رنڈاپا بھی تو کاٹوں گی میں گور پاس

میرے بدیسی نے اب آ کے بسایا بدیس　　میں بھی اُسی دیس کو جانوں گی اپنا ہی دیس
۲۸
منہ کے اوپر مل بھبھوت کھول کے میں سر کے کیس　　بیٹھوں گی اُس تکیے میں کر کے فقیری کا بھیس

جیتی ہوں جب تک کہ میں اب تو یہی دیس ہے
بھگویں یہ کفنی بھی ہے اور یہی بھیس ہے

تکیے میں بیٹھی ہوئی گور کو دیکھوں گی میں　　دولھا کی جاگیر اُسی گور کو جانوں گی میں
۲۹
شکر سوا منہ سے کچھ اور نہ بولوں گی میں　　اپنا رنڈاپا یونہیں گور پہ کاٹوں گی میں

ڈر نہیں میں رات دن رو رو کے چلاؤں گی میں
خاک اُڑا سر اوپر پیٹ کے مرجاؤں گی

بالی دلہن نے کئے ایسے ہی جانکاہ بین سنتے ہی اس بین کو دل سے گیا سب کے چین
حوریں لگیں پیٹنے آنسوؤں سے بھر کے نین ۳۰ حاملِ عرشِ بریں کرنے لگے شور و شین

آگے نگاہی کے ہائے وہ کیا ماجرا
مومنو دل سے کرو ماتمِ آلِ عبا

سپہر دھولپوری کے غیر مطبوعہ مرثیے

نواب رستم علی خاں سپہر ریاست دھولپور کے سب سے بڑے جاگیر دار تھے، ان کی شادی نواب صاحب رامپور کے خاندان کی دلبری بیگم سے ہوئی تھی۔ ا نواب رستم علی خاں شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی کے ماموں تھے۔ ۲

مہذب لکھنوی نے نواب رستم علی خاں کا تخلص سپہر لکھا ہے اور انھیں علی میاں کامل کا شاگرد بتایا ہے، تحریر کرتے ہیں

"ایک صاحب اقتدار حنفی المذہب رئیس رستم علی خاں نامی
بھی شاگرد تھے جن کا تخلص سپہر تھا اور دھولپور کے رہنے
والے تھے"۔ ۳

لیکن جوش ملیح آبادی کا بیان ہے کہ

"ماموں جان شاعری میں میر نفیس اور درسیات میں مفتی
میر محمد عباسؒ کے شاگرد تھے"۔ ۴

جوش ملیح آبادی نے ان کا تخلص مہر بتایا ہے۔ یہاں جوش ملیح آبادی کو مغالطہ ہوا ہے ان کے قلمی مرثیوں پر سپہر تحریر ہے، نجم آفندی نے بھی ان کا تخلص سپہر ہی تحریر کیا ہے۔ اور مہذب لکھنوی کا بیان اوپر نقل کیا گیا کہ "معیار کامل" میں بھی سپہر ہی تحریر ہے۔

تلمذ کے سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے نفیس اور کامل دونوں کی شاگردی اختیار کی ہو۔

سپہؔر عزاداری اور مرثیہ گوئی میں بہت انہماک رکھتے تھے۔ سید علی اعظم عشرتؔ دھولپوری لکھتے ہیں:

"نواب رستم علی خاں صاحب بہادر نواب آف بسنی و ممبر کونسل آف اسٹیٹ دھولپور و پریسیڈنٹ میونسپل بورڈ دھولپور کے یہاں جو عشرہ کے روز تعزیہ اٹھتا ہے اس میں پلٹن اور رجمنٹ کے سوار فوجی بینڈ یہ سب ہز ہائی نس کے اخلاق و کرم کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ نواب صاحب بہادر ایک حنفی المذہب بزرگ، عالم اور بہترین مرثیہ گو مدّاحِ اہلبیتؑ ہیں نواب صاحب برابر عشرۂ محرم کی مجالس اور حسینؑ مظلوم کی یادگار قائم فرماتے ہیں۔ ممدوح کے مرثیے یادگار اور عالمانہ نکات اور آیاتِ قرآنی و حدیث رسولؐ سبحانی کا پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں۔[۵]

عشرتؔ دھولپوری نے سپہؔر کو "عالم اور بہترین مرثیہ گو" لکھا ہے اس کی تائید جوشؔ ملیح آبادی کے بیان سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں:

> "رئیسوں کو بالعموم علم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا مگر وہ (رستم علی خاں سپہؔر) علم کے پرستاروں میں سے تھے، فارسی، عربی، ہیئت، منطق، حکمت، موسیقی، تاریخ، تفسیر، احادیث، علم کلام، اسماء الرجال، طب اور کیمیا پر ان کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ بڑے بڑے علماء و صوفیاء ان سے فیض حاصل کیا کرتے تھے، اسی کے دوش بدوش وہ اسقدر متقی بھی تھے کہ ان کی ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں ہوتی تھی، اور سحری کے بغیر ہمیشہ تیسوں روزے رکھا کرتے تھے"۔ (یادوں کی برات ص ۶۱۵)

مہذبؔ لکھنوی اور عشرتؔ دھولپوری نے انھیں "حنفی المذہب" لکھا ہے لیکن جوشؔ ملیح آبادی لکھتے ہیں:

> "وہ سُنّی سے شیعہ ہوگئے تھے، تعزیہ داری، مرثیہ گوئی اور عزاداری میں اُن کو بے حد غلو تھا، عمر کے آخری حصے میں وہ صوفی ہوگئے تھے، اور ہندوستان بھر کے عرسوں میں بڑے خشوع و خلوص کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے"۔ (یادوں کی بارات ص ۶۱۵)

رستم علی خاں سپہر کی وضع قطع کے سلسلے میں جوش ملیح آبادی لکھتے ہیں:

"ان کے سر پر پٹے اور منہ پر گھنی داڑھی تھی، جسے کبھی ایک بار بھی نہیں منڈایا تھا"۔ (یادوں کی بارات ص ۶۱۵)

لکھنؤ کے علماء سے رستم علی خاں کے گہرے مراسم تھے، جوش ملیح آبادی لکھتے ہیں:

"لکھنؤ کا ذکر ہے، ایک بار میں (مولانا) سید نجم الحسن صاحب قبلہ (نجم الملت) کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک منی آرڈر آیا پانچ سو روپے کا، روپیہ گن کر قبلہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ، یہ منی آرڈر آپ کے ماموں صاحب نے بھیجا ہے، کوئی پندرہ روز ہوئے کہ وہ لکھنؤ تشریف لائے تھے اور مجھ سے فرمایا تھا کہ ان کی جیب کٹ گئی ہے، میں ان کو دو سو روپے بطور قرض دیدوں، چنانچہ یہ منی آرڈر اسی سلسلے میں آیا ہے لیکن دو سو روپے کے عوض انھوں نے پانچ سو بھیج دیے ہیں، میں یہ روپیہ واپس کر دوں گا، میں نے کہا آج رات کو میں دھولپور جا رہا ہوں، انھوں (نجم الملت) نے ماموں (سپہر) کے نام خط لکھ کر دو تین سو روپے میرے حوالے کر دیے"۔ (یادوں کی برات ص ۶۱۹)

سپہر کو علم دین اور ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ انھوں نے ایک "مثنوی فلاح عقبی المعروف بہ منظومہ" تصنیف کی تھی۔ اس مثنوی میں فروع دین واصول دین اور فقہی مسائل منظوم کئے گئے ہیں۔ یہ مثنوی عظمت المطابع الہ آباد سے شائع ہو چکی ہے۔

رستم علی خاں سپہر کے چار مرثیے میری نظر سے گزرے ہیں:

۱۔ کیا سر فروش فوج خدا کے دلیر ہیں (بند ۱۶۳)۔ در حال پسران حضرت زینب

یہ مرثیہ بخط علی میاں کامل ہمارے پاس موجود ہے اور کامل کے ذخیرۂ مراثی سے دستیاب ہوا ہے۔ اس مرثیے کو دیکھنے کے بعد مزید تقویت ہوئی کہ سپہر علی میاں کامل کے شاگرد تھے۔ اکبر امروہوی نے بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے "سپہر بزم اکبر آبادی کے شاگرد تھے"۔ (سہ ماہی اردو کراچی شمارہ ۲۵،۶ ۱۹۷ء ص ۱۹۵)

۲۔ جب وارد صحرائے مصیبت ہوئے شبیرؑ (بند ۸۴)۔ یہ مرثیہ بخط نجم آفندی (آگرہ) ہمارے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہے۔

۳۔ تحسین کو حق معانی مرے بیاں سے ملا (بند ۱۸۴)۔ (ذخیرہ واجد علی گڑھ یونیورسٹی)۔

۴۔ مطلع ہے ایک ذہن رسا تیرین کا (ذخیرۂ مراثی محمد رشید صاحب لکھنؤ)۔

سپہرؔ کے یہ مرثیے اب تک شائع نہیں ہوئے ہیں۔ ان کے دو مرثیے ہمارے پاس موجود ہیں اور غیر مطبوعہ ہیں۔ دونوں مرثیوں کا انتخاب پیش خدمت ہے۔ سپہرؔ کا مرثیہ "جب وارد صحرائے مصیبت ہوئے شبیرؑ" حضرت عباس علیہ السلام کی مدح و توصیف سے شروع ہوتا ہے اور مصائب کے بیان میں ہندہ زوجہ یزید کی قید خانے میں آمد پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت عباسؑ کی مدح

نعمت بھی یہ حق ہے کہ عام ان کا ہے انعام بھوکوں کو کھلاتے ہیں یہی دعوت اسلام
ہر منزل سخاوت سے یہاں کون ہے ناکام محروم کرم کون ہے جز ظلم بد انجام

یہ مہر مبیں شمسۂ ایوان ظفر ہے
اللہ کی تلوار شہ دیں کی سپر ہے

والنجم ہے یا اختر اقبال ابوالفضل والصبح کے اوّا جلوۂ اجلال ابوالفضل
والعصر ہے خود شاہد اعمال ابوالفضل والطور ہے آئینہ افضال ابوالفضل

جرأت میں بھی ہمت میں بھی خالق کے ولی تھے
ہوتی جو امامت بھی تو عباسؑ علیؑ تھے

صمصام تیغ خانۂ قدرت ہیں علمدار روح القدس سدرۂ عظمت ہیں علمدار
جبریل کا فرمان عدالت ہیں علمدار گویا ہمہ تن حق کی جلالت ہیں علمدار

جانا یہ رخ سیف خدا دیکھ کے سب نے
وہ تیغیں عطا کیں اسد اللہ کو رب نے

شہ مصحف ناطق ہیں یہ اخلاص کی صورت وہ ام کتاب اور یہ ہیں آیۂ نصرت
وہ آئینۂ حسن ہیں یہ جوہر قدرت شبیرؑ ہیں اعجاز مجسم یہ کرامت

وہ دین کے والی ہیں تو عباسؑ ولی ہیں
وہ شرع یہ ہیں وہ محمدؐ یہ علیؑ ہیں

فخریہ:

اقلیم سخن شاہ ولایت سے ملی ہے   ذرہ کو یہ ضو مہر امامت سے ملی ہے

جنت کی سند مہر نبوت سے ملی ہے   رنگین سخنی ذکر شہادت سے ملی ہے

جو کچھ ہے وہ عباسؑ دلاور کی ثنا ہے

جوہر یہ مجھے سیف الٰہی سے ملا ہے

قاآنی و حسان و فغانی، و فرزدق   جس انجمن نظم میں گویا ہوں نہ مطلق

اللہ ری تائید ولائے اسد حق   یہ بندہ ناچیز ہو اس بزم کی رونق

کیا مدح علمدار کا پھل آج ملا ہے

گلزار سخن میں گل عباسؑ کھلا ہے

لو طبع کو پھر خلعت الہام ملا ہے   پھر ولولہ سیر سر عرش علا ہے

دکھلاؤں اگر سیف زبانی تو مزا ہے   اس ہیچمداں پر نظر عین خدا ہے

اقلیم معانی و سخن زیر نگیں ہے

ہاں معجزہ ہے سحر بیانی یہ نہیں ہے

آمد:

ہاں حیدریو جوش ولا آج دکھا دو   مولا کے سوا یاد زمانے کی بھلا دو

انبار طلا بھی ہو تو ٹھوکر سے ہٹا دو   لو راہ علمدار میں آنکھوں کو بچھا دو

آمد کا سنو ذکر کہ توقیر بڑی ہو

اک شور بپا ہے کہ قیامت نہ کھڑی ہو

جب قاسمؑ ناشاد ہوئے راہی جنت   عباسؑ کو مشکل سے ملی رن کی اجازت

میداں کو چلا شیر نیستان شجاعت   قبضے میں وہ شمشیر سر دوش وہ رایت

غل تھا کہ روانہ ہے جری تیغ زنی کو

یا شیر خدا جاتے ہیں خیبر شکنی کو

اللہ رے عز و شرف چہرۂ تاباں   انجم میں ہے مہتاب کتابوں میں ہے قرآں

اس مصحف دیں میں ہے فقط آیہ ایماں   کافر کا کہیں ذکر نہیں واں ہیں مسلماں

مضموں خط رخسار کا تازہ نظر آیا
چشم سحر عید میں سرمہ نظر آیا

اب یوسف مضموں ہے عیاں مصر سخن سے　　یا شمس معانی کی ضیا برج دہن سے
دیتا ہے مہ نو یہ صدا چرخ کہن سے　　چن لے گل خورشید ستاروں کے چمن سے

لازم ہے نچھاور تجھے حیدرؑ کے خلف کی
ساعت ہے طلوع قمر بُرج شرف کی

غل ہے کہ مفران سے ہو کیا جن و بشر کو　　قبضہ نہیں، یہ تولے ہیں شمشیر نظر کو
کیا حاجت امداد ہو اس نیک سیر کو　　شانہ کی ضرورت نہیں پتلی کی سپر کو

غیظ آئے تو الٹے ابھی تقدیر بھی دل بھی
بینائی کے مانند چھپیں آنکھ کے تل بھی

افلاک سلامی کو ہوئے خم جو ادب سے　　در ہفت کواکب کے دیئے جوش طرب سے
تلوار مہ نو کو ملی ضیغم رب سے　　سورج کو ملا تاج زری مہر عرب سے

اس روز سے عریاں کوئی دل ریش کہاں ہے
شمشیر برہنہ کی ردا آب رواں ہے

یوں گر ہو بیاں آمد عباسؑ کا مضموں　　چکر میں سپہر آپ ہے گردش میں ہے گردوں
پھرتی ہے بیاباں میں ہوا صورت مجنوں　　جنبش میں ہیں کہسار تزلزل میں ہے ہامون

تیر اپنی شعاعوں کے قمر پھینک کے بھاگا
مریخ بھی سورج کی سپر پھینک کے بھاگا

سراپا:

ا چشم، لب و بینی و دنداں میں ہیں اسرار　　چشم آپ کی تھی عین تو ہے لعل گہربار
بینی ہے الف، سین بھی دنداں سے ہے اظہار　　ان حرفوں پہ قرباں ہیں غلامان علمدار

ہاں اہل نظر دیکھیں یہ مضمون نیا ہے
خود کاتب قدرت نے یہ عباسؑ لکھا ہے

بینی کی بھی تشبیہ ہے عالم سے نرالی　　سدرہ جو کہا ذہن نے یہ شاخ نکالی

دیکھا نہیں تو نے سوئے ابروئے ہلالی پر صاد کے قابل ہے یہ مضمون خیالی
بالائے جبیں مرغ نظر چڑھ نہیں سکتا
جبریل کا سدرہ سے قدم بڑھ نہیں سکتا

الہام سراپا ہے یہ مضمون سراپا ہے چشم جری صاد تو نون ابروئے زیبا
بینیِ مبارک ہے الف دیکھ لیں بینا اک جا ہوئے سب حرف تو یہ سر ہوا پیدا
صورت جو ملی تھی انھیں سلطان امم کی
حق نے نبیؐ و آلؑ پہ صلوٰۃ رقم کی

پتلی کا سیاہی کے یہ مضمون نظر آیا العیں کا سرمہ یہ قدرت نے لگایا
دس تار نگہ آنکھ کے پردہ میں چھپایا جسطرح قد احمدؐ مختار میں سایہ
ہر چند مضامیں ہیں یہ سب داد کے قابل
پر آنکھ کی تشبیہ تو ہے صاد کے قابل

یہ کل میں ہے طلعت رخ پُر نور و ضیائی یا پردۂ قدرت میں تجلّی ہے خدا کی
خم دار یہ طاعت جو قضا کی تو خطا کی تعریف شب زلف عبادت ہے عشا کی
ابرو سے قریں آنکھ ہے مضموں یہ جلی ہے
ہاں نون نبوت سے بہم عین علیؑ ہے

لو اور ابھی دفتر مضموں ہے مرے پاس کیوں رشک میں ہیں یہ حرف حریفوں کو ہے وسواس
کہتا ہے کوئی عین علمدار ہیں عباسؑ سب بولے بہشتی کہ الف ہے کہ الیاس
شاہد ہے الف ایک ہے شیدائے حسینؑ
ہے عین کا نعرہ کہ ہے سقائے حسینؑ

ہر شئ تنی ہے یہ کہا دست عطا نے طاعت کی طرح فرض کیا خمس خدا نے
قامت کو عجب اوج دیا رب علا نے سمجھے اسے احساں کا الف آل عبا نے
یوں اوج میں بالا قد بالا ہے جری کا
جس طرح کہ نعرہ دم پیکار حق کا

رجز:

اس شان سے پہنچے جو قریب سپہ شام کانپے صفت شمع سحر شامی خود کام

نعرہ کیا اے فرقۂ بدکار و بدانجام — اس خضر کو بھولے ہو جو ہے رہبر اسلام
اول کا میں عوض فوج شہ عرش نشیں کا
حافظ ہوں میں قرآن رخ سرور دیں کا

اس چشم کا بیمار ہوں خوں جس کو رلایا — اس خضر کا پیرو ہوں جسے تم نے ستایا
اس تیغ کا وار ہوں جسے تم نے نہیں پایا — تشنہ ہوں میں اس کا جسے پانی نہ پلایا
جس چرخ کو ڈھاؤ گے اسی کا میں قمر ہوں
جس باغ کو برباد کیا اس کا ثمر ہوں

یہ قبلۂ ایماں ہے رخ اس سے نہ پھراؤ — یہ شمع ہدایت ہے دل اس کا نہ جلاؤ
یہ عین عدالت ہے نظر سے نہ گراؤ — یہ رکن امامت ہے ستم اس پہ نہ ڈھاؤ
وارث ہیں یہ اس کے جو شہ عقدہ کشا ہیں
اللہ کے بندے ہیں نصیری کے خدا ہیں

گلگون بہار چمن قدرت داور — شمع حرم شرع نبیؐ ساقی کوثر
جز شاہ رسل افضل کل ہے یہ غضنفر — فرشی ہوں کہ عرشی ہوں ولی ہوں کہ پیمبر
معراج کو فخر اوج پہ بخشش پہ عطا کو
احمدؐ کو نیابت پہ امامت پہ خدا کو

جنگ:

یہ کہتا تھا غازی جو بڑھی فوج جفاکار — خورشید صفت تیغ سے تھرائے علمدار
کھینچا کیا رخش کو لی میان سے تلوار — اک شور ہوا ان پہ چڑھے حیدر کرار
ہر جسم سیہ شام کو لشکر نظر آیا
خورشید قیامت کو بھی محشر نظر آیا

یا غمد سے برآمد ہوئی شمشیر علمدار — یا مہر قیامت ہوا مشرق سے ضیا بار
یا راز الٰہی کا ہوا غیب سے اظہار — یا طور تجلی سے عیاں جلوۂ غفار
آئی یہ صدا موسیٰ اعجاز نما کی
وہ نخل سے پیدا ہوئی آواز خدا کی

جرّار نے آغاز جو کی رن میں لڑائی   الحمد بھی خود فاتحہ پڑھتی ہوئی آئی
بسم اللہ بھی بسمل ہوئی وہ شان دکھائی   کی سورۂ صف پڑھ کے ہر اک صف کی صفائی
در آتی ہے ہر دل میں وہ نیت کی طرح سے
جھکتی تھی لڑائی میں وہ رکعت کی طرح سے

خشکیدہ زبانیں تھیں سنانوں سے زیادہ   ہلچل تھی مکینوں میں مکانوں سے زیادہ
سر دوش پہ بھاری ہوئے جانوں سے زیادہ   تھی حرص طلا دل میں خزانوں سے زیادہ
شمشیر شرر بار نے کی جانچ نہ کس کی
گردوں پہ زر مہر تپا آنچ سے اس کی

حواشی :

۱۔ یادوں کی برات۔ جوشؔ ملیح آبادی۔
۲۔ یادوں کی برات۔ جوشؔ ملیح آبادی۔
۳۔ معیار کامل ص ۱۵۔ مہذب لکھنوی۔
۴۔ یادوں کی برات۔ جوشؔ ملیح آبادی۔
۵۔ شانِ وفا ص ۷۔ تالیف قیصر دھولپوری۔ مطبع صادق پریس لکھنؤ ۱۹۳۰ء۔

امروہے کا ایک قدیم مرثیہ نگار

زمآں امروہوی

سید محمد زماں، زمآں امروہوی، ساکن امروہہ، یہ صاحب اوصاف شخص اور مصحفی کے شناسا تھے،ان کو انتقال کئے ہوئے کچھ عرصہ ہوا۔

(یادگار شعرا از اسپرنگر)

سید محمد زماں، زمآں امروہوی، امروہے کے سادات گھرانے سے تھے تذکروں میں ان کے عالی شان خاندان کی تعریف لکھی ہے۔ وہ فارسی میں شعر کہتے تھے، بعد میں اردو میں بھی شعر کہنے لگے تھے۔ اُن کا کلام پختہ اور سنجیدہ ہوتا تھا، مصحفی کی ملاقات جوانی میں ہوئی تھی۔ وہ مصحفی کے دوست بن گئے، تعلقات دنیا کو چھوڑ کر فقیری اختیار کی تھی۔ تذکروں میں غزل کے دو شعر ملتے ہیں۔

عارض ہے گل کا خوب ولیکن جھلک نہیں
نرگس کی چشم ہے یہ کٹیلی پلک نہیں

دل تجھ سے جدا ہو کر زلفوں کے پڑا بس میں
اب کیوں نہ پریشاں ہو ہر ملّطے وہ ہر رگے

یادگار شعرا از اسپرنگر، مجموعہ نغز از قدرت اللہ قاسم، طبقات الشعرا، عمدہ منتخبہ از اعظم الدولہ سرور، تذکرہ ہندی از مصحفی، بحن شعرا از نساخ، مندرجہ بالا تذکروں میں زمآں امروہوی کے حالات

درج ہیں۔

عظیم امروہوی نے ''مرثیہ نگارانِ امروہہ'' میں اُن کی مرثیہ نگاری کا ذکر نہیں کیا۔

ہمارے کتب خانے میں ایک قلمی بیاض میں اُن کا مرثیہ موجود ہے۔ مرثیہ مربع ہے:-

مرثیہ

کچھ خوف ترا دل میں وہ ملعون نہ لائے
اونٹوں پہ حرم شامیوں نے ہائے چڑھائے
غیرت سے ہر ایک ہاتھوں سے ہے منھ کو چھپائے
کونین میں افسوس جو ہے صاحب تکریم

یہ ظلم و علاوہ ہوا از قوم جفا کار
سربان کیا اونٹوں کا اس کو جو ہے بیمار
طے راہ بصد رنج وہ کرتا ہے دل افگار
جبریل کو دادا نے کیا جس کے ہے تعلیم

ہے تپ میں نقاہت سے نہیں پاؤں میں قوت
چل سکتا نہیں چلنے کی ہے اس پہ اذیت
ہوتا ہے یہ اس شخص کا اب پیاسا بہ شدت
جو شربت کوثر کرے ہر ایک کو تقسیم

کر مختصر اب طول یہاں دے نہ سخن کو
رکھ یاد زماں درد و غم شاہ زمن کو
دے دل میں جگہ اپنے صدا رنج و محن کو
تاخیر نہ کر اس کا ہے اقدام بہ تقدیم

☆

مشتاق مصطفےٰ آبادی کی مرثیہ نگاری

۱۹۸۲ء میں ہم لکھنؤ میں تھے مجالس کا سلسلہ جاری تھا "روضۂ زینبیہ" تالاب ٹکیٹ رائے میں ہماری تقریر تھی۔ مجلس میں پروفیسر سید نجم الدین نقوی (ہمارے سید چچا) اپنے صاحبزادے سید قمر رضا سلمہٗ کے ساتھ تشریف لائے۔ تقریر سن کر بے انتہا تعریف کی اور دوسرے دن کھانے کی دعوت دی۔ ہم دوسرے دن اُن کی دعوت پر اُن کے گھر پہنچے، کھانے کے بعد انھوں نے اپنے والد مشتاق مصطفےٰ آبادی کے حالات زندگی لکھوائے، اُن کے قلمبند کروائے مضمون کو بعینہٖ ہم تبرکاً یہاں شائع کر رہے ہیں۔

سید مصحف حسین مرحوم کا تخلص مشتاق تھا اُن کا انتقال اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ہوا۔ ان کے چچازاد بھائی پروفیسر سید ضامن علی مرحوم سابق صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی کے گھر پر ہوا۔ جہاں وہ بغرض علاج گئے ہوئے تھے۔ پروفیسر ان کی لاش بذریعہ ریل مصطفےٰ آباد لائے۔ اور حسب وصیت مشتاق مرحوم مکین امام باڑہ موسوم دیوان خانہ میں منبر کے قریب دفن ہوئے۔

ضامن صاحب نے تاریخ کہی۔

"آسمانِ شعر شد زیر زمین"

عرفان الحق عرفان مصطفےٰ آبادی نے ایک طویل نظم کہی۔ جس کا مادۂ تاریخ ہے

"گلشن جنت میں ہیں مصحف حسین"

انتقال کے وقت مشتاق کی عمر ۸۲ برس کی تھی اس طرح سن ولادت ۱۸۶۳ء قرار پاتا ہے۔
مشتاق کے والد ماجد کا اسم گرامی سید مظہر حسن تھا جو مصطفےٰ آباد کے بہت بڑے تعلقہ دار تھے
مشتاق ان کے اکلوتے فرزند تھے۔

مشتاق کے حقیقی چچا اور مولوی مظہر حسن کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمد مہدی ادیب مرحوم نے محلہ حیدر گنج قدیم لکھنؤ کو اپنا مستقل مستقر بنایا تھا۔ ان کا انتقال ۱۳۱۷ھ میں ہوا مرنے سے کچھ دن قبل وہ مصطفےٰ آباد چلے گئے تھے اور وہیں دفن ہوئے تھے۔ مولانا سبط حسن مرحوم نے فارسی میں ایک قطع تاریخ کہا اور مادۂ تاریخ اس مصرع سے نکالا۔

نہاں گشتہ زیر زمیں آسمانے

یہ قطعہ آج بھی ان کی قبر پر کندہ ہے جو ان کے بڑے بھائی مولوی مظہر حسن کی قبر سے متصل ہے۔ چھوٹے بھائی کا انتقال بڑے بھائی سے پہلے ہوا۔

مشتاق مرحوم اپنے چچا مولوی محمد مہدی کو بہت عزیز تھے اس لیے اُن کا بچپن اور جوانی کا خاصہ حصہ لکھنؤ ہی میں چچا کی تعلیم و تربیت میں گزرا۔ انیسویں صدی کا لکھنؤ افضل روزگار علماء تھا۔ اس وقت مولانا سید حامد حسین صاحب مصنف "عبقات الانوار"۔ مفتی میر محمد عباس صاحب اور خاندان اجتہاد کے دیگر علماء نیز خاندان فرنگی محل کے عالم مذہب و شریعت علم و ادب کی ترویج اور تبلیغ میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔

مولوی محمد مہدی صاحب ادیب نے اپنی پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد مولوی حامد حسین صاحب کی صاحبزادی سے دوسرا عقد کیا۔ جو عربی اور فارسی میں منتہی تھیں۔

اتنی لائق اور فائق اہلیہ کے آنے پر مولوی محمد مہدی نے عربی ادب پڑھنے کی جانب توجہ کی

اور اپنے خسر مظہر اور مفتی میر محمد عباس سے عربی ادب میں ایسی تعلیم حاصل کی کہ وہ ادیب کہلائے، مولوی سید حسن صاحب جیسا شاگرد پیدا کیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلما کے والد سے مولانا عبدالحی نزہت "الخواطر" کے حوالے سے آٹھ جلدوں میں ہندوستان کے عالموں اور ادیبوں کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ اس میں مولوی محمد مہدی اور اُن کے بڑے بھائی مولوی مظہر حسن کا ذکر بھی موجود ہے۔ مفتی محمد عباس کا یہ جملہ بھی ہے کہ مولوی محمد مہدی میرے ترکش کا سب سے مضبوط تیر ہے"۔ (القلم شمارہ ۳ میں محمد مہدی ادیب پر تفصیلی مضمون شائع کیا جا چکا ہے)۔

یہ علمی اور ادبی ماحول تھا جس میں مشتاق مرحوم نے آنکھ کھولی اور تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں۔

محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڑھ کے جید عالم سید علی میاں کامل جو کامل لکھنوی کے نام سے مشہور تھے لکھنؤ میں رہنے لگے تھے۔

مشتاق مرحوم نے جب شعر شاعری میں دلچسپی ظاہر کی تو شفیق چچا نے انھیں کامل کے سپرد کر دیا۔ جن سے وہ اپنے کلام پر اصلاح لیتے رہے اور بہت جلد استاد نے انھیں فارغ الاصلاح قرار دے دیا۔ مشتاق کا سارا خاندان شاعر تھا۔ ان کے والد مظہر حسن مرحوم اردو، فارسی اور عربی کے شاعر تھے۔ ان کے چچا محمد مہدی مرحوم تو عربی زبان کے ادیب تھے جن کا سکہ اس عہد میں چل رہا تھا۔ ۲۹ برس کی عمر میں عربی زبان کے ماہر اور شاعر مان لئے گئے تھے۔ ان کے عربی خطوط اور قصائد کا مجموعہ "کواکب دریہ" ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا۔ ان کے عربی قصائد کو پڑھ کر رامپور کے ایک فاضل اور امیر مینائی کے پوتے مولوی منہاج الدین نے ان قصائد کو پڑھ کر لکھا تھا کہ امراءالقیس کے قصیدوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

تفسیر قرآن لکھ رہے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ علم کلام میں ان کی کتاب "قواضب الاسیاف" اور علم اخلاق میں "صراط مستقیم" کے نام سے شائع ہوئیں ہیں۔

مولوی مظہر کا انتقال ۱۹۰۱ء میں ہوا۔

مشتاق کے دادا میر نوروز علی بھی اردو کے اچھے شاعر تھے۔ اور رودکی میں اچھے شعر کہتے تھے

اور کالی داس کے ''میگھ دوت'' کے انداز پر ایک نظم لکھی تھی جس میں ایک فرضی محبوب نے اپنے عاشق کو خط لکھا تھا۔ اور ہجر کی تنہائیوں سے مجبور ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا اس خط کا ایک مصرع یہ تھا۔

جن نینن بار پڑے نہ بھووں
ان نینن آج پہاڑ پڑے

والد کے انتقال کے بعد مشتاق مرحوم کو اپنی کثیر جائداد کی دیکھ ریکھ کے لئے مصطفےٰ آباد میں مستقل قیام کرنا پڑا لیکن لائق تعظیم لکھنویت کے ایسے دلدادہ تھے کہ سال میں دو چار بار لکھنؤ ضرور آتے تھے خاص طور سے ماہ رجب کے آخری ۱۵ دن اور شعبان کے پہلے ہفتے تک یہیں گزارتے تھے رجب کی ۲۵ ویں مشہور تھی جس تاریخ کو میر انیسؔ اور مرزا دبیر اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھا کرتے تھے اور ان کے بعد اس روایت کو ان کے اخلاف میر نفیسؔ، مرزا اوجؔ، دولہا صاحب عروجؔ اور مرزا رفیع طاہر وغیرہ نے برقرار رکھا ان مجالس میں ضرور شرکت کرتے تھے اور تیسری شعبان کو اپنے چچا زاد بھائی سید محمد آغا مرحوم کے گھر پر امام حسینؑ کی ولادت کے موقع پر جو محفل قصائد ہوتی تھی اس میں نو تصنیف قصیدہ بھی پڑھتے تھے۔ اس محفل میں لکھنؤ کے چوٹی کے شعرا شرکت کرتے تھے۔

مشتاقؔ مرحوم کو میر انیسؔ کی شاعری سے بہت دلچسپی تھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ انیسیے تھے اور اس وجہ سے ان کے وطن میں جو مجلسیں ہوتی تھیں ان میں صرف مراثی انیسؔ پڑھے جاتے تھے۔ کلام انیسؔ سے یہ دلچسپی مصطفےٰ آباد کی خواتین میں آج بھی باقی ہے۔

آج سے کچھ برس پیشتر ایسی بھی خاتون محترم تھیں (چھدا بی بی) جنھوں نے ایک مجلس میں خاندانی ذاکر کو جس نے مرزا دبیرؔ کا مرثیہ شروع کیا تھا یہ کہہ کر روک دیا کہ تم سے مرزا دبیر کا مرثیہ پڑھنے کو کس نے کہا تھا۔ مشتاقؔ مرحوم نے اپنے بیٹے سید رضی الدین نجمؔ کو انیسؔ کے پوتے دولہا صاحب عروجؔ کا مرثیہ خوانی میں شاگرد کرایا دولہا صاحب کو نجمؔ مرحوم بے حد عزیز تھے۔ وہ ۱۹۱۵ء میں نجمؔ مرحوم کی شادی میں شریک ہوئے۔ عقد کے بعد مجلس بھی پڑھی۔ نجمؔ نے کئی بار اکرام اللہ

خاں کے امام باڑے میں اپنے استاد کی پیش خوانی بھی کی تھی۔ مشتاق مرحوم ہر سال ایک نیا مرثیہ کہتے تھے اور دیوان خانے میں پڑھتے تھے۔ لکھنؤ اور آس پاس کی بستیوں سے عمائدین کو مدعو کرتے تھے اور اس مجمع میں رضی میاں مرثیہ پڑھتے تھے۔

مشتاق مرحوم کو ہر صنف سخن سے دلچسپی تھی۔ رباعی، سلام، قصیدہ، مرثیہ اور غزلیں کثرت سے کہی ہیں۔

مرثیوں کی جلد اُن کی زندگی میں شائع ہوئی تھی۔ ۲۵،۳۰ مرثیے تھے۔

ان کے قصائد کا مجموعہ میرے پاس تھا۔ میں نے حفاظت کی غرض سے رضا لائبریری رامپور میں اسے محفوظ کروا دیا تھا۔

ان کی ایک رباعی ؎

گو ہم تو علی کو رہنما کہتے ہیں
پر دیکھو نصیری انھیں کیا کہتے ہیں
مشرک تو ضرور ہیں یہ مجنون نہیں
کچھ تو سمجھے ہیں جو خدا کہتے ہیں

سید رضی میاں نجم بھی اچھے شاعر تھے۔ اُن کے ایک مرثیے کا ایک مطلع ہے۔

"پھر زباں مائل اعجاز بیانی ہے آج"

مرثیہ گوئی میں وہ مشتاق کے شاگرد تھے۔

مشتاق مرحوم ادبیات میں بہت دلچسپی رکھتے تھے ان کا مشغلہ شعر و شاعری اور دینی مراسم کی بجا آوری تھا۔ اس کے علاوہ عزیزوں کی کفالت بھی انھیں بہت عزیز تھی وہ پوری زندگی اپنے دسترخوان پر تنہا نہیں بیٹھے۔ انھوں نے بہت سے باغ امرود اور آم کے لگائے تھے۔ اسی کے پھل فصل پر تقسیم کرتے تھے۔

پروفیسر شاہ حسن علی کے بڑے بھائی حامد علی مشتاق کے شاعری میں شاگرد تھے۔

مصطفٰی آباد کے شاعر جو اب ۸۲ سال کے ہیں عرفان بھی مشتاق کے شاگرد ہیں۔

مصطفےٰ آباد گردیزیوں کی بستی ہے وہاں سادات نقوی آباد ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ شہاب الدین گردیزی تھے جو کئی صدی پہلے گردیز سے ہندوستان آئے اور مانکپور ضلع پرتاب گڑھ کو مستقر بنایا۔ وہاں کے راجہ مانک چند کو مغلوب کر کے پانچ بستیاں بسائیں۔ مانکپور، بازید پور، مصطفےٰ آباد، رسول پور اور اونچا گاؤں، بازید پور میں اب سادات کی بستی نہیں رہی بقیہ چار بستیوں میں سادات اب بھی باقی ہیں۔

ان بستیوں میں سیکڑوں زمیندار تھے۔ خاندان انیس کی مشہور و معروف ہستیاں یہاں کی بار آئیں۔ نفیس، عارف، پیارے صاحب رشید، دولھا صاحب عروج خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

میر نفیس، مصطفےٰ آباد کے مشہور رئیس سید دیانت حسین کی شادی میں مصطفےٰ آباد آئے تھے۔ رائے بریلی تک ٹرین سے آئے۔ رائے بریلی سے مصطفےٰ آباد تک میر نفیس اور عارف نے اور دولھا صاحب نے پالکی پر سفر کیا اور مصطفےٰ آباد کے قیام میں مصطفےٰ آباد کی مشہور مہمان داری سے خوش ہو کے واپس گئے۔

مشتاق مرحوم کی متعدد اولادیں ہوئیں مجموعی تعداد ۱۲ بتائی جاتی ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے سید مرتضیٰ، پھر سید رضی، پھر سید عباس حسین پھر سید نجم الدین۔ سید مرتضیٰ اور سید رضی اپنے دادا کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ دادا نے ان دونوں پوتوں کا نام مشہور عالم سید مرتضیٰ اور سید رضی کے نام پر رکھا اور چاہتے تھے کہ ان دونوں کو عالم دین بنائیں اس لیے دونوں کو ناظمیہ میں بھیجا تھا ۱۹۰۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا سید مرتضیٰ عرف نخن میاں ۱۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے (۱۹۱۰ء) اتنی مختصر عمر میں انہوں نے مدرسہ ناظمیہ سے عربی دینیات میں فراغت حاصل کر لی تھی۔ رضی مرحوم نے بھی مدرسہ میں عربی پڑھی تھی لیکن زمینداری کا کام دیکھنے مصطفےٰ آباد آ گئے تھے اور نومبر ۱۹۶۶ء میں ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ان سے چھوٹے بھائی عباس حسین بھی شعر کہتے ہیں۔ ۷۹ سال کی عمر ہے۔

نجم الدین کی عمر ۶۶ سال کی ہے اور وہ جون ۱۹۷۸ء میں صدر شعبہ اردو گورنمنٹ رضا کالج

رامپور کی حیثیت سے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوکر لکھنؤ میں مقیم ہیں۔

مشتاق مرحوم کی پہلی اولاد ذکیہ بیگم تھیں جو مصطفےٰ آباد میں ہی سید محمد جواد نقوی سے منسوب تھیں۔ جوانی میں انتقال کر گئیں ان سے تین فرزند سید سراج حسین نقوی، سید زین العباد نقوی، سید امجاد نقوی پیدا ہوئے تھے۔ سراج حسین نے لکھنؤ یونیورسٹی سے فزکس میں ایم ایس سی کیا اور فرسٹ کلاس فرسٹ کا مقام حاصل کیا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ صدر شعبہ فزکس کی حیثیت سے بمبئی کے ایک کالج میں مقرر ہوئے۔ جہاں ۱۹۶۱ء تک پروفیسر رہے اب بمبئی میں رہتے ہیں۔

سید زین العباد نقوی زیالوجی میں ایم ایس سی ہیں۔ اب کراچی میں رہتے ہیں۔

امجاد نقوی کا انتقال کراچی میں ہوا۔ یہ کیمسٹری میں ایم ایس سی تھے۔

(سید نجم الدین نقوی کا بیان یہاں پر ختم ہوا، جسے میں نے قلمبند کیا تھا، راقم:۔ ضمیر اختر نقوی)

مشتاق مصطفےٰ آبادی کے چھ مرثیے سید اعجاز حسین دہلوی کے ذخیرے سے ہم کو دستیاب ہوئے۔ یہ مرثیے مشتاق مصطفےٰ آبادی کے نواسے پروفیسر سید زین العباد نقوی مرحوم کی فرمائش پر ہم نے انھیں دے دیئے تھے وہ شائع کرنا چاہتے تھے لیکن یہ مرثیے شائع نہ ہو سکے۔

	مرثیے	بند	درحال
۱۔	آمد ہے کس دلیر کی دشتِ قتال میں	۱۷۳	حضرت عباسؑ
۲۔	اے قلم تیزیٔ تیغ دو زباں دکھلا دے	۱۲۸	امام حسینؑ
۳۔	اے کلک رقم مدح کی وادی میں گزر کر	۱۲۹	// //
۴۔	کیا رتبۂ بازوئے رسول دوسرا ہے	۱۷۴	حضرت عباسؑ
۵۔	دشت آفت میں جو صبح شب عاشور ہوئی	۱۴۳	حضرت قاسمؑ
۶۔	یا سبط نبیؐ لطف زباں دیجئے مجھ کو	۱۵۳	// //

مشتاق مصطفےٰ آبادی کے حالات زندگی اور مرثیہ نگاری پر تفصیلی مقالہ میری کتاب ''تاریخ سادات مصطفےٰ آباد'' میں شامل ہے۔ یہاں ان کے مرثیوں سے انتخاب اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ درج کیا جاتا ہے۔

بہارِ صبح :-

نور سے صبح کے ہر دشت تھا دشت ایمن   تھا ہر اک غنچہ و گل صورت نجم روشن
طائران چمن دہر نے چھوڑا مسکن   ہوگیا اور ہی کچھ رنگ میان گلشن
عندلیبوں کی صدا سینوں میں دل ملنے لگی
غنچے کھلنے لگے باد سحری چلنے لگی

غول بالائے شجر طائروں کے وہ ہر جا   تھا کوئی زمزمہ سنج اور کوئی نغمہ سرا
بلبلوں کی وہ کسی جا پہ خوش آئندہ صدا   وہ بہار گل تر اور وہ باغوں کی فضا
کرتے تھے دل کو خنک باد صبا کے جھونکے
فرحت قلب کا باعث تھے ہوا کے جھونکے

شاہدان چمن آراستہ تھے مثل پری   ڈالیاں سب صفت شاخ تمنا تھیں ہری
حسن رفتار دکھاتی تھی کہیں کبک دری   پاؤں رکھتی تھی زمیں پہ نہ نسیم سحری
زلف سنبل کی تھی گلزار میں بل کھائی ہوئی
باغ میں باد صبا پھرتی تھی اترائی ہوئی

نوجوانان چمن اپنی دکھاتے تھے پھبن   نخل ہر اک تھا دلہا پھول میں جس طرح دلہن
تھا نئے طرح کا ہر شاہد گل پر جوبن   صحن گلزار بھی پھیلائے ہوئے تھا دامن
بو سے پھولوں کی ہر اک شے ہوئی جاتی تھی
باغ کی خاک سے بھی عطر کی بو آتی تھی

وہ جمال گل سوسن وہ بہار سنبل   قابل دید تھا گلزار میں حال بلبل
وہ لب شاہد خوشرو وہ حسیں کی کاکل   روح سے تازہ ہوئی تن میں جو بو آئی گل
گر کبھی گل کی طرف تیز ہوا آتی تھی
دل بلبل کے دھڑکنے کی صدا آتی تھی

اصحابِ امام حسینؑ کی مدح :-

عاشقِ صادق و لختِ جگر و جانِ علیؑ　　سب تھے پروانۂ شمعِ لحدِ پاکِ نبیؐ
لائقِ صحبتِ محبوبِ خدائے ازلی　　ناتواں تھے مگر اسلام انہی سے تھا قوی
رونقِ دینِ خدائے دوسرا اُن سے ہے
آج تک خلق میں ایماں کی بقا ان سے ہے

سب کے سب عاشقِ اولادِ پیمبر ان میں　　ایک اک راہ روِ جادۂ حیدرؑ اُن میں
افضل ایک ایک سے ایک ایک سے بہتر ان میں　　تھا ہر اک ثانئِ اولادِ پیمبرؐ ان میں
خلق اب تک نہ ہوئے دہر میں جرّار ایسے
کب محمدؐ کو ملے یار وفادار ایسے

تلوار :-

فوجِ اشرار پہ شمشیر وہ بجلی چمکی　　یا کہ برقِ غضبِ خالقِ اکبر چمکی
صف سے باہر کبھی چمکی کبھی اندر چمکی　　زیرِ توسن کبھی چمکی کبھی سر پہ چمکی
تیز رو اس سے زیادہ بھی نہ دیکھا کوئی
کب گئی اور کب آئی یہ نہ سمجھا کوئی

کبھی پہلو کبھی سینہ کبھی سر کاٹتی تھی　　تن کے اندر کبھی دل گاہ جگر کاٹتی تھی
رشتۂ جاں ہر اک بانئِ شر کاٹتی تھی　　صورتِ تارِ نفس تارِ نظر کاٹتی تھی
رو برو موت کے پیغام دیئے ہیں اس نے
سیکڑوں رشتۂ جاں قطع کئے ہیں اس نے

باوجود برق نہیں تیغِ صفاہانی ایسی　　کبھی دریا نے بھی دیکھی نہ روانی ایسی

گرم تھا دشتِ وغا شعلہ فشانی ایسی　　　چیل تن دب گئے ضربت میں گرانی ایسی
سکتے اس ضرب کے مابین جہاں بیٹھے ہیں
خوف سے اپنی جگہ کوہ گراں بیٹھے ہیں

گرمی:-

کرۂ نار کے ہر سو تھے نمایاں آثار　　　خود بخود جلتے تھے جنگل میں تھے جتنے خس و خار
سرخ تھا فرطِ حرارت سے جو اٹھتا تھا غبار　　　دور سے صورتِ گلخن تھے نمایاں کہسار
ہر حباب لبِ جو صورتِ تبخالہ تھا
جو بگولہ تھا وہ اک شعلۂ جوالہ تھا

نخل ہر ایک گلستاں میں تھا مانندِ چنار　　　غنچے بھی کرتے تھے گلزار میں آتش ہر بار
حوض حمام کے تھے یا کہ زمانہ کے بحار　　　یہ حرارت تھی کہ دریا سے بھی اٹھتا تھا غبار
سوز گرمی کے سبب لالہ کے ہر داغ میں تھا
دودِ آہ جگری سرد ہر اک باغ میں تھا

شجرِ طور کے مانند تھے نخلِ گل تر　　　قطرے شبنم کے حرارت سے تھے مثلِ اخگر
مضطرب شدتِ گرما سے تھا ہر جن و بشر　　　گرم تھی بادِ صبا صورتِ بادِ صرصر
بال سنبل کے حرارت سے جو بل کھاتے تھے
غنچۂ گل بھی ہوا پانی سے مرجھاتے تھے

جناب سید سجادؑ سے امام حسینؑ کی رخصت:-

درد دل لاکھ بڑھے اشک بہانا نہ کبھی　　　ہوکے بے تاب و تواں غیض میں آنا نہ کبھی
بد دعا کے لیے ہاتھوں کو اُٹھانا نہ کبھی　　　تا زباں حرفِ شکایت کا بھی لانا نہ کبھی
صبر سے بارِ مصیبت کو اُٹھانا بیٹا

اپنے دادا کا چلن بھول نہ جانا بیٹا

اب نہ آنے کا یہ بیکس یہ مسافر بیٹا — تم سے کہتا ہوں یہ پھر کلمۂ آخر بیٹا
رہنا ہر دکھ میں سدا صابر و شاکر بیٹا — لو بس اب جاؤ خدا حافظ و ناصر بیٹا

تم کو اک عمر ہے رونا پدرِ بے سر پہ
جاکے کچھ دیر کو آرام کرو بستر پہ

سن کے حضرت کا سخن کہنے لگا وہ ذیجاہ — جو کہا آپ نے ہوگا وہی انشاء اللہ
کچھ نہیں غم جو مصائب ہیں مرے پیش نگاہ — مددِ خالق اکبر ہے مری پشت و پناہ

ہاں وہ شوق طلب راہ رضا دے گا مجھے
ہر جگہ صبر کی توفیق خدا دے گا مجھے

گھوڑے کی تعریف:-

شور تھا اسپ سبک رو کی روانی دیکھو — سامنے آتا ہے بہتا ہوا پانی دیکھو
نعل سے ہوتی ہے کیا شعلہ فشانی دیکھو — ہر قدم جوش تیغ صفہانی دیکھو

رخش ہے یا غضب حضرت باری گویا
پاؤں چلتے ہیں کہ چلتی ہے کٹاری گویا

فرس تیز تھا یا قدرت خالق تھا — فوج پر آمد رہوار تھی مانند صبا
برق کی کوندگی رن میں یہ جس سمت پھرا — مرغ ہوش اڑ گئے جب صورت شہباز اڑا

جست میں دے نہ سکے ساتھ چھلاوا اس کا
گردش طالع کفار تھا کاوا اس کا

یوں کی جست کہ دو عالم کو ہلایا — تیز ایسا جسے پا نہ سکے دھوپ میں سایا
یہ نہ بلند آج ہوا اس رخش کا پایا — راکب وہ جسے دوش پہ احمدؐ نے چڑھایا

کہتا تھا کہ رتبہ یہ ملا سبط نبیؐ سے
پایہ مرا بڑھ کے ہے بُراقِ نبویؐ سے

امام حسینؑ کا رجز :-

خوف سے ظلم شعاروں کے نہ تھے ہوش بجا ۔۔۔ ناگہاں رن میں رجز خواں ہوئے سلطان ہدا
دی صدا میں ہوں جگر بند شہ عقدہ کشا ۔۔۔ میرے نانا ہیں رسول عربی خیر ورا
وہ نہ ہوتے تو نہ ہوتے کبھی آدم پیدا
اُن کی خاطر سے کئے حق نے دو عالم پیدا

ہے زمانہ میں جو آدم کا شرف وہ احمدؐ ۔۔۔ جو کہ ہے فخر رسولانِ سلف وہ احمدؐ
جو رہِ حق میں رہا فرق بکف وہ احمدؐ ۔۔۔ جس کا بازو ہے شہنشاہ نجف وہ احمدؐ
اور یہ بعد نبیؐ کس نے شرف پایا ہے
ہاتھ اپنا جسے اللہ نے فرمایا ہے

جد امجد ہے ابوطالبؑ ذیشان میرا ۔۔۔ رعب جس شیر کا تھا ملک عرب میں پیدا
خوف سے جس کے لرزتا تھا ہر اک اہل جفا ۔۔۔ جو رہا حافظ محبوب خدائے دوسرا
جتنے سرکش تھے زمانہ میں وہ سب دبتے تھے
خوف سے جس کے دلیران عرب دبتے تھے

شب ہجرت :-

حکم ہجرت جو شہنشاہ دو عالم کو ہوا ۔۔۔ آئے جبریل امیں پیش رسولؐ دوسرا
عرش کی بعد درود آج یہ کہتا ہے خدا ۔۔۔ آپ کے درپئے آزار ہیں اہل ہمہ اعدا
یاں سے یثرب کی طرف رات ہی جائیں حضرت
بستر خواب پہ حیدرؑ کو سلائیں حضرت

الغرض سوئے جو بستر پہ امام دوسرا حق نے جبریل سے اُس دم بہ تفاخر یہ کہا
ہم نے میکال کو اور تم کو برادر ہے کیا تم بھی کر سکتے ہو اک دوسرے پر جان فدا؟
اصل جو امر تھا اُن دونوں نے اقرار کیا
سامنے حضرتِ معبود کے انکار کیا
اس طرح دونوں کو اُس دم ہوا حکم داور جانب حیدرؑ صفدر کرو اس وقت نظر
فرش پر سوتا ہے کس طرح سے بے خوف وخطر کس طرح اپنے شجاعت کے دکھائے جوہر
سر بکف ہو گیا خوشنودیٔ داور کے لیے
جان دینے پہ ہے موجود برادر کے لیے

ساقی نامہ:-

ساقیا بادۂ پر نور کا اک جام پلا زرد ہوں فرطِ الم سے مئے گلفام پلا
بے پئے اب نہیں آتا مجھے آرام پلا ہوگا اک جام سے کیا صبح سے تا شام پلا
خم کے خم پیتا ہوں نشہ مجھے تب آتا ہے
وہ ہے کم ظرف جو اک جام میں چھک جاتا ہے
اس سبب سے ہمیں عادت ہے سوا پینے کی کہ سخاوت میں ہے معروف ہمارا ساقی
تو بھی آگاہ ہے اس سے کہ وہ ہے کون سخی نام پاک اُس کا ہے مشہور زمانہ میں علی
جس کی ہر سمت کو دریائے کرم بہتے ہیں
وہ علی ساقیٔ کوثر جسے سب کہتے ہیں

دعا......کلام کے لیے:-

یا سبطِ نبی لطف زباں دیجئے مجھ کو بلبل بھی ہو ساکت وہ بیاں دیجئے مجھ کو

مقبولیت ہر دو جہاں دیجئے مجھ کو ‏ اٹھ کر نہ جھکے جو وہ نشاں دیجئے مجھ کو

محروم نہ اس در سے یہ ناکام ہو مولا

تا حشر رہے خلق میں وہ نام ہو مولا

حضرت کو ہے معلوم مری ہیچمدانی ‏ دشوار ہے مدحت میں مجھے زمزمہ خوانی

پر چاہے جو تو اے اسداللہ کے جانی ‏ پیدا ہو زباں میں ابھی کوثر کی روانی

آنکھوں کو سما خلد بریں کا نظر آئے

نظار کو بہتا ہوا دریا نظر آئے

☆—☆

سیّد مصحف حسین مشتاق مصطفےٰ آبادی — غیر مطبوعہ

مرثیہ

در حال حضرت قاسم علیہ السلام

دشتِ آفت میں جو صبح شبِ عاشور ہوئی (۱) نور سے صبح کے تاریکیٔ شب دور ہوئی
سارے عالم کی زمیں نور سے معمور ہوئی — روشنی چہرۂ مہتاب سے کافور ہوئی
مستعدِ قتل پہ واں فوجِ گراں ہونے لگی
اس طرف لشکرِ سرور میں اذاں ہونے لگی

نورِ صبح سے ہر دشت تھا دشتِ ایمن (۲) تھا ہر اک غنچۂ گل صورتِ انجم روشن
جو صحنِ چمن ابر نے چھوڑا مسکن — ہو گیا اور ہی کچھ رنگ میانِ گلشن
عندلیبوں کی صدا سینوں میں دل ملنے لگی
غنچے کھلنے لگے بادِ سحری چلنے لگی

غول ہا اے شجر صحراؤں کے وہ ہر جا (۳) تھی کوئی زمزمہ سنج اور کوئی نغمہ سرا
پھولوں کی وہ مہک جا بجا خوش آیندہ صدا — وہ بہارِ گلِ تر اور وہ باغوں کی فضا
کرتے تھے دل کو شگفتہ بادِ صبا کے جھونکے
فرحتِ قلب کا باعث تھے ہوا کے جھونکے

وہ جمالِ گُل سوسن وہ بہارِ سنبل (۴) یہ لبِ شاہد خوشرو وہ حسیں کی کاکل
قابلِ دید تھا گلزار میں حالِ بلبل روح بے چین ہوئی تن میں جو ٹوٹا کوئی گُل
گر کبھی گُل کی طرف تیز ہوا آتی تھی
دلِ بلبل کے دھڑکنے کی صدا آتی تھی

کی نمازِ سحری سیدِ عالم نے شروع (۵) طاعتِ حق میں وہ حضرت کا خضوع اور خشوع
کبھی دیکھے نہیں خالق کی طرف ایسے رجوع ذکرِ حق میں وہ فصاحت وہ سجود اور وہ رکوع
بندگی میں تھے شہنشاہِ ولایت گویا
تھے رسولِ عربی محوِ عبادت گویا

پائی اوراد سے حضرت نے فراغت جس دم (۶) گئے رخصت کے لیے خیمہ میں بادیدۂ نم
ساتھ تھے اکبرِ جرار بصد جاہ و حشم بھانجے تھے عقب حضرتِ سلطانِ اُمم
باندھے شمشیر و سپر قاسمِ جرار چلے
ساتھ شبیر کے عباسِ علمدار چلے

آئے اس شان سے گھر میں جو شہِ جن و بشر (۷) دیکھا بیٹھے ہیں حرم خاک پہ بادیدۂ تر
فکرِ انجام میں دل ہوگیا شہ کا مضطر بولی با دردِ والم لے کے بلائیں خواہر
بہن اس شوکت و اجلال کے قرباں بھائی
پھر گئی آنکھوں میں شانِ شہِ مرداں بھائی

رکھے اللہ صدا باغِ نبی کو آباد (۸) یا الٰہی نہ ہو اماں کی کمائی برباد
دل رہے فاطمہ زہرا کا صدا خلد میں شاد خوش و خرم رہے دنیا میں پدر کی اولاد
سب نہ قیدِ مصیبت سے رہائی پائے
لشکرِ شام پہ نصرت مرا بھائی پائے

سن کے زینب کا سخن روئے شہِ جن و بشر (۹) بولے یوں حضرتِ عباس سے بادیدۂ تر
بھائی جاں دیکھتے ہو تم جو ہے حالِ خواہر ان کی باتوں نے کیا اور بھی دل کو مضطر
چین اک دم انہیں غم میں نہیں آتا بھائی
ان کا جو حال ہے دیکھا نہیں جاتا بھائی

رو کے فرمانے لگے پھر یہ بہن سے شبیرؑ (۱۰) رہتے ہیں صابر و شاکر جو ہیں خاصانِ قدیر
یاد ہیں کرتے تھے زہراؑ پہ جو کچھ ظلم شریر تم کو لازم نہیں اس طرح کی باتیں ہمشیر

دیکھ کر سب تمہیں بے تاب و تواں ہوتے ہیں
تم جو روتی ہو تو اطفال بھی سب روتے ہیں

سن کے بھائی کا سخن دخترِ حیدرؑ نے کہا (۱۱) صبر کس کس الم و غم میں کروں اے بھیا
سر سے پہلے تو اٹھا سایۂ محبوبِ خدا پھر سفر خلق سے فردوس کو اماں نے کیا

ماتمی صف پہ شہِ قلعہ شکن کو روئی
غم وہ تازہ تھا کہ پھر بھائی حسنؑ کو روئی

رو کے زینبؑ سے یہ فرمانے لگے شاہِ زمن (۱۲) ہے جگہ صدمہ و آلام کی یہ دارِ محن
غم نہ کچھ اس کا کرو دور ہے گر تم سے وطن اپنے بندے کا خدا حافظ و ناصر ہے بہن

ہونا بے تاب نہ تم جور و جفا سے خواہر
چاہئے کام تمہیں صبر و رضا سے خواہر

کبھی اعدا نے دیا فاطمہ زہراؑ کو نہ چین (۱۳) گئے روتے ہوئے دنیا سے رسول الثقلین
ہاتھ سے ان کے ہوئے قتل شہِ بدر و حنین بعد شبرؑ ہیں یہ اب مستعدِ قتلِ حسینؑ

میں نہ جب ہوں گا تو سب لوٹنے آئیں گے تمہیں
ننگے سر شام کے کوچوں میں پھرائیں گے تمہیں

صبح سے مستعدِ جنگ ہے فوجِ اعدا (۱۴) لو بہن جاتے ہیں تم سب کا نگہباں ہے خدا
کہہ کے زینبؑ سے یہ اٹھے جو شہِ کرب و بلا گریۂ آلِ محمدؐ سے ہوا حشر بپا

شہر بانو کو کنیزوں نے سنبھالا آ کر
خاک پر زینبؑ ناشاد گری غش کھا کر

ہو کے رخصت جو برآمد ہوئے خیمے سے امام (۱۵) رفقا شاہ کے سب ہو گئے خم بہرِ سلام
ہو کے گھوڑے پہ چڑھا لختِ دلِ خیر انام مہرِ انور نے کیا چرخِ چہارم پہ مقام

رن میں سرورؑ کا جو روئے قمر آرا چمکا
دشتِ پُر ہول کی قسمت کا ستارہ چمکا

یک بیک چوٹ پڑی طبل پہ گرجے بادل (۱۶) نالۂ بوق سے تھرائی زمین مقتل
نعرہ زن بڑھ کے بیاباں میں ہوئے فوج کے یل   شور قرنا کا ہوا دشت میں گونجا جنگل

اہلِ حق تل گئے لڑنے پہ ستم گاروں سے
لڑگئی آنکھ ہر اک شیر کی غداروں سے

ہو سکے کس سے بھلا ان کی شجاعت کا بیاں (۱۷) مختصر ہے یہ کہ سب ہو گئے شہ پر قرباں
نکلے بعد اُن کے عزیزانِ امامِ دو جہاں   ان کی نظروں میں سماتی نہ تھی کچھ فوجِ گراں

تھا ہر اک شیر جری جنگ پہ تیار اُن میں
کوئی حیدرؑ تھا کوئی جعفرِ طیار اُن میں

مرگئے دشت میں زینبؑ کے بھی جب دونو پسر (۱۸) جھک گئے بارِ غم و رنج سے شاہِ بے پر
لاشیں اُن دونوں کی خیمہ سے جب آئیں اُٹھ کر   ماں نے قاسمؑ کو بلایا یہ کہا رو رو کر

ختم لشکر ہوا سب شاہِ ہدا کا بیٹا
اَب کب آئے گا تمھیں جوشِ وغا کا بیٹا

صبح سے حال جو ہے دیکھتی ہے یہ ناشاد (۱۹) کرتا ہے ایک کے بعد ایک یہاں عزمِ جہاد
لو ہوئی دشت میں زینبؑ کی بھی کھیتی برباد   کی تھی شبرؑ نے وصیت جو تمھیں کیا نہیں یاد؟

اب نہ جاؤ گے جو میداں کو تو کب جاؤ گے
ہوں گے اکبرؑ بھی نہ جب خلق میں تب جاؤ گے

رو کے یہ قاسمِ جرار نے مادر سے کہا (۲۰) کیا کروں جاؤں میں کس طرح سوئے دشتِ وغا
عرض کی میں نے کئی مرتبہ با آہ و بکا   اذن مجھ کو نہیں دیتے کسی صورت سے چچا

اذن دیں مجھ کو شہ دیں یہ گزارش کیجے
چل کے اب آپ ہی سرور سے سفارش کیجے

سن کے بیٹے کا سخن خاک سے اُٹھی وہ حزیں (۲۱) عرض کی آ کے مؤدب شہِ والا کے قریں
پائی ہر شخص نے یاں رخصتِ فردوسِ بریں   میرے بیٹے کو ملا اذن نہ کیوں اے شہِ دیں

سمجھے اس کو نہ غلاموں کے مقابل آقا
میرا بیٹا نہ تھا کیا صدقے کے قابل آقا

سن کے یہ حضرت شبیرؑ نے کھینچی اک آہ (۲۲) رو کے فرمایا کرو گھر نہ برادر کا تباہ
میں سمجھتا ہوں اسے ان کی نشانی واللہ　　　بہر شبیرؑ غم اس کا ہے نہایت جانکاہ

زیست میں کس سے برادر کا مزا پاؤں گا
یہ بھی جائے گا جو مرنے کو تو مر جاؤں گا

شہ تو یہ کہتے تھے اور ماں نے اشارہ جو کیا (۲۳) گر پڑا پاؤں پہ شبیرؑ کے وہ ماہ لقا
ساتھ ہی حضرت شبرؑ کی بھی آئی یہ صدا　　　بھائی روکو نہ اسے جانے دو اب بہر خدا

رات سے میں اسی جنگل میں ہوں نالاں بھائی
کرتا ہوں اپنے عیوض اس کو میں قرباں بھائی

سن کے شبرؑ کی صدا رونے شہ ہر دوسرا (۲۴) تھام کر ہاتھوں سے دل ابن حسنؑ سے یہ کہا
تم کو روکے گا نہ اب بیکس و مظلوم چچا　　　شوق سے تم سفر خلد کرو اے بیٹا

مجھ کو مجبور کیا اُن کی صدا نے قاسمؑ
کی سفارش حسنؑ سبز قبا نے قاسمؑ

سن کے سرور کا بیاں شاد ہوا وہ ناکام (۲۵) ہنس کے مادر نے یہ قاسمؑ سے کہا اے گلفام
مل گیا اذن وغا اب ہے یہ شادی کا مقام　　　لو کرو جھک کے شہنشاہ دو عالم کو سلام

مشکلیں حل ہوئیں سب شاہ ہدا کے آگے
اصل عقدوں کی ہے کیا عقدہ کشا کے آگے

بہر تسلیم جھکا اٹھ کے جو وہ غیرت ماہ (۲۶) شہ نے سینہ سے لگایا اُسے باحال تباہ
پھر یہ فرمانے لگے رو کے شہ عالی جاہ　　　دل سنبھلتا نہیں سینہ میں کسی شکل سے آہ

دل پہ اک زخم دیئے جاتے ہو کاری بیٹا
تم چلے کیا کہ چلی جان ہماری بیٹا

سن کو جب بہر وغا قاسمؑ ذیجاہ چلے (۲۷) شیر کی طرح سوئے لشکر روباہ چلے
باندھ کر تیغ و سپر یا اسداللہ چلے　　　پیچھے ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے دل شاہ چلے

خیمہ میں مادر آوارہ وطن رونے لگی
دیکھ کر شان پسر روح حسنؑ رونے لگی

رن میں پہنچا جو دل و جانِ علیؑ کا جایا (۲۸) روک کر اسپ سبک سیر کو یہ فرمایا
برتر افلاک سے ہے خلق میں اپنا پایا　　مرتبہ کس نے یہ پایا ہے جو ہم نے پایا

روز و شب عرش سے پیغام خدا لاتے تھے
گھر ہمارا ہے جہاں روح امیں آتے تھے

جد امجد میرا احمدؐ سا ہے شاہِ کونین (۲۹) فخر آدم شہ لولاک رسول الثقلین
تاج ہے عرش بریں کے لیے جس کی نعلین　　ہم اسی سرور ذیجاہ کے ہیں نور العین

افضل ہر دو جہاں خلق میں ہیں کامل ہیں
آلِ پاکِ شہ لولاک میں ہم شامل ہیں

میرا دادا ہے علیؑ شیر خدائے داور (۳۰) فاتح بدر و اُحد قالع بابِ خیبر
ناصر دین و مددگار رسول اطہر　　خلق میں نائب بے فاصلۂ پیغمبر

دہر میں نفسِ نبی سے کوئی کب بہتر ہے
ہادی خلق امام دو جہاں حیدرؑ ہے

حاکم کون و مکاں دونوں جہاں کا سرتاج (۳۱) جس کو کعبہ میں ملی دوشِ نبی پہ معراج
دم سے جس شیر کے عالم میں ہوا دیں کا رواج　　تیغ نے جس کے لیا قیصر و خاقاں سے خراج

جس کے باعث سے بندگی حق کی ہوا عالم میں
سکہ جس شاہ کی ضربت سے پڑا عالم میں

ران میں خوں جس نے لعینوں کا بہایا وہ علیؑ (۳۲) سر ہر اک سرکش خودسر کا جھکایا وہ علیؑ
جس نے میداں سے ہزاروں کو بھگایا وہ علیؑ　　خلق میں جس نے عمل دیں کا بٹھایا وہ علیؑ

خوف سے جس کے سیہ کار نہاں رہتے تھے
وہ علیؑ شیر خدا جس کو نبی کہتے تھے

باپ ہے وہ شہ کونین زمانے کا امام (۳۳) جو کہ ہے نائب ضرغام خداوند انام
بوئے اخلاق سے جس شہ کے معطر ہے مشام　　مسند عرش ہے جس سرور عالی کا مقام

راحت جان و دل خیر وریٰ کہتے ہیں
لوگ جس کو حسنؑ سبز قبا کہتے ہیں

عم وہ ہے اپنا جو ہے آج امام کونین (۳۴) سبط محبوب خدا فاطمہؑ کا نورالعین
ہاتھ سے اہل شقاوت کے ملا جس کو نہ چین   حامل رنج و الم بیکس و مظلوم حسینؑ

غم پہ غم دشت مصیبت میں اٹھایا جس نے
دو شب و روز سے پانی نہیں پایا جس نے

جس کو کاندھے پہ محمدؐ نے چڑھایا وہ حسینؑ (۳۵) جو کہ خاتون قیامت کا ہے جایا وہ حسینؑ
کھانا جس کے لیے فردوس سے آیا وہ حسینؑ   جس کو بے جرم و خطا تم نے ستایا وہ حسینؑ

دل کیا جس کا قلق سے تہ و بالا تم نے
دھوپ میں جس کو مدینے سے نکالا تم نے

سینکڑوں رنج و الم تم سے پہنچے اب تک (۳۶) بے کس صدمہ و آلام اٹھائے کب تک
زیست کیونکر ہو بشر آب نہ پائے جب تک   تیسرا دن ہے کہ پانی نہیں پہنچا لب تک

جان ہونٹوں پہ ہے اب فاطمہؑ کے جانی کی
گھر سے بلوا کے بہت خوب یہ مہمانی کی

ختم ابھی ابن حسنؑ کی نہ ہوئی تھی تقریر (۳۷) ناگہاں لشکر غدار سے آنے لگے تیر
دل بڑھانے کو بڑھے صف سے لعینان شریر   طبل جنگی پہ لگی چوب بڑھی فوج کثیر

ایک مظلوم سے لڑنے کے لئے دل اُمڈے
ڈھالیں اُٹھیں صف لشکر میں کہ بادل اُمڈے

نیزہ تانے جو قریب آگئے لشکر کے سوار (۳۸) غیظ میں آ کے بہادر نے بھی کھینچی تلوار
پا کے راکب کا اشارہ فرس خوش رفتار   مثل شہباز اجل فوج پہ آیا اکبار

بچ گیا خوف سے گردن کو جھکایا جس نے
خاک میں اُس کو ملایا سر اُٹھایا جس نے

جب سپر خود کی کاٹ کے سر کو کاٹا (۳۹) واں سے سینہ میں در آئی تو جگر کو کاٹا
صدر دشمن سے جو اتری تو کمر کو کاٹا   آنکھ جب چار ہوئی تار نظر کو کاٹا

شاخ کی طرح سے اعضا کو بہم کاٹتی تھی
رشتۂ زندگیٔ اہل ستم کاٹتی تھی

بحرِ خوں تیغ بہادر نے بہایا رن میں (۴۰) ہر طرف لاشوں کا انبار لگایا رن میں
خرمنِ ہستیٔ اعدا کو جلایا رن میں　　آبِ شمشیر نے طوفان اٹھایا رن میں

بحر میں پاتے تھے امن نہ کسی جا، بر میں
کشتیٔ عمر ستم گاروں کی تھی چکر میں

تھی پٹی لاشوں سے اعدا کی زمین مقتل (۴۱) دوڑتے پھرتے تھے رہوار ہر اک سو کوتل
تھی عجب طرح کی افواجِ ستم میں ہلچل　　حال بدحال پہ غداروں کے ہنستی تھی اجل

فرطِ حسرت سے منہ اک دوسرے کا تکتا تھا
خوف سے لفظِ اماں بھی نہ نکل سکتا تھا

لشکرِ شر میں جو ازرق نے تلاطم دیکھا (۴۲) ہو کے برہم پسر سعد ستم گر سے کہا
کیوں انہیں لوگوں پہ دعویٰ تھا تجھے مجھ سے بتا　　واہ کیا خوب لڑی فوج تری کیا کہنا

نہ قدم ڈر سے جوانوں نے بڑھایا رن میں
ایک لڑکے نے ہزاروں کو بھگایا رن میں

اس کا منہ دیکھ کے بولا پسر سعد شریر (۴۳) برہم اتنا ہے عبث تو ہی بتا کچھ تدبیر
ہاتھ سے تیرے اگر قتل ہو یہ طفل صغیر　　تجھ کو دلواؤں گا میں منصب و مال و جاگیر

ہوگا محسود جہاں مرتبہ وہ پائے گا
لوگ دیکھیں گے جو رتبہ ترے ہاتھ آئے گا

غیظ میں آ کے یہ بولا وہ لعین دوسرا (۴۴) فوج کی طرح سے تیرے بھی نہیں ہوش بجا
کروں میں جا کے جو اس طفل سے میداں میں وغا　　جو بہادر ہیں کہیں گے مجھے کیا یہ تو بتا

آبرو اپنی کسی طرح ڈبونے کا نہیں
کام یہ زیست میں مجھ سے کبھی ہونے کا نہیں

پر نہ ہو اے پسر سعد زیادہ مضطر (۴۵) فکر کی جا نہیں دم میں یہ مہم ہوتی ہے سر
ہیں شجاعانِ جہاں سے مرے چاروں یہ پسر　　ابھی لے آتے ہیں اس طفل کا یہ کاٹ کے سر

جا کے اب اس کے گناہوں کی سزا دیتے ہیں
دم میں شبر کی نشانی کو مٹا دیتے ہیں

باپ سے اذن وغا پا کے بڑھے وہ غدار (۴۶) سفر ملک عدم کو ہوئے چاروں تیار
آئے قاسم سے پئے جنگ جو وہ بد اطوار ایک کے بعد گیا ایک جہاں سے سوئے نار
مہلت اک دم کی نہ دی شیر نے غداروں کو
ایک اک ضرب میں چورنگ کیا چاروں کو

رن میں مارے جو گئے ازرق شامی کے پسر (۴۷) ہوگیا ماتمی بے آب کی صورت مضطر
چار داغ اس نے برابر جو اٹھائے دل پر صورت مار سیہ کھانے لگا بل خود سر
دل میں قوت نہ رہی ہوش ہوئے گم سر سے
عزم پیکار کیا لخت دل حیدر سے

ساقیا بادۂ پرنور کا اک جام پلا (۴۸) زرد ہوں فرط الم سے مئے گلفام پلا
بے پئے اب نہیں آتا مجھے آرام پلا ہوگا اک جام میں کیا صبح سے تا شام پلا
خم کے خم پیتا ہوں نشہ مجھے تب آتا ہے
وہ ہے کم ظرف جو اک جام میں چھک جاتا ہے

اس سبب سے ہمیں عادت ہے سوا پینے کی (۴۹) کہ سخاوت میں ہے معروف ہمارا ساقی
تو بھی آگاہ ہے اس سے کہ وہ ہے کون سخی نام پاک اس کا ہے مشہور زمانہ میں علی
جس کے ہر سمت کو دریائے کرم بہتے ہیں
وہ علی ساقی کوثر جسے سب کہتے ہیں

ذوالفقار اسداللہ کی ہاں تجھ کو قسم (۵۰) اہل مجلس کو دکھا دے برش اے تیغ دو دم
نام پاک شہ صفدر ہو زباں پہ ہر دم امتحاں ہے کہیں میداں سے ہٹانا نہ قدم
دل لعیں خوف سے وہ معرکۂ جنگ دکھا
کہنہ مشاق سخن دنگ ہوں وہ رنگ دکھا

بڑھ کے گھوڑے پہ بصد غیظ چڑھا وہ بے دیں (۵۱) بار سے راکب و مرکب کے دبی رن کی زمیں
پاس اٹھائی طرف قاسم جرار و حسیں سنگ بڑھا غیظ کی حالت میں سوئے شیر عریں
دیو بدمست بڑھا دشت بلا سے گویا
جنگ کو عمرو بڑھا شیر خدا سے گویا

رن میں پہنچا جو فرس صورت بادِ صرصر (۵۲) روک کر باگ کو کہنے لگا ہو کے خود سر
جھوم کر زیں پہ پکارا بہ غضب پھر اکفر جس نے مارا میرے بیٹے کو وہ صفدر ہے کدھر

اب نہ سر کے جو ہزبر صفِ ناورد ہے وہ
آکے روکے مرے دو ہاتھ اگر مرد ہے وہ

گوش زد جب ہوئے بیہودہ سخن حد سے سوا (۵۳) رن میں گونجا اسد بیشۂ ضرغام خدا
نعرۂ شیر سے تھرانے لگے ارض و سما ہو گئے دہر میں آثار قیامت پیدا

فوج کو موت کے سامان نظر آنے لگے
ہیبت ایسی ہوئی دل سینوں میں تھرانے لگے

غیظ میں آ کے دی یہ ازرق شامی کو صدا (۵۴) منہ سے کیوں بکتا ہے بیہودہ سخن حد سے سوا
غم میں بیٹوں کے حواس اب نہ رہے تیرے بجا کچھ نہیں وحشت و غم ہے یہ لعیں ہوش میں آ

ان کا کیا ذکر کہ بزدل تھے دنی تھے چاروں
دشمن آلِ محمدؐ تھے شقی تھے چاروں

شان اللہ کی ہے آگے ہمارے یہ کلام (۵۵) چھوڑ دیں خوف سے رہوار کے میداں میں لگام
مستعد جنگ پہ اک سمت جو عالم ہو تمام قدم اپنے نہ ہٹیں اور نہ رُکے یہ صمصام

ہوتی ہے سامنے اس تیغ کے آری تلوار
نہ رُکی روح امیں سے بھی ہماری تلوار

کچھ اگر دعوئے جرأت ہو تو ہاں سامنے آ (۵۶) وار کر دیر بہت ہوتی ہے باتیں نہ بنا
ہم ہیں ان میں کہ نہیں مثل جہاں میں جن کا جنگ سے حیدرِ کرار کی واقف نہیں کیا

سامنے سے کبھی دشمن کے ٹلے ہیں ظالم
ہم اُسی شیر کے بیشے میں پلے ہیں ظالم

سن کے ان باتوں کو بل کھا کے بڑھا وہ بے پیر (۵۷) تول کر گرز پکارا یہ عدوئے شبیر
روک اس ضرب گراں بار کو اے طفل صغیر اس طرف قاسم مہ رو کی بھی چمکی شمشیر

سر جو فتنے نے اٹھایا تھا فرو ہو کے گرا
گرز اک وار میں جلاد کے دو ہو کے گرا

دی صدا شیر نے بس تھی یہی تیر اندازی (۶۴) مثل روباہ کرے گا تو کہاں تک بازی
کچھ نہیں چلنے کی ہم سے تیری حیلہ سازی سامنے آ ابھی کہتیں جلد بڑھا کر تازی
زحمتیں اتنی نہ اب جنگ میں غدار اٹھا
کچھ اگر ہوئی جرأت ہے تو تلوار اٹھا

کھینچ کر تیغ دو دم غیظ میں آیا وہ شقی (۶۵) اس طرف شیر کے پوتے نے بھی ہاتھ میں لی
وار قاسم پہ کیا اس نے بصد بے ادبی تھام لی شیر نے پنجے میں کلائی اس کی
محو نظارہ تھیں حیرت میں صفیں لشکر کی
چھین کر پھینک دی شمشیر دو دم خود سر کی

پیش خر نام دیکھے جو لگا ڈر سے شغال (۶۶) دی بہادر نے صدا دوسری تلوار نکال
کوئی حسرت تری رہ جائے نہ او بد افعال اور نہ کچھ ہم تو ابھی دیکھتے ہیں تیرے کمال
پہلواں دہر کے نظروں میں سماتے ہی نہیں
بے کیے ہم تو کبھی وار لگاتے ہی نہیں

سن کے کھینچی بغضب دوسری شمشیر دو دم (۶۷) بد حواسی میں لگا وار لگانے پیہم
دیکھ کر حال یہ خود سر کا پکارا ضیغم یہ نکالا ہے نیا طرز وغا او اظلم
بھاگ جانے پہ یہ ثابت ہے کہ مائل ہے تو
ہاں مگر کیوں نہ ہو ہر علم میں کامل ہے تو

تھک چکا خوب جو وہ بانی بیداد و جفا (۶۸) تن کے قاسم نے یہ دی ازرق ملعون کو صدا
لڑ چکا یا ابھی کچھ حوصلہ باقی ہے تیرا سب ہنر ختم ہوئے یا نہیں او نحس بتا
دیر ہوتی ہے بہت تیغ اٹھائیں ہم بھی
تو جو راضی ہو تو اک ضرب لگائیں ہم بھی

کہہ کے یہ تیغ علم کی جو اسد نے اک بار (۶۹) لے کے چہرے پہ سپر ڈر کے ہٹا وہ مکار
دی صدا دیکھ اب آتی ہے ہماری تلوار روک اس تیغ شرر بار کو ہاں او غدار
اب نہ ہٹنا جو ہنرور صف ناورد ہے تو
روک اس وار کو مردود اگر مرد ہے تو

دل پہ عالم کے اسی ضرب کے سکے ہیں پڑے (۷۰) دیں کے جھنڈے اسی بازو سے زمانے میں گڑے
دب گئے ہیں اسی ضربت سے جو سرکش تھے بڑے   اسی قوت سے علی قلعۂ خیبر میں لڑے

تیری اصل او سگ ناپاک و سیہ رو کیا ہے
جب کہ وہ ہو گیا مرحب سا جواں تو کیا ہے

کمر عمرو پہ یہ کہہ کے جو ماری شمشیر (۷۱) خاک پر تیغ سے دو ہو کے گرا وہ بے پیر
جوش میں آ کے کہی شیر جری نے تکبیر   جھک گئے خاک پہ سجدے میں جناب شبیر

شکر کرنے لگے حضرت کرم داور پر
اشک جاری ہوئے شادی سے رخ انور پر

وجد میں آ کے یہ کہنے لگے ہم شکل نبی (۷۲) واہ کیا خوب لڑے سلمک اللہ اخی
دی صدا شاہ نے لڑتے تھے اسی طرح علی   فرط الفت سے قریب آ گئے عباس جری

کہتے تھے ٹھہرو ذرا پاس تو آؤں قاسم
مرحبا کہہ کے گلے تم کو لگا لوں قاسم

غازی جو طرز سے اس لڑ کے وہ کیا خیمہ کو آئے (۷۳) رنگ ہی تب یہ جدا دوسرا کیا اس کو پائے
زور ان بازوؤں کا غیر کہاں سے کوئی لائے   نظر بد سے تجھے خالق کونین بچائے

تھی یہی جنگ و جدل حق کے ولی کی بیٹا
پھر گئی آنکھوں میں تصویر علی کی بیٹا

جھک گیا گھوڑے پہ تسلیم کو وہ رتبہ شناس (۷۴) قلب بے تاب ہوا آئے علمدار جو پاس
پھر گئی آنکھوں میں شکل الم و حسرت و یاس   اپنے سینے سے لگا کر اسے روئے عباس

بھائی اس حال میں بھائی کو جو بھی یاد آیا
شہ کے نزدیک تڑپ کر دل ناشاد آیا

شہ کی جانب چلے عباس بچشم پُر نم (۷۵) حملہ ور لشکر اعدا پہ ہوا پھر ضیغم
پھر پریشاں ہوئے وحشت سے جری کے اظلم   پھر صفیں ہونے لگیں فوج ستم کی برہم

خوف سے تیغ کی منہ پھر گئے جلادوں کے
چت پڑے ہو گئے ابتر ستم ایجادوں کے

عمر سعد ستم گر نے یہ جس دم دیکھا (۷۶) خوف سے رنگ رخ ظالم بے دیں کا اڑا
مضطرب ہو کے یہ دی لشکرِ اعدا کو صدا بزدلی اس قدر اچھی نہیں کرتے ہو یہ کیا
مضطرب پھرتے ہیں اسوار پرے ٹوٹے ہیں
گو ہزاروں ہو مگر خوف سے جی چھوٹے ہیں

سن کے یہ بات پھری فوج قیامت آئی (۷۷) رن میں گھوڑوں کی تگاپو سے زمیں تھرائی
دیکھ کر حال پھر رن حسن گھبرائی ڈھالیں اٹھیں کہ ہوئی ظلم و ستم کی چھائی
چڑھ گئیں پھر وہ جو اتری تھیں کمانیں ران میں
پھر چمکنے لگیں نیزوں کی سنانیں رن میں

تیغیں کھینچے ہوئے گرد آ گئی اعدا کی سپاہ (۷۸) غل ستم گاروں میں تھا اب نہ بچے یہ ذی جاہ
کثرت فوج سے ملتی تھی نکلنے کی نہ راہ گھر گیا لشکرِ غدار میں وہ غیرت ماہ
فوج آئی کہ گھٹا جھوم کے اک بار آئی
جانب ابر کرم تیروں کی بوچھار آئی

پاس آتا تھا نہ دہشت سے کوئی بانیٔ شر (۷۹) دور سے مارتے تھے شیر جری کو پتھر
ہوگیا چور جو زخموں سے وہ جسم اطہر پاس آ آ کے لگانے لگے تیغیں خود سر
پے بیداد و جفا عربدہ جو لاکھوں تھے
ایک یہ بیکس و تنہا تھا عدو لاکھوں تھے

آ کے سر پر جو کیا ایک ستم گار نے وار (۸۰) کھا کے غش گھوڑے سے ریتی پہ گرا وہ جرار
ہوش آیا تو یہ سرور کو صدا دی اک بار جلد اب آیئے آقا کہ ہوا عبد نثار
نزع کا وقت ہے مشتاق زیارت ہوں میں
دیکھ لوں چہرۂ پر نور تو رخصت ہوں میں

گوش زد سرور عالم کے ہوئی جب یہ صدا (۸۱) دوڑے مقتل کی طرف پیٹتے سر شاہ ہدا
رو کے فرماتے تھے یہ کس نے ستم مجھ پہ کیا کچھ دکھائی نہیں دیتا کدھر آؤں بتا
تجھ سے پہلے نہ مجھے کیوں اجل آئی قاسم
کیسی آواز چچا کو یہ سنائی قاسم

کس طرح پاؤں میں بیٹا تیرا جنگل میں سراغ (۸۲) بعد مرنے کے بھی جانے کا نہیں دل سے یہ داغ
ہوگا تا حشر نہ مجھ کو کبھی اس غم سے فراغ گل کیا دشت میں کس نے میرے بھائی کا چراغ

دل ہے بے تاب وہ آغوش کا پالا ہے کدھر
دشت میں ہائے میرے گھر کا اُجالا ہے کدھر

کبھی اکبر سے یہ کہتے تھے بحالِ جانکاہ (۸۳) کر گئے ابنِ حسنؑ ہم کو تو جنگل میں تباہ
ہے جہاں آنکھوں میں تاریک نہیں سوجھتی راہ لے چلو ہاتھ پکڑ کر مجھے اے غیرت ماہ

مضطرب قلب ہے شکل اُس کی دکھا دو مجھ کو
چل کے پہلو میں بھتیجے کے بٹھا دو مجھ کو

ہاتھ تھاما علی اکبر نے جو بادیدۂ تر (۸۴) آئے لاشے پہ بھتیجے کے شہ جن و بشر
جسم صد پاش پہ کی تھام کے دل جبکہ نظر گر پڑے پہلوئے قاسمؑ میں امامِ اطہر

غیر حالت ہوئی صدمے سے دلِ مضطر کی
اشک جاری ہوئے آنکھوں سے شہ بے پر کی

کان میں گریۂ شبیرؑ کی پہنچی جو صدا (۸۵) کھول کر آنکھوں کو قاسمؑ نے بہ حسرت دیکھا
رو کے سرور نے کہا حال ہے کیا اے بیٹا عرض کی درد ہے زخموں میں بہت یا مولا

تنِ مجروح سے ریتی پہ لہو جاری ہے
سفرِ ملکِ عدم کی میری تیاری ہے

ابھی کہتا تھا یہ شبیرؑ سے وہ غیرت ماہ (۸۶) رخ پہ آثار ہوئے موت کے ظاہر ناگاہ
کی نظر چہرۂ انور پہ بصد حسرت و آہ ہوگیا راہیٔ فردوس بریں وہ ذی جاہ

عمِ بیکس کو دکھائی نہ جوانی اپنی
دے گئے داغ جگر شہ کو نشانی اپنی

رو کے فرمانے لگے لاش پہ شاہ دوسرا (۸۷) چل بسے چھوڑ کے ہم کو کدھر اے ماہ لقا
ہائے حسرت یہ میرے دل کی نہ نکلی بیٹا تو نے افسوس اُٹھایا نہ چچا کا لاشا

باعثِ ماتم و اندوہ بلا ہے قاسمؑ
تیرا مرنا مجھے پیغام قضا ہے قاسمؑ

پھر یہ ہم شکلِ پیمبر سے کہا بادلِ زار (۸۸) خیمہ میں لے چلو اب لاش برادر میں نثار
ہوں گے بے تاب بہت اہلِ حرم اے دلدار مادرِ خستہ جگر دیکھ لے ان کا دیدار
لے چلے خیمہ میں کس طرح یہ پُر غم ان کو
تم سنبھالو ہمیں جب گود میں لیں ہم ان کو

لے چلے کہہ کے یہ لاشے کو شہِ جن و بشر (۸۹) اک طرف حضرت عباسؑ تھے اک سمت اکبرؑ
کہتے جاتے تھے ہر اک گام پہ شاہ بے پر میں گرا چاہتا ہوں دونوں سنبھالو مل کر
اضطراب دلِ بیتاب جو تڑپائے مجھے
شدّتِ ضعف سے ایسا نہ ہو غش آئے مجھے

لائے خیمہ میں جو لاشے کو امامِ دوسرا (۹۰) گریۂ اہلِ حرم سے ہوا اک حشر بپا
رو کے شبیرؑ نے یہ مادرِ قاسمؑ سے کہا ہوئی مرغوب انہیں گلشنِ جنت کی ہوا
ہم کو قاسمؑ نے دکھائی نہ جوانی افسوس
مٹ گئی آج برادر کی نشانی افسوس

گئی فرزند کے لاشے پہ جو مادر کی نظر (۹۱) اشک جاری ہوئے آنکھوں سے ہوا دل مضطر
دونوں ہاتھوں سے جگر تھام کے بولی رو کر میرے بچے کو ہوا ہائے یہ کیا اے سرور
دلِ مادر پہ چھری غم کی پھرائی کس نے
خاک میں چاند سی تصویر ملائی کس نے

لاشِ فرزند سے پھر ہو کے مخاطب یہ کہا (۹۲) آئے ہو رن سے یہ کیا حال بنا کر بیٹا
سفرِ باغِ ارم خلق سے تم نے تو کیا ماں کو افسوس ہے تم نے نہ کہیں کا رکھا
مجھ سے کی آہ جواں ہو کے جدائی تم نے
لحد اماں کی نہ افسوس بنائی تم نے

دل ہے سینہ میں طپاں غم سے تڑپتا ہے جگر (۹۳) کچھ سجھائی نہیں دیتا مجھے اے نورِ نظر
تمہیں منصف ہو کہ مر جائے جواں جس کا پسر کیا کرے ہائے ضعیفی میں وہ بیکس مادر
غش مجھے آتا ہے لو آ کے سنبھالو بیٹا
مرتی ہوں مجھ کو بھی پاس اپنے بلا لو بیٹا

گر پڑی خاک پہ غش کھا کے جو وہ بیکس وزار (۹۴) لے گئے خیمے سے لاشے کو امامِ ابرار
رکھ کے میت کو شہیدوں کے قریں پھر اک بار رو کے فرمانے لگے شاہ بچشم خونبار

جب تک آتی نہیں موت اپنی یہ غم کھاتے ہیں
تم جہاں جاتے ہو اب ہم بھی وہیں جاتے ہیں

روک اب خامہ کو مشتاق برائے داور (۹۵) بزم میں گریہ و زاری سے بپا ہے محشر
مضطرب قلب ہیں سینوں میں تڑپتے ہیں جگر کھل گئے ہم پہ تیری طبع رسا کے جوہر

ہو جگہ مرنے پہ فردوس عُلا میں تیری
صرف ہو عمر یونہی مدح و ثنا میں تیری

Prof. SHARIB RUDAULVI
COLLECTION

دو سو سالہ جشن میر انیس (اسلام آباد) سے علامہ ضمیر اختر نقوی کا خطاب